234531 . F -26-12-07

Title - YAADGAAR HUSSAINI 1361 H

Creator - Sayyed Ghulam Ali Ahsan .

Publisher - Akhbar Bargi Press (Agra) .

Date - 1942 .

Pages - 126 .

Subjects - Tazkira Imam Hussain; Tasawwuf; Tazkira soofiya ; Imam Hussaini - Tazkira .

۷۸۶

مَوْتٌ فِیْ عِزٍّ خَیْرٌ مِّنْ حَیٰوۃٍ فِیْ ذُلٍّ — حسین علیہ السلام

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے

آگرہ کی تیرہ ۱۳۰۰ سو سالہ

یادگار حسینی ۱۳۶۱ ہجری

یعنی

مجموعہ پیغامات وتقاریر ومنظومات جلسہائے تیرہ سو سالہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ منعقدہ ۲۶-۲۷-۲۸ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳-۱۴-۱۵ فروری ۱۹۴۲ء بمقام سکر باغ آگرہ

جس کو

سید غلام علی احسن وکیل سکریٹری نے بمنظوری جناب **سید ساجد رضا رضوی** ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ نائب صدر انجمن وممبران سب کمیٹی انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ شاہ گنج آگرہ مرتب کرکے شائع کیا

باہتمام خواجہ فراست حسین منیجر

مطبوعہ آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ

(قیمت ایک روپیہ)

فہرست مضامین

کربلائے معلیٰ

کربلا (عراق) میں امام حسین علیہ‌السلام کا روضۂ مبارک - جہاں سالانہ لاکھوں زائرین تمام دنیا سے بغرض زیارت جاتے ہیں

" علی امام منست و منم غلام علی "

جناب سید غلام علی احسن - وکیل - سیکریٹری تیرہ سو سالہ یادگار حسینی و آل انڈیا مسالمہ سنہ ۱۳۶۱ ہجری آگرہ

عالی جناب مولانا السید علی نقی النقوی قبلہ مجتہدالعصر مدظلہ‌العالی بانئی یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ ہجری

عالی جناب حضور رائے صاحب گرد چرن داس مہتاجی صاحب دیال باغ آگرہ
صدر جلسہ افتتاحیہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ ہجری آگرہ (خطبہ صدارت صفحہ ۴)

عالی جناب بابو پورن چند سود صاحب بی-اے-ایل-ایل-بی
ایڈوکیٹ سابق میونسپل کمشنر و وائس چیرمین
اریہ سماج آگرہ (تقریر صفحہ ۲۰)

"مومنوں کے امیر حیدر ہیں"
بحضرت اکبر آبادی شارٹ ہینڈ رپورٹر
جلسہائے یادگار حسینی و آل انڈیا مسالمہ ۱۳۶۱ھ آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ

(از سید ساجد رضا ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ شاہ گنج آگرہ)

آگرہ کی گذشتہ تاریخ میں بین الملل اتحاد کی روشن ترین تصویر نظر آتی ہے۔ آرام باغ آگرہ ہی میں بابر بادشاہ نے وہ ناقابلِ فراموش وصیت نامہ تحریر کیا جس میں اپنی اولاد کو ہندوؤں کی دلجوئی اور رواداری کی تعلیم اور انسدادِ گاؤکشی کی تلقین کی ہے۔ قلعۂ آگرہ کا صدر دروازہ رواق مان سنگھ اور باب راجہ مان سنگھ کے نام سے ملقب ہے اور اکبر نے صرف ازدواج باہمی ہی کو کافی نہ سمجھ کر مسلمانی صوبجات مثلاً کابل و کاشمیر میں بھی ہندو گورنر مقرر کرکے ہندو مسلم اتحاد کی عملی بنا ڈالی۔ قلعہ آگرہ و فتح پور سیکری میں جودھ بائی کا محل اور جہانگیری محل اس امر کی زندہ مثال ہیں۔ کہ مغل بادشاہ کتنے بے تعصب حکمران تھے۔
عہد شاہ جہاں کی جملہ عمارات آگرہ اور بالخصوص روضہ تاج محل میں بین الاقوام طرز ہائے عمارت کی بہترین تصاویر اتصال ہیں۔ ان میں عربی و ایرانی فن تعمیر میں ہندی طرز کو اس خوبی کے ساتھ سمویا ہے کہ آنکھ ایرانی اور ہندوستانی رنگ میں مشکل سے تمیز کر سکتی ہے۔

جو شہر ایسے مرنجان و مرنج بادشاہوں کا دارالسلطنت رہا ہو اسکی رعایا بھی یقیناً رواداری کی بہترین زندہ مثال ہوگی۔ چنانچہ عوام کے اس خیال کو کہ تعزیہ داری یا عزاداری میں تنظیم صرف شیعوں ہی سے مخصوص ہے۔ شہر آگرہ کے مسلمانوں نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ یہاں ہر عقیدہ کے مسلمان اس کثرت سے تعزیہ بناتے اور اکھاڑے نکالتے ہیں۔ کہ برٹش انڈیا میں دوسری جگہ نہیں سنے گئے۔ کاغذ اور ابرق کے تعزیوں کا تو ذکر ہی کیا سونے چاندی کا تعزیہ یہاں بنتا ہے۔ رنگ برنگ کے لکڑی کے تعزیہ یہاں بنتے ہیں۔ گلاب کے پھولوں کا تعزیہ روزانہ تازہ بتازہ یہاں بنتا ہے گھاس کا تعزیہ، روئی کا تعزیہ، جو کا تعزیہ، جلیبی کا تعزیہ، چوڑی کا تعزیہ، تانبے کا تعزیہ غرضکہ کہاں تک لکھا جاوے ہر ممکن چیز کا تعزیہ یہاں تک کہ مٹی کا تعزیہ آگرہ میں نظر آتا ہے۔ اور ہر دستکاری صنعت کا شاہکار عشرۂ محرم میں تیار کرکے تمام شہر میں گشت کراتا ہے۔ ہماری انجمن کے مجلس منتظمہ کے ایک مقتدر رکن محمد رضی صاحب سب رجسٹرار نے محرم ۱۳۵۲ھ میں (قبل از جنگ عظیم موجودہ) حساب لگایا تھا کہ جملہ مسلمانان آگرہ عشرۂ محرم کے لئے تقریباً ۸۵ ہزار کی لاگت کے تعزیئے بناتے ہیں۔ کچھ ہندو صاحبان بھی منتی چیزیں چڑھاتے اور بناتے ہیں۔ اور سبیلیں بھی آراستہ کرتے ہیں اور دوسرے شہروں کی طرح تعزیوں کے راستوں میں رکاوٹ نہیں ڈالتے۔
یہی وجہ تھی کہ جب آگرہ والوں کو یادگارِ حسینی والوں نے ۱۳۶۱ھ میں تیرہ سو سالہ برسی منانے کی صلائے عام دی تو باوجود یکہ نہ اس ضلع میں کوئی شیعہ راجہ ہے۔ نہ تعلقدار لیکن معزز ترین اہل ہنود عمائدین اہل اسلام نے بخوشی و رضامندی تمام لبیک کہی۔ اور کانگریس و مسلم لیگ و ہندو سبھا وغیرہ کے ذمہ دار افراد نے یادگار حسینی کی تحریک میں دل و جان سے حصہ لیا۔ ۱۲ر فروری ۱۹۴۲ء کے عام جلوس میں ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے اور ۱۳ر و ۱۴ و ۱۵ر فروری کو جو سات اجلاس ہوئے اُن میں پانچ پانچ چھ چھ ہزار حضرات موجود رہے۔ اور جلسہ میں جب ایک تجویز اس عنوان کے ساتھ پیش ہوئی کہ جملہ اہل اسلام آل انڈیا ریڈیو کے محرم پروگرام کو مثل سابق شائع نہ کرنے پر پروٹیسٹ (احتجاج) کرتے ہیں تو ہندو حاضرین جلسہ نے اعتراض کیا کہ یہ آواز نہ صرف مسلمانوں کی سمجھی جاوے بلکہ کل آگرہ ملک کی اس لئے کہ امام حسینؑ آپ سے زیادہ ہمارے ہیں۔ حضور رائے صاحب ہز ہولینس گوپی چرن داس جی مہاراج صاحب مرشد اعظم رادھا سوامی ست سنگ باغ دیال باغ ہز ہولی نس حضور مہاراج جی مہاراج مرشد اعظم رادھا سوامی ست سنگ آگرہ راج کے چشم و چراغ راؤ صاحب راؤ کرشن پال سنگھ صاحب بہادر سابق افسر افواج انگریزی اور ایم ایل سی آنریبل ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو کے بڑے بھائی پنڈت راج ناتھ صاحب کنزرو رئیس اعظم و مالک آگرہ میڈیکل ہال ممبر ڈیفنس کونسل آف گورنمنٹ آف انڈیا تمام ہندوستان کی شہرت سے مستغنی ہیں۔ اور آن کو ہمارے آغوش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ آن پر کوئی ہمارا دباؤ پڑ سکتا ہے۔ لیکن ان حضرات نے جس جوش اور خلوص کے ساتھ ہمارے جلسوں کی صدارت فرمائی۔ اور پُرمغز تقریریں فرما کر بین الاقوامی رواداری کا ثبوت دیا۔ اُس کے لئے ہم تہ دل سے شکر گزار ہیں۔ اسی سلسلہ میں جناب شنکر لال صاحب جندل پروفیسر ٹریننگ کالج آگرہ اور بابو پورن چند صاحب بی اے ایل ایل بی کی مخلصانہ تقاریر بھی ناقابل فراموش ہیں۔ صاحبان موصوف کے ارشادات (Comparative study of religion) اصول مذاہب کے تقابل کے بہترین شاہکار ہیں۔ اور حسینؑ کی شخصیت اور کارنامہ پر مختلف عنوانوں سے روشنی ڈال کر آئینہ شہادت دیکھنے والوں کو متحیر کر دیتے ہیں۔ ہم اپنے معتمد (سکریٹری) کے اس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے کہ انھوں نے انسپکٹر امیر حیدر صاحب کی خدمات مخصوصہ اپنی حاصل کرکے ان خطبات کو حیات جاودانی کا موقعہ دیا۔

ظاہر ہے کہ جیسے حاضرین جلسہ ہونگے ویسا ہی رنگ قابل تقریر کرنے والے اختیار فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ اس مجموعۂ تقاریر میں عالیجناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر لکھنؤ بانیٔ تحریک ہذا اور عالی جناب مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی و دار العلوم احناف فرنگی محل لکھنؤ کے علمائے کرام عالیجناب مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری اور جناب مولانا حافظ محمد ہاشم صاحب کے ارشاداتِ عالیہ بھی ایسے عام فہم انداز میں پائیں گے جو مسلم اور غیر مسلم کے لئے یکساں سبق آموز ہوں اور ہر شریک جلسہ کچھ نہ کچھ لے کر اُٹھا۔ (نئی روشنی کے فضلاء)
سید علی متقی صاحب پنشن جج لکھنؤ و عالیجناب علامہ محمد مجتبیٰ صاحب کاموَن پوری جناب سید نفیر حسین صاحب بخاری پروفیسر ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جناب سید احتشام حسین صاحب پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی اور جناب سید تصویر حسین صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی اور ادیب اعظم محمد سلطان حیدر صاحب جوش بی۔ اے بی سی۔ ایس ڈپٹی کلکٹر اور ڈاکٹر مہدی حسن صاحب اکبرآبادی پی۔ ایچ ڈی۔ ڈی لٹ پروفیسر آگرہ کالج اور ڈاکٹر علی اختر صاحب انصاری پی۔ ایچ۔ ڈی انجنیئر آثارِ قدیمہ۔ ہند وغیرہ نے بھی حاضرین کی چشم بصیرت میں اپنی اپنی شعاعِ تحقیقات سے چکا چوند پیدا کردی۔
شاعر اہلبیت فخر اکبرآباد عالیجناب نجم آفندی کی نظم "کربلا گری" کو تمام جلسہ اور بالخصوص اہل ہنود صاحبان نے بے حد پسند کیا اور بار بار پڑھوایا فرزدق ہند سید قائم رضا صاحب نسیم امروہوی نے بھی جو مرثیہ پیش کیا وہ بہت کامیاب رہا۔ ہم جملہ حضرات مقررین اور حاضرین کے بیحد شکر گزار ہیں۔ کہ آن کی بدولت جلسوں میں روح پیدا ہو گئی اور آئندہ کے لئے یادگار قائم ہو گئی
بحیثیت خادم الخدام ہونے کے میرا فرض ہے کہ جملہ کارکنان و معینانِ انجمن کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں۔ میں عالیجناب محترم حاجی میر سید حسن صاحب رئیس اعظم لوہا منڈی آگرہ صدر انجمن ہذا کا بیحد شکر گزار ہوں کہ جناب ممدوح نے باوجود عدیم الفرصتی کے اپنی طبیعت کے خلاف ہم لوگوں کے اصرار پر عہدۂ صدارت کو قبول فرما لیا۔ نیز برادر معظم جناب سید آلِ مصطفےٰ صاحب رضوی تحصیلدار پنشنر و رئیس شاہ گنج آگرہ کا بھی ممنون ہوں کہ جب میں اپنی زمینداری واقعہ مرادآباد پر جانے لگا۔ آپ نے اکثر جلسوں میں میری بجائے صدارت انجمن فرمائی اور آخر جلسہ تک حساب کتاب رکھتے رہے۔ عالیجناب اخی المعظم آغا سید ابو القاسم صاحب قبلہ نے مشکل ترین منصب خزینہ داری کو بہت سختی اور بڑی امانت داری سے انجام دیا اس انجمن جناب ممدوح کا کما حقہ شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ آپ کا نام ہی محفوظی سرمایہ کی کافی ضمانت تھا۔
جس طرح بقول ہملیٹ کا ڈرامہ بغیر شہزادہ ڈنمارک کے ناممکن ہوجاتا اسی طرح میرا خیال ہے کہ اگر برادر معظم سید غلام علی احسن صاحب وکیل اس انجمن کی عنانِ اعتماد اپنے ہاتھ میں نہ لے لیتے تو ہماری کوشش منزل مقصود تک نہ پہنچتی یہ ہمارے معتمد اعلیٰ۔ (جنرل سکریٹری) سید غلام علی احسن صاحب کی ہی ذات تھی جس نے دن رات ایک کر کے جلسوں کو اس قدر کامیاب بنایا اور اس قدر یادگار بنا دیا کہ مٹائے نہ مٹ سکے گی۔ نیز آغا سید حسین صاحب کی ابتدائی جدوجہد بھی ناقابل فراموش خدمت ہے۔ اور محمد ساجد رضا صاحب رضا منزل

شاہ گنج آگرہ) و جناب سید مقصود الحسن صاحب نقوی ایم اے ڈی۔ ایڈ پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ سابق صدر انجمن و سید محمد مظہر صاحب جعفری وکیل جوائنٹ سکریٹری و سید نجم الحسن صاحب جعفری مالک این۔ ایچ جعفری اینڈ کو و سید صادق حسین صاحب امین و سید محمد رضی صاحب بی۔ اے پنشنر سب رجسٹرار و مولوی سید محمد ابراہیم صاحب اور ماسٹر سید غلام شبر صاحب و شیخ مسعود حسین صاحب و انوار الحسن خاں صاحب لودی وکیل و ڈاکٹر محمود الحسن صاحب رضوی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ فراہمی چندہ و کامیابی جلسہ میں شب و روز انہماک سے کام لیا۔
مسلم لیگ آگرہ و شاہ گنج کی انجمن ہائے پنجتنی و حیدریہ و موتی کٹرہ کی انجمن سجادیہ کے والنٹیر صاحبان نے جو اشتراک عمل فرمایا اُس کا بھی منجانب انجمن ہذا ممنون ہوں۔ عالیجناب سید علی جان صاحب متولی وقف حاجی میر نیاز علی صاحب مرحوم و پنشنر سب رجسٹرار و جناب سید علی جواد صاحب و جناب سید امیر حیدر صاحب پنشنر منصرم اور جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اور جناب حافظ عبد المجید صاحب کی امداد کا بھی شکر گزار ہوں بیرونجات کے اہل برادری کا بھی ممنون ہوں کہ وہ اپنے وطن کی نیکنامی کے لئے چندہ دہندگان میں شریک ہوئے اور اس طرح اکثر نے ڈبل ٹیکس ادا کیا۔
پیرزادہ حاجی شیخ عزیز الدین صاحب درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی اور حاجی سید ناصر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر آگرہ کا بھی ممنون ہوں کہ خواجہ حسن نظامی دہلوی کو مدعو کرنے اور مہمان رکھنے کے باعث ہوئے۔
حاجی سید حسن صاحب رئیس نواب سید اطہر صاحب میونسپل کمشنر و نواب سید یونس رضا صاحب اسپیشل مجسٹریٹ شہر آگرہ و پروفیسر نجم الدین صاحب و انسپکٹر سید حامد حسن صاحب اور سکریٹری صاحب معتمد اعلیٰ مظاہر حسین نقوی صاحب بھی اس امر کے شکر گزار ہیں کہ ان حضرات نے معزز تقریر کنندگان بیرونی کا اُن کی حیثیت کے مطابق قیام و طعام کا انتظام اپنے ذمہ لیا اور خود میزبان بنے۔ بمبئی کے سیٹھ الدین بھائی اور لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر بکٹر شہریار صاحب اس لحاظ سے زیادہ قابلِ تشکر ہیں کہ جلسوں کے ختم ہونے کے بعد چندہ مرحمت فرمایا۔
آخری دن مشاعرہ ہوا جس کا ذکر معتمد صاحب نے کسر نفسی سے اپنی رپورٹ میں قطعاً نہیں فرمایا۔ در انحالیکہ میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر سید غلام علی احسن صاحب مسلسل چار پانچ ماہ اس قدر انہماک اور جوش سے کام نہ لیتے تو ایسے بارونق جلسے اور شاندار مشاعرہ ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ تمام ہندوستان کے شعراء کو مشاعرہ میں بلایا گیا تھا۔ اور دہلی و لاہور تک کے شاعر آئے۔ سینکڑوں نظمیں تھیں اس لئے وہ علیحدہ شائع ہو چکی ہیں اور جو صاحب چاہیں ۵ر کے ٹکٹ بھیجکر سکریٹری صاحب بزم ادب شاہ گنج آگرہ سے طلب فرما سکتے ہیں۔
میں بحیثیت نائب صدر انجمن یادگار حسینی آگرہ تمام صدر صاحبان مقررین و معاونین و شرکاء جلسہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ہماری ناچیز استدعا پر تکلیف گوارا فرمائی اور آخر میں انجمن کی جانب سے اُن حضرات سے جن کو کچھ تکلیف ہوئی یا مجھ سے سکریٹری صاحب سے یا کسی کارکن انجمن سے کوئی شکایت ہماری کسی فروگذاشت کے باعث ہوئی ہو) بصد ادب معافی کا خواستگار ہوں۔ امید کہ درگذر فرما کر جملہ حضرات اس تحریک کو آئندہ ایک مستقل یادگار بنا دیں گے۔ "طلبگار فیوض عظیم ساجد رضا فہیم"

سید ساجد رضا رضوی۔ ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ ہائیکورٹ نائب صدر انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغامات وتقاریر جلسہائے یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ھ

منعقدہ ۲۶-۲۷-۲۸ محرم سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳، ۱۴، ۱۵ فروری سنہ ۴۲ء بمقام علیگڑھ

پیغامات

۱۔ ہزہائینس فرزند دلپذیر دولتِ انگلیشیہ مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامراء نواب سر سید محمد رضا علی خاں صاحب بہادر کے۔سی۔ایس۔ای۔ فرمانروائے رامپور دام ملکہم

اختلافِ اقوام وملل اور بُعدِ زمان ومکاں کے باوجود اس نظریہ پر سارا عالم متفق ہے کہ انسانیت کا مقدس ترین فریضہ حق وصداقت اور عدل وانصاف کی حمایت ہے۔ اس دنیا کی لاکھوں برس کی عمر میں ہزاروں بار باطل کی طوفانی فوج نے حق کی بے سروسامان مگر چٹان جیسی اٹل جماعت کو آزمایا ہے اور آج پھر باطل اپنے ظلم وستم اور جبر واستبداد کے تمام انسانیت سوز حربوں کے ساتھ حق وصداقت کو برسرمیدان دعوتِ مقابلہ دے چکا ہے۔

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اور اُن کے رفقاء نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اپنا تن من دھن سب کچھ حق پر نثار کر کے باطل کو جو کبھی نہ بھولنے والی شکست دی تھی۔ اس کی یاد منانا ہر انسان کا فرض ہے جو حق وصداقت اور امن وآزادی کو عزیز رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ دُنیا تذبذب کی حالت میں موجودہ کشمکش کے نتائج کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہی ہے۔ یومِ حسینؑ روشنی کا بلند ترین مینار ہے۔ جو اپنی نورانی روشنی کے ذریعہ ہم سب کو شاہراہِ حق وانصاف کی طرف بلا رہا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی سعی کو مشکور کرے اور حق وباطل کی اس آخری جنگ میں ہمیں حسینؑ اور رفقاءِ حسینؑ کی طرح حق کی حمایت کرنا نصیب کرے تاکہ آئندہ قیامت تک کے لئے ظلم کی تلوار ٹوٹ جائے اور حق وانصاف کا ہمیشہ بول بالا رہے۔

۲۔ پیغام شہدی کربلائی خان بہادر نواب مخدوم مرید حسین صاحب قریشی آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ایم۔ایل۔اے (مرکزی) سجادہ نشین غوث بہاؤ الحق والدین ذکریہ ملتان۔

میرا دل اس فخر و مباہات سے ہمدوشِ کہکشاں ہو رہا تھا کہ مجھے عالمِ انسانیت کے اُس بطلِ جلیل کی یادگار عظمت و جلالت میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی فرمائش کی گئی ہے جس کے متعلق شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو!!
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

میدانِ کربلا کی شعلہ آفریں زمین پر اسلام کے خلیل اعظم یا ذبحِ عظیم کی تفسیر حسینؑ تھے۔ آج سے پورے تیرہ سو سال پہلے حق و باطل کا عظیم ترین محاربہ جب کہ حسینؑ اپنے خون میں نہا کر تاریخ حریت و آزادی انسان میں جس باب کا اضافہ کر گئے ہیں۔ وہ احرارِ عالم کے لئے صحیفۂ آسمانی کی حیثیت رکھتا ہے۔

حسینؑ کا مقصد اولین محض یہ تھا کہ شرفِ انسانی کو معراج کی بلندیوں تک پہنچا دیا جائے اور اُسے برقرار رکھنے کے لئے ہر اُس طاغوتی قوت و طاقت کا مقابلہ اگر کربل جوانو اور معصوم بچوں کی موت سے ہو سکتا ہے تو کیا جائے۔ جو ڈکٹیٹرانہ اور ظالمانہ ذہنیت کے ساتھ انسان کی اخلاقی آزادیوں کو کچل دینا چاہتی ہے اور عدل و انصاف و ایمان کی بساط کو اُلٹ دینا چاہتی ہے۔ اگرچہ بظاہر حسینؑ کا تنِ پاک صد ہا زخموں سے پاش پاش تھا۔ لیکن درحقیقت اُس شیطانی طاقت و سلطنت کے تابوت میں میخیں ٹھونکی جا رہی تھیں۔ جس کے بے رحم سوار فرزندِ رسولؐ کے گل اندام لاشہ کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور چور کر رہے تھے۔ استقلال، پامردی اور استقامت کی جو مثالیں کربلا کی خونی داستان تاریخ عالم کے صفحات پر ثبت کر چکی ہے۔ اُس میں اقوام عالم و انسانیت کے نام ایک ابدی پیغام ہے کہ امن و سلامتی کے لئے ظالمانہ انداز کی حکومت کو اُلٹا دینا ہی انسانیت کا مقصد اعلیٰ ہے۔ تاریخیں مٹ سکتی ہیں۔ عالمِ انسانیت تہ و بالا ہو سکتا ہے۔ تہذیبیں مٹتی رہیں گی۔ لیکن ذکرِ حسینؑ صحائفِ آسمانی کی مثل ایک غیر فانی حیثیت رکھتا ہے اور آج دنیا جن خونی محاربات کے کھیل کھیل رہی ہے۔ اِن کھیلوں کی کھیلنے والی ٹیموں کو صرف حسینؑ کی مثال اور اُس کا عظیم الشان پیغام ہی ابدی سکون یا امن و سلامتی کا سندیسہ دے سکتا ہے

۳۔ منجانب دی آنریبل سر موریس گوئر چیف جسٹس عدالت العالیہ فیڈرل کورٹ دہلی۔

بنام سید غلام علی آنریری سیکریٹری انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ شاہگنج آگرہ

بجواب آپ کی چٹھی نمبری ۲۰۵ مورخہ ۵ رفروری ۱۹۴۲ء

مجھے افسوس ہے کہ قبل کی طے شدہ مصروفیتوں نے مجھے آپ کے دعوت نامہ شرکت جلسہائے یادگار حسینی جو ۱۳ ر ۱۴ ر ۱۵ رفروری ۱۹۴۲ء کو ہونے والے ہیں کو منظور کرنے سے مجبور کر دیا ہے۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اپنی دلی تمنا ایسی ہستی کے یادگار جلسوں کی کامیابی پر اظہار کروں جس کا نام نامی بجا طور پر تمام دُنیا کے مسلمان عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔

۴۔ پیغام۔ از عالی جناب نواب محمد بہادر یار جنگ صاحب حیدرآباد دکن۔

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

سیزدہ صد سالہ یادگار شہادتِ کبریٰ کا دعوت نامہ پہنچا

افسوس کہ شرکت کی سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہوسکوں گا۔
حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت تاریخ اسلامی کا وہ باب ہے جو ہمیشہ متلاشیانِ حق کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوگا اور سعادت و فلاح کی منزل مقصود کی طرف رہبری کرتا رہیگا
خدا ہم سب کو راہِ حسینؑ پر گامزن ہونے اور حسینؑ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کربلا

جناب منشی شکور احمد صاحب رعنا اکبرآبادی

کربلا اے منزلِ حق آسمانے بر زمین — تیرے قدموں پہ ہے ساتوں آسمانوں کی زمیں
تیری خاکِ پاک میں ملفوف کس کا نور ہے — نور سے معمور، تیرا ذرہ ذرہ طور ہے
ضو تیرے سینہ میں ہے توحید کے پیغام کی — خون سے لکھی ہوئی ہے داستاں اسلام کی
تیرے دامن میں نبی کا چاند محوِ خواب ہے — ہر کرن جس چاند کی اک مہرِ عالمتاب ہے
مدفنِ اہلِ وفا ہے، قلبِ صد پارہ ہے تو — خوابگہ اکبر کی ہے، اصغر کا گہوارہ ہے تو
اللہ اللہ تکیہ سر ہے علیؑ کے لال کی — اے زمیں کتنی بلندی ہے ترے اقبال کی
تجھ کو آنکھوں سے لگائے ہر دلِ غمناک ہے — عالمِ اسلام کے سجدے ہیں تیری خاک ہے
جلوہ فرما تیری مسند پر ولی ابنِ ولی — دینِ حق کی آیتِ روشن حسینؑ ابنِ علیؑ
جس نے بدلا اہلِ عالم کا نظامِ زندگی — زیرِ خنجر بھی دیا جس نے پیامِ زندگی
قوتِ باطل کا سر جس نے جھکایا وہ حسینؑ — جس نے آئینِ حقیقت جگمگایا وہ حسینؑ
آج ہے جس کی بدولت گفتگوئے دردِ دل — جان دے کر جس نے رکھ لی آبروئے دردِ دل
جس نے دل کی تہہ میں گہرے نقش احساں کردئے — جس نے اپنے لاڈلے امت پہ قرباں کردئے
جس کے غم میں چاک ہے سب کا گریباں وہ حسینؑ — عالمِ انسانیت ہے جس پہ نازاں وہ حسینؑ
دل ہوں رعنا جس کے بس میں نازشِ دل ہو وہی — حشر تک روئیں جسے انسان کا دل ہے وہی

آبرو ہو موت کی اور زیب و زینِ زندگی
جس کے ماتم میں ہو مر جانا بھی عینِ زندگی

ترجمہ تقریرِ صدارتی افتتاحیہ ہز ہولی نیس صاحب گورچرن داس مہتا صاحب صدر رادھا سوامی ستسنگ دیال باغ آگرہ

حضرت امام حسینؑ نے یہ قربانیاں تمام نوعِ انسان کے لئے کیں!

اُن کی شخصیت ہم سب کے لئے اتفاق و اتحاد کی ماڈل بنجاتی ہے

اس لئے

اُن کے نام پر ہم ملک کے اندر آپس میں اخوت و مساوات قائم کر سکتے ہیں

فرمایا۔ "جو جلسے سیزدہ صد سالہ یادگارِ حسینؑ کے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے یہاں پر منعقد کئے جا رہے ہیں۔ اس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت منظور کرنے کی اطلاع مجھے ڈاکٹر مہدی حسن صاحب کے ذریعہ ۹ر فروری کو ملی۔ میں اس دعوت کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف کا بہت مشکور ہوں۔ دعوت دینے کے وقت میں نے صدارت منظور کرنے کے سلسلہ میں اپنی دقتیں جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سی تھیں پیش کیں۔ اُن میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔ میں قریب قریب حضرت امام حسینؑ کی تواریخ شہادت سے ناواقف ہوں۔ دوئم یہ کہ میں پبلک میں تقاریر کرنے کا عادی نہیں ہوں لیکن وہ برابر اصرار کرتے رہے۔ اور دوسرے دن جب وہ دوبارہ میرے پاس تشریف لائے تو مجھ کو بدرجہ مجبوری اُن کی درخواست منظور کرنی پڑی۔ اس وقت بھی میں آپ کے سامنے اس دقت کو دوبارہ پیش کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی اس سلسلہ میں میں اپنی کمزوری کا بھی اعتراف کرتا ہوں جس کی وجہ سے میں اُنکی درخواست ماننے سے انکار نہیں کر سکا۔ وہ یہ تھی کہ یہ جلسہ ایک نہایت اعلیٰ مقصد کی تکمیل میں منعقد کیا جا رہا تھا۔ جس میں تمام ہندوستانی متفقہ طور سے بلا لحاظ قومیت، رنگ و نسل و فرقہ کے، ایسے

نازک وخطرہ کے وقت جو کہ ملک ہند کے سامنے درپیش ہے شریک ہو رہے تھے اور میں اس دل خوش کن نظارے کو بچشم خود دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی درخواست دعوت مجھ پر غالب آ گئی۔

جیسا کہ آپ صاحبان کو معلوم ہے یہ جلسے حضرت امام حسینؑ جو حضرت علیؑ کے دوسرے صاحبزادے تھے کی یادگار شہادت میں جو تیرہ سو سال قبل ہوئی منعقد کئے جا رہے ہیں۔ میں اُن ایام کے واقعات کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ جو کچھ تھوڑی بہت واقفیت میں نے حاصل کی ہے اُسے یا تو ڈاکٹر مہدی حسن صاحب سے یا دو پمفلٹوں کے مطالعہ سے جن کو اُنھوں نے مجھے ملاقات کے وقت دیئے تھے حاصل کی ہے۔ دوئم اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ میں سے بیشتر اصحاب مجھ سے زیادہ ان واقعات کے بارے میں جانتے ہیں۔ اس لئے میں ان کو یہاں پر بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ گذشتہ تین ایام میں جو کچھ واقفیت میں ان واقعات سے حاصل کر سکا وہ یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اس زبردست مذہب کی جسے اُن کے نانا حضرت محمدؐ صاحب نے کچھ سال قبل قائم کیا تھا۔ اعلیٰ روایات کو قائم رکھنے اور معاویہ اور اُس کے بیٹے یزید جس نے اُس وقت تمام دینی و دنیوی اختیارات وحکومت چھین لی تھی اُنکی شرارتوں و بدکاریوں کے خلاف علم مخالفت بلند کرنے اور لڑنے کی نیت سے نہ محض اپنے آپ کو قربان کر دیا بلکہ اپنے تمام عزیز واقربا وگھر کے لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے شہید کرا دیا۔ حضرت امام حسینؑ جو جنگ کربلا کے ہیرو ہیں دراصل نوع انسان کے ایک زبردست لیڈر تھے۔ دینی و دنیوی حکومت کے مالک تھے اور میری رائے میں بلا کسی قسم کے شک و مبالغہ کے وہ تمام نوع انسان کی تعریف اور عزت کے مستحق ہیں۔ اُنکی قربانیوں نے بلاشک لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر بڑا گہرا اثر کیا ہے اور مسلم تاریخ میں ایک بڑا زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ جسکی وجہ سے تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں میں مذہب اسلام کیلئے بڑی عزت و قدر ہو گئی ہے اور جس نے مذہب اسلام کی پاکیزگی کے معیار کو قائم رکھا ہے۔

حضرت امام حسینؑ مالک کی وحدت اور نوع انسان میں اخوت پیدا کرنے کے اس اعلیٰ آدرش کے جس کی تعلیم حضرت محمدؐ صاحب نے دی تھی پورے طور سے معتقد تھے۔ لیکن حضرت محمدؐ صاحب کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی آئندہ ایسی نسلوں میں جن پر حضرت محمدؐ صاحب کی روحانی تعلیم کا اثر بالکل نہیں ہوا تھا۔ تزک و احتشام۔ اختیارات وحکومت حاصل کرنے کے لئے حرص و طمع پیدا ہو گئی۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور جہاد کیا اور اُس بدی کے خلاف جنگ کی جس کی وجہ سے اُن کو اس قدر دقتیں اُٹھانی و قربانیاں کرنی پڑیں۔ اسی لئے آپ بلاشک شہیدوں میں بلند اور ممتاز درجہ پانے کے مستحق ہیں اور اسی وجہ سے صحیح معنوں میں آپ کو سید الشہدا یعنی شہیدوں کا سردار کہا جاتا ہے۔

ہز ہولی نس سر صاحب جی مہاراج نے اپنے ڈرامہ موسومہ "سوراجیہ" میں صریح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ کل مالک کی یہ سوج و مرضی ہے کہ دنیا میں اس وقت اُخوت و مساوات کے اعلیٰ آدرش قائم ہوں نیز یہ کہ جب تک دنیا کی تمام اقوام اس آدرش کو قبول و منظور نہیں کر لیں گی۔ اُس وقت تک یہاں شانتی و امن ہرگز قائم نہیں ہو سکتے۔ لیکن دنیا کی قوموں نے اختیارات حکومت و سلطنت کے حاصل کرنے کی طمع میں اس لافانی صداقت کو نظرانداز کر دیا۔ اور ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ اس کی وجہ سے آج ½ ۳۰ مہینے گذر گئے تمام دنیا ایک نہایت خونریز

جنگ میں مبتلا ہے۔

جناب ملک معظم نے اسی وجہ سے اپنی تقریر میں جو انھوں نے بڑے دن پر نشر کی تھی اپنی تمام برطانوی قوم کی توجہ اس آدرش کی جانب مبذول کی تھی۔ جس میں آپ نے فرمایا۔

"اے میرے سلطنت کے لوگو! میں آپ سب کو ایک زبردست اور بڑا خاندان تصور کرتا ہوں۔ کیونکہ اب ہم اسی قسم کی معاشرتی زندگی بسر کرنا سیکھ رہے ہیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے اجزاء ہیں اور ہم سب کو ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کی اشد ضرورت ہے اس لئے ایک دوسرے کی سیوا کرنے اور رفاہ عام کی خاطر قربانیاں کرنے سے ہی حقیقی معنوں میں ہم اپنی زندگی کے اعلیٰ معیار تک پہونچ سکتے ہیں۔ اس اسپرٹ کو قائم کرنے ہی سے ہم سب لوگ اس لڑائی کے بعد تمام دنیا کے لئے حقیقی اور دیرپا صلح و امن قائم کرسکیں گے۔"

ملک معظم کی یہ نشر کردہ تقریر ہم اہالیانِ دیال باغ کو اُن ہدایات کی جو ہز ہولی نس سر صاحب جی مہاراج نے فرمائی تھیں، یاد دلاتی ہے اور وہ یہ ہیں کہ ہم کو اُس پرم پتا کے دین و ادھین سیوکوں کی طرح کام کرنا چاہیئے۔ ہم کو اُس پرم پتا کے فرض شناس بچوں کی طرح مل کر زندگی بسر کرنا چاہیئے۔ اور ہمکو اس پرم پتا کے سچّے اور پریمی بھگت جنوں کی طرح ایک دوسرے سے پریم و محبت سے پیش آنا چاہیئے۔

لہذا حضرت امام حسینؑ جیسی عظیم الشان ہستی کی یادگار منانے اور اُن زبردست خدمات کا جو اُنھوں نے تمام نوعِ انسان کے لئے کیں اعتراف کرنے کے لئے نیز اُن کے زبردست احسان کا جو بار ہم سب لوگوں کے سروں پر ہے اس کا اقرار کرنے کے لئے ہم سب لوگ آج یہاں پر جمع ہیں۔ اور اگر تمام حاضرین اس وقت ذرا سنجیدگی سے آپ کی زبردست قربانیوں کی اہمیت کا اندازہ کریں اور نیز اس بات کا خیال کریں کہ اُنھوں نے یہ تمام قربانیاں محض نوع انسان کے مفاد و بہبودی کے لئے کیں تو اُنکی شخصیت ہم سب لوگوں کیلئے اتحاد و یگانگت کا ماڈل بنجاتی ہے۔ جس کو دنیا کے تمام لوگ بخوشی منظور کر لیں گے۔

ہر فرد انسان کی زندگی میں موافق موقع صرف ایک دفعہ آتا ہے اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو کسی قوم کی زندگی میں زرّین اور منفعت بخش مواقع بار بار نہیں آتے۔ ہماری رائے میں موجودہ وقت ہم لوگوں کے لئے ایک نہایت زرّین اور زبردست موقع پیش کرتا ہے۔ ہم سب کو چاہئے کہ اس وقت اس موقع کا زیادہ سے زیادہ اور پورا فائدہ اٹھائیں۔ جو مصیبتوں اور خطروں کے بادل اس وقت ملک کی فضائے آسمانی پر منڈلا رہے ہیں۔ اُن کو دیکھتے ہوئے آپ سب کو اپنے پرانے نفاق اور لڑائی جھگڑوں کو جو ہماری رائے میں کبھی پیدا ہی نہیں ہونا چاہیئے اور جن کو دلچسپی رکھنے والے لوگوں و جماعتوں نے ہزار گنا بڑھا دیا ہے۔ یک دم بھلا دینا چاہیئے۔

اب آخر میں میں نہایت عجز و انکساری سے اُس قادر مطلق پرم پتا کے حضور میں یہ پرارتھنا کرتا ہوں کہ آئندہ تین دنوں میں آپ کا یہ جلسہ محبّت و اتحاد کے کرّۂ ہوائی میں ہوتا رہے اور اس کارروائی کو ختم کرتے ہوئے یہ بات اچھی طرح سے آپ کے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم سب لوگ اُسی ایک پرم پتا کے بچے ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی ہیں۔ لہذا اب ہم سب لوگ اس بات کا مصمم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم سب اپنی روزانہ کارروائی میں بھی برادرانہ پن کی اسپرٹ برتینگے۔ ان مختصر الفاظ کے ساتھ میں اب اس جلسہ کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔"

تقریر جناب شنکر لال صاحب چندل ایم۔ اے پروفیسر ٹریننگ کالج آگرہ

بتاریخ ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء (اوّل نشست)

واقعۂ کربلا

جناب صدر اور دیگر حضرات! قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر شروع کروں میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقعہ دیا کہ اس وقت میں اپنے خیالات کا اظہار اس کربلا کے واقعہ کے متعلق کر سکوں۔ جس کے متعلق جو سنتا ہے۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ تاریخ میں کوئی ایسا حادثہ نظر نہیں آتا جو اس سے زیادہ دردناک اور خطرناک ہو۔ بچپن کے چھ سال کی یادداشت آیندہ زندگی میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد ۲۶ سال ہر سال محرم کو دیکھتے ہو گئے۔ لیکن میں واقعی نہیں جانتا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ شیعہ حضرت امام حسینؑ کا ماتم کرتے ہیں۔ لیکن اصل واقعات مجھے نہیں معلوم تھے۔ چونکہ مجھے اس سلسلہ میں کچھ کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا تو مجھے پتہ چلا کہ شیعہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔

حضرات! محمدؐ صاحب نے جیسا کہ مجھے علم ہے۔ صرف ۲۳ سال کام کیا۔ تیئیس ۲۳ سال کی محنت کے بعد ایک بڑی وحشی قوم کو ایک بڑی جماعت میں باندھ دیا۔ انگریزی تواریخ لکھنے والوں نے بھی اس بات کو بڑے سنہری حرفوں میں بیان کیا ہے۔ اُن کے سامنے جو وحشی پنا تھا وہ دب گیا۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد اُن لوگوں کی خواہشات۔ شراب کا پینا۔ جوئے کا کھیلنا۔ ظلم کرنا۔ وغیرہ وغیرہ ہوتے رہے۔ اُن کی لڑکی حضرت فاطمہ اور اُن کے داماد حضرت علیؑ اور لڑکے امام حسنؑ اور امام حسینؑ تھے جو اُنکے نواسے ہوتے ہیں حضرت علیؑ محمدؐ کے سچے پیروکار تھے۔ محمدؐ کی وفات پر لوگ خلافت کے جھگڑے میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علیؑ اُنکو چھوڑ کر کہیں نہ گئے۔ لوگوں نے کہا کہ خلافت کا مسئلہ طے ہو رہا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ میرا فرض ہے کہ پہلے میں حضرت محمدؐ کی لاش کو دفن کر دوں۔ اُنھوں نے دنیوی فائدہ کو اپنے فرض کے سامنے ٹھکرا دیا۔ گو کہ وہ خلافت کے حقدار تھے۔ مگر اُنھوں نے اُس کی پروا نہیں کی۔ اس طرح تین خلیفہ۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان اُسکے بعد اُن کا چوتھا نمبر آیا۔ اس پر بھی اُنھوں نے یہ شرط ٹھانی کہ خلیفوں کی سیرت کے مطابق چلیں گے۔ خلافت منظور کی۔ پھر بھی اُنھوں نے یہ شرط منظور نہیں کی۔ چونکہ عثمان نے بڑے بڑے عہدوں کو اپنے آدمیوں کو دے دیا تھا۔ اس وجہ سے لوگوں نے اُن کو مروا ڈالا (کسی صاحب نے کچھ کان میں کہا) میں معافی چاہتا ہوں میں نے یہ سب حالات ہسٹری سے لئے ہیں۔ خیر یہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ معاویہ پر خلافت پہونچ گئی۔ جب وہ خلیفہ بنے تھے

اُنھوں نے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے بعد حضرت علیؑ کے بڑے
لڑکے حضرت حسنؑ کو خلیفہ بناؤں گا۔ لیکن مرنے سے پہلے اپنے
لڑکے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ گو حسنؑ مر چکے تھے۔ لیکن اُن کے چھوٹے
بھائی حضرت حسینؑ اُس کے مستحق تھے۔ یزید کو سب سے زیادہ
ڈر حضرت حسینؑ کا تھا۔ حسینؑ اچھے چال چلن والے۔ فیاض
اور بہادر تھے۔ اتنے بہادر تھے کہ اُن کا ثانی تمام عرب میں
نہیں تھا۔ لیکن یہ پالٹکس کی چالوں کو نہیں جانتے تھے۔ اور
اُن کو بُرا سمجھتے تھے۔ یزید اُن کے بالکل برعکس تھا۔ اُس نے
اپنے والد معاویہ سے ڈپلومیسی میں تعلیم پائی تھی۔ اور اُس کے
خاندان والے اس ڈپلومیسی میں ماہر تھے۔ وہ مذہب کو اپنا
مطلب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ بہت چالباز تھے
خدا پرست حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے یزید جال تیار کرتا تھا
اُس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ حسینؑ سے میرے نام پر بیعت
کی قسم لو۔ حسینؑ نے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس پر اُنھوں
نے راتوں رات سفر کیا اور مکہ پہونچے۔ وہ حج کی جگہ ہے وہاں
کوئی کسی کو مار نہیں سکتا۔ کوفہ والوں کے بارہ سو خطوط حسینؑ کے
پاس آئے کہ ہم آپ کی بیعت قبول کرنے کو تیار ہیں۔ بیجا اصرار
کیا۔ مگر حسینؑ نے جو سلطنت کے واسطے خون بہانا نہیں چاہتے
تھے۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ آخرکار کوفہ والوں نے ایک بہت
زوردار خط لکھا کہ اگر آپ نہیں آئیں گے تو قیامت کے دن
ہم رحمت اللعالمین کے دربار میں دعویٰ کریں گے کہ ہم پر ظلم
ہوتا دیکھ کر خاموش بیٹھے رہے۔ اور فریاد کریں گے۔ خدا
پرست اور رحم دل حسینؑ نے یہ خطوط پڑھے اور آنکھوں سے
آنسو بہنے لگے۔ اور فوراً خط لکھا کہ میں جلد آؤں گا اور یہ خط اپنے
چچیرے بھائی مسلم کے ذریعہ سے بھیجا۔ اسی دوران میں
یزید نے رحم دل صوبہ دار کو ہٹا کر ایک سخت اور ظالم گورنر
کو حاکم کوفہ کا بنا دیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ جو حسینؑ کو خلیفہ
مانے گا ۔ اُس کو سولی دی جائے گی۔ اور جو یزید کو مانے گا
اُس پر مہربانی ہو گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں پر اثر ہوا اور
مسلم کو چھوڑ دیا۔ وہ اکیلے ۳۰۰ بہادروں سے لڑے اور
پکڑے گئے۔ مسلم کو حاکم کے یہاں لے گئے۔ جس نے مسلم
کو قتل کر دیا۔ مسلم حسینؑ کو بلانے کا پیغام بھیج چکے تھے۔
حضرت حسینؑ مکہ سے ۱۴۴ آدمیوں کے ساتھ جس میں بچے
وغیرہ شامل تھے۔ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مسلم کے قتل کی
خبر ملی۔ اب واپس جانا مناسب نہیں سمجھا۔ آگے بڑھے تو
دیکھا کہ ایک لشکر جس کا سردار حُر ہے۔ چلا آ رہا ہے۔
اُن سب کو امام حسینؑ نے پانی پلایا۔ حُر سے پوچھا کہ کیوں آیا
ہے۔ کہا کہ آپ کو پکڑنے۔ تو امام حسینؑ نے کوفہ والوں کے خط
دکھائے کہ مجھے بلایا ہے۔ حُر نے کہا کہ میں واپس نہیں
جانے دوں گا۔ حُر ایک رحم دل اور سمجھدار آدمی تھا۔
اُس کو حضرت حسینؑ نبی کے نواسے سے لڑنا نہیں تھا۔ حسینؑ
چاہتے تو حُر کی فوج سے لڑ کر اُس کو شکست دے دیتے
لیکن اُنھوں نے پہل نہیں کی۔ ۳ تاریخ کو دریائے فرات
کے کنارے سے ڈیرا خیمہ اُٹھانے کا حکم دیا۔ فوجیں
جمع ہونے لگیں۔ بائیس ہزار فوجیں جمع ہو گئیں۔ حضرت
حسینؑ اپنے والد کی طرح سیدھی سادی زندگی بسر کرتے
تھے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بڑی فوج جمع کر لیتا۔ اُن کے
لئے بیس پچیس ہزار فوج جمع کرنا کوئی بات نہیں تھی
لیکن اُنھوں نے فوج جمع کرنے کی کوشش نہیں کی
بلکہ جو لوگ پاس تھے اُن کو چلے جانے کی صلاح دیتے تھے

انھوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں خلیفہ بننا چاہتا ہوں۔ اُن کی
روح اس قدر اونچے درجہ کی تھی کہ وہ خلافت کے لیئے لڑنا
نہیں چاہتے تھے۔ اُن کا مقصد پاک زندگی بسر کرنے کا تھا۔
اُن کا مقصد یہ نہیں تھا۔ کہ خرابی اور تباہی ہو۔ وہ اپنے پیرو
کاروں کی مصیبت دیکھ نہیں سکتے تھے۔ کوفہ جاتے ہوئے
سب سے کہتے تھے کہ میں شہید ہونے جا رہا ہوں اور ایسا
ہی خواب بھی دیکھا تھا۔ اُن کی ضد یہ تھی کہ میں یزید کی بیعت
نہیں کروں گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شراب خوار، زانی اور
فاسق و فاجر تھا۔ ساتویں محرم کو حکم لا کہ حسینؑ کے لیئے پانی
بند کرو۔ ایسا ظلم تواریخ میں خاص کر عرب کی زمین میں کبھی
نہیں ہوا۔ ۸ رتاریخ کو اُن کا پانی ختم ہو گیا۔ بچے پیاسے
مرنے لگے۔ نویں محرم کی شام کو حکم آیا کہ جنگ شروع کردو
امام حسینؑ نے اپنے بھائی کو عمر ابن سعد کے پاس بھیجا کہ
رات بھر کی اجازت دو۔ سب کو جمع کر کے کہا کہ میری وجہ
سے آپ کو اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جو جانا چاہیں وہ چلے
جائیں۔ بہت اصرار کرنے پر کچھ لوگ چلے گئے۔ جب امام حسینؑ
نے جانے کا حکم دیا تو چراغ گل کر دیا کہ شرم کی وجہ سے کوئی
رُک نہ جائے۔ ایک بچہ چھ مہینہ کا اُس رات میں ختم ہو گیا
ایک رات کی مہلت اس لیئے لی کہ عبادت کی جائے۔ اپنی نجات
کے لیئے دعا کرتے رہے۔ صبح ہوئی محرم کی دسویں تاریخ وہ
دن تھا۔ جس کی تواریخ میں مثال نہیں۔ بہتّر آدمی بائیس ہزار
آدمیوں کے سامنے کھڑے تھے۔ اُن لوگوں نے اپنے امام
کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ لوگ کیسی ہمت والے ہیں۔ جانتے
ہیں کہ تھوڑی دیر میں ختم ہو جائیں گے۔ پھر بھی پہاڑ کی طرح
اٹل کھڑے ہوئے ہیں۔ کسی کی زبان پر سوائے صبر و شکر کے
کوئی بات نہیں ہے۔ ان بہتّر آدمیوں میں ایک بھی ایسا نہیں
تھا جو لڑنے کے قابل ہو۔ سب کے سب بھوک اور پیاس سے
تڑپ رہے تھے۔ حسینؑ کی طرف ایسے مشہور اور نامی لوگ
تھے۔ جن پر عرب کو ناز تھا۔ حسینؑ کے آدمی ایک ایک کر کے
شہید ہونے لگے۔ حُر بھی حسینؑ کی طرف آ گیا۔ اُس پر بھی دشمنوں
نے تیروں کی بوچھار کر دی۔ حُر اور اُس کا لڑکا شہید ہو گیا
حسینؑ کے جتنے ساتھی شہید ہوئے اُن کی لاشوں کو گھوڑوں
کی ٹاپوں سے روندا گیا۔ کوئی بھی بے عزتی اور بے رحمی
باقی نہ رہی جو اسلام کی تواریخ میں کبھی ہوئی ہو جب حسینؑ
اکیلے رہ گئے۔ پھر دودھ پیتے ہوئے بچے کو گود میں لائے
اور کہا کہ اس بچہ کو پانی پلا دو۔ اس نے تو کوئی قصور نہیں
کیا۔ اتنا کہنا تھا کہ تیر سے اُس کا جواب دیا گیا۔ جو بچے کے
گلے میں ہو کر امام حسینؑ کے بازو تک پہونچ گیا۔ اس وقت
حسینؑ نے گڑھا کھودا اور بچہ کو دفن کر دیا۔ اب حسینؑ میدانِ
جنگ کو چلے۔ کیونکہ اب کوئی مرد نہیں بچا۔ اُن کی رخصت کا
کام اُن کی ہمشیرہ نے کیا۔ اُن کے میدان جنگ میں آتے
ہی ایسی بھاگڑ پڑ گئی جیسے کچھار میں شیر آ گیا۔ اتنی بہادری سے حسینؑ لڑے کہ
لوگوں میں مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ جدھر اُن کا گھوڑا جاتا
تھا لوگ کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ بڑھتے بڑھتے دریائے
فرات کے کنارے پہونچے۔ پانی پینے کو تھے کہ کسی نے کہا
تم پانی پی رہے ہو اور آدمی خیمے میں پہونچ گئے۔ پھر نکل
آئے اور مقابلہ شروع کیا۔ شمر نے غل مچایا اور تیر برسنے
لگے۔ آخر شمر اُن کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وہ منہ پر نقاب ڈالے
ہوئے تھا۔ پانی مانگا تو نہیں دیا۔ نقاب اُٹھا کر دیکھا تو نانا کی
بات یاد آ گئی۔ کہا میرا قاتل یہی ہے۔

یہ حادثہ دسویں محرم کا ہے۔ اگر کسی آدمی کے اندر کوئی جذبہ ہے تو آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کئی دفعہ اُن کی قبر کو اُکھاڑنے کی کوشش کی گئی۔ تاکہ قبر کا نشان نہ رہے۔ اگر زمین پر نشان نہیں رہے گا تو انسان کے دلوں پر نشان رہے گا۔ روز ایک انسان آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ لیکن اپنے دل کا مقصد پورا کرنے کے لئے دوسرے کو قتل کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا کی طاقت ہمیشہ رہے گی۔ زمین پر چاہے قبر نہ رہے۔ لیکن دنیا جب تک قائم ہے۔ اُن کی محبت دل میں رہے گی۔ میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف فرمائے گا۔ (چیرز)

حسینؑ

مولانا السید محمد علی صاحب میکش۔ قادری۔ نیازی۔ سکریٹری مجلس علما۔ آگرہ

حسینؑ شانِ کمالِ محمدؐ عربی
نبی جمالِ الٰہی ہیں وہ جمالِ نبی

حسینؑ جلوۂ مطلق حسینؑ عرش مقام
حسینؑ روحِ الٰہی حسینؑ سرِ نبی

حسینؑ جن کے سبب کج ہی بیکسوں کی کلاہ
حسینؑ جن سے ہوئی آبروئے تشنہ لبی

علیؑ ہیں شاہ ولایت حسینؑ جانِ ولا
وہ راز دار نبی کے ہیں اور یہ رازِ نبی

قتیلِ خنجرِ لا ہے فنائے ذات ہی تو
ترے حضور میں ہستی کا ہوش بے ادبی

تری طرح جو مٹیں حق پہ وہ ہیں تیرے غلام
وگرنہ کیا ہے ترے غم میں آہِ نیم شبی

سبھی نے دیکھ لیا غیرتِ مسلماں کو
جہاں پہ کھل گئی شانِ محمدِ عربی

مٹا کے تجھ کو بہت منفعل ہوئے دشمن
کہ روشن اور ہوئی بجھ کے شمع مطلبی

دیا دماغ سیاست کو یہ سبق تو نے
کہ اس طریق سے ہوتی ہے دیکھ حق طلبی

کہیں زمانہ میں تیری مثال مل نہ سکی
پھرا کیا اسی دھن میں دماغِ بولہبی

کسی شقی کی اہانت سے کیا ہوا میکشؔ
کہ بوسہ گاہ نبی کی ہے بوسہ گاہ نبی

تقریر جناب محمد سلطان حیدر صاحب جوش پی سی ایس مصنف ابن مسلم و نواب فرید وغیرہ وغیرہ ڈپٹی کلکٹر آگرہ۔ بتاریخ ۱۳ر فروری سنہ ۴۲ء اول نشست

حسینی ایثار

برادرانِ وطن! مجھے آج اس خدمت کے لئے چنا گیا ہے۔ سب سے پہلے مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ بہر حال بغیر کسی لمبی چوڑی اپنی کمی کی تمہید کے مجھے بہت تھوڑے سے الفاظ میں جو کچھ میں جانتا ہوں اُس کو عرض کرنا ہے۔ حضرت حسینؑ سید الشہدا، امامِ دوراں کے واقعات مسلمانوں ہی نے نہیں لکھے۔ مسلمانوں ہی نے بیان نہیں کئے بلکہ دنیا کی مختلف زبانوں کی تاریخ میں وہ نہایت توضیح اور تشریح کے ساتھ موجود ہیں۔ ابھی پروفیسر جندل صاحب اس کو شروع سے آخر تک بیان کرنے لگے تو دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ مجھے ان واقعات کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت حسینؑ کے اس واقعہ پامردی، صبر و استقلال اور اس ہمت کو کس کس تصور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ جس طریقہ سے آپ ایک مصوّر کے شاہکار کو دیکھتے ہیں۔ وہ ایک تصویر اپنے خیال کے مطابق خواہ قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر یا الفاظ کے ذریعہ سے قول میں کھینچتا ہے۔ اُس کے دیکھنے والے یا سننے والے اُس شاہکار سے اپنے اپنے ضمیر اپنے اپنے قلب کے مطابق مختلف قسم کے معنی نکالتے ہیں۔ اور بہرہ اندوز ہوتے ہیں اسی طریقے سے لایزال نے مخلوق پیدا کی۔ جس طریقہ سے پیدا کی ہو۔ چاہے ماس پروڈکشن ہو (mass production) یا کسی اور طریقہ سے ہو۔

اس تخلیق کے رنگ میں بنانے والے نے عجیب عجیب شاہکار بنائے ہیں۔ اور اُس کے بنائے ہوئے شاہکار کو دنیا مختلف رنگ، مختلف طریقے اور مختلف تصوروں سے دیکھتی ہے۔ اور ہر ایک اپنے ضمیر، اپنے قلب، اپنے ظرف کے مطابق اُس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی شاہکار میں کوئی بڑی بات نظر آتی ہے تو مجھے ادب کے ساتھ عرض کرنا پڑے گا کہ وہ شاہکار مثل آئینہ کے ہے۔ آپ اپنی شکل دیکھتے ہیں۔ اگر آپ کالے ہیں تو کالی شکل نظر آئے گی۔ اس اصول پر یہ تسلیم کرنا ہے کہ میری رائے میں حضرت حسینؑ کا وجود بھی دنیا کے اُن شاہکاروں میں سے ہے کہ جن کو لکھنے والے لکھتے رہیں گے۔ بولنے والے بولتے رہیں گے۔ سننے والے سنتے رہیں گے۔ اور سبق لینے والے سبق لیتے رہیں گے۔ اور رونے والے روتے رہیں گے مگر اس موضوع کا شرف بیان کرنے پر ختم نہیں ہو سکتا۔ (چیرز) اس کے متعلق جو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ صرف تین باتیں ہیں

۱۔ پہلی یہ کہ حضرت حسینؑ نے اُس جرأت اس ہمت اس صبر کو

دُنیا کے نقطۂ لحاظ سے کیوں اختیار کیا۔

۲۔ دوسرے سید الشہداء نے شہادت کے متعلق کیا درجہ پایا اور شہادت من حیثیتِ شہادت صرف شہادت کے طریقہ پر کیا کیا۔

۳۔ تیسرے آپ نے اس سے دُنیا کو کیا یہ سبق دیا کہ دراصل انسان کی آنکھوں کے سامنے ایسا ہو سکتا ہے کہ مٹنے کے بعد مٹانے والوں کو ختم کر دیا جائے۔ (چیرز)

پہلی چیز میں نے عرض کی دنیا کے طریقہ سے ابھی آپ کو واقعات سنائے جا چکے۔ اور آپ سب جانتے ہیں مجھے اس کو مختصر طور سے عرض کرنا ہے۔ آپ مذہبی طریقہ سے۔ یوں کہئے کہ ہر مذہب، ہر ملک ہر (اعتقاد) طاقت پیدا کرنے والا۔ ایک ہادی ایک رہبر۔ ایک پیش رو کو زمانہ کے لحاظ سے وجود میں لاتا ہے۔ یہ میں مذہبی طریقہ سے کہہ رہا ہوں دنیوی طریقہ سے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو ماحول ہوتا ہے۔ جو صورت ہوتی ہے۔ جو اس وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کے لحاظ سے وہ غیر معمولی شخص، وہ سپر مین (Superman) وہ انسان دوسری طاقت سے غیر معمولی قوتیں رکھنے والا فوراً چمکنے لگتا ہے اور سب لوگ اُس کے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ دنیوی نقطۂ نگاہ سے تھوڑی دیر کے لئے آپ کو موضوع سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پرانی تاریخ میں آپ دیکھیں گے کہ سولن (Solam) حضرت موسیٰ سے ۵۹۰ برس پہلے ہوا۔ اُس نے عیسیٰ کے زمانہ میں نہایت زبردست انقلاب کیا۔ اُس کے بعد جولیس سیزر (Julias Ceasar) لاثانی ہوا۔ اُس نے روم میں کس قدر انقلاب کیا۔ انگریزوں میں کرومویل (Cromwal) نے کس قدر عجیب و غریب انقلاب کیا۔ ہندوستان میں سینکڑوں آدمی بتا سکتا ہوں۔ رام چندر جی کرشن جی

حضرت حسینؑ کربلا کیوں آئے تھے؟ کیا ضرورت تھی اور آپ نے اس وقت کیا کیا؟ جو کچھ جھگڑا تھا وہ خلافت کا تھا اور جھگڑا پیدا کرنے والے جو تھے وہ بنی اُمیہ تھے۔ یعنی اُمیہ کی اولاد اور دوسری طرف بنی ہاشم یعنی ہاشم کی اولاد اور یہ دونوں سگے بھائی تھے۔ اُمیہ کی اولاد میں تشریف لاتے ہیں یزید۔ اسلام سے پہلے اُمیہ کا ہاشم سے ہمیشہ سے عناد چلا آتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ برابر ایسے جھگڑے رہتے تھے کہ اُن کو مار دیا اُن کو گرا دیا۔ اُن کو مغلوب کر دیا۔ رسولِ کریم نے اپنے فیض اپنے کمال اپنے جمال اور جلالت سے اپنے زمانہ میں جھگڑوں کو ختم کر دیا۔ اُن کو شیر و شکر کی طرح ملا دیا۔ اُس کے بعد جو زمانہ چلتا ہے وہ خلافت کا ہے۔ یہاں مجھے عرض کرنا ہے کہ اُس وقت خلافت کیا چیز تھی۔ دو باتوں کا مجموعہ یعنی ایک روحانی رہبری اور دوسری ملکی رہبری۔ آپس میں دونوں باتیں جمع تھیں۔ مجھے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنا ہے کہ جب سے خدا نے اسلام کو پیدا کیا روحانیت کو ضرور دنیا میں برابر اپنے ہادیوں کے ذریعہ سے ہر قوم میں بھیجا۔ اور ہر ہادی نے اُس کی تعلیم دی لیکن میں ادب کے ساتھ کہوں گا کہ رسولِ کریم نے بہت سی ایسی باتیں جن میں غلط فہمی تھیں۔ جن میں اُنھوں نے غلط راستے اختیار کر لئے تھے۔ اُس کو تارِ عنکبوت کی طرح توڑ دیا۔ دین کو مکمل کر دیا۔ جب یہ واقعہ ہوا تو خلافت جا چکی تھی۔ جب دونوں چیزیں اکٹھا تھیں۔ اُس وقت تک برابر اکٹھی رہیں۔ اس واقعہ سے ان دونوں چیزوں کو آپ جدا پاتے ہیں۔ ایک شرعی ہو جاتا ہے امام۔ دوسری چیز ہو جاتا ہے خلیفہ اور خلیفہ بادشاہ رہ جاتا ہے۔ اُس کی حیثیت روحانی باقی نہیں رہتی۔ اس واقعہ کربلا سے دونوں شاخ جُدا ہوتی ہیں۔ حضرت حسینؑ نے اُس زمانہ میں

اُس جھگڑے کے متعلق اتنی زیادہ دلیری اور بہادری کیوں کی؟ ابھی آپ کو ایک صاحب بتا چکے اور آپ خود جانتے ہیں۔ میں نے چند لفظوں میں تاریخ کہہ دی کہ اموی اولاد کو اس کی خواہش تھی۔ اسی طرح سے یزید کو اس کی خواہش تھی۔ وہ خلیفہ ہونا چاہتا تھا۔ مگر آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کے دل میں بھی یہ خواہش تھی کہ میں مسلمانوں کا رہبر بنوں اور اُن کو سچا راستہ دکھاؤں۔ اگر ایک مسلمان کے دل میں یہ خیال تھا تو کیا بُرا تھا۔ اس میں کیا عیب تھا۔ صرف یہ بتا دیا جائے کہ کیا وہ سلطنت کے لئے تھا۔ کیا کسی ذاتی نفع کے لئے تھا یا صرف اس لئے تھا کہ مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھایا جائے۔ مسلمان کا خلیفہ شرابی نہ ہو، بُری حرکات کا عادی نہ ہو۔ مسلمانوں کا رہبر ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ کہہ سکیں کہ جن کو خود راستہ دکھائی نہیں دیتا ہمیں کیا راستہ دکھائیں گے۔ اس کا لحاظ حضرت حسینؑ نے کیا۔ یزید کسی طریقہ سے، تلوار کے ذریعہ سے، طاقت کے ذریعہ سے حکومت کے ذریعہ سے خلیفہ ہو گیا۔ حضرت حسینؑ کیا چاہتے تھے محض اظہار رائے۔ جس کو آج کل ووٹنگ (Voting) کہا جاتا ہے۔ آپ نے اصول کے لئے اُس زمانہ کے لحاظ سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان دیدی اور بتا دیا کہ اپنی رائے پر قائم رہنا چاہئے۔ اس لئے جان دیدی کہ ہر شخص اپنے آپ کو خلیفہ نہ جانے آپ کو دھوکا دیا گیا۔ اُس کو آپ اچھے طریقہ سے جانتے ہیں۔ پڑھتے رہیں اور روتے ہیں۔ مجھے تو یہ دکھانا ہے کہ آپ دنیا میں اظہار رائے کے لئے اس قربانی کے واسطے تیار ہوئے۔ اب ذرا یہ دیکھئے کہ قربانی بحیثیت خود کیا چیز ہے۔ شہادت اصل میں نام رکھا گیا ہے۔ اُس قربانی کا جو سچائی کے راستے میں، اللہ کے راستے میں، حق کے راستے میں کی جائے۔ اس قربانی کے مختلف ذریعہ ہیں۔ جان سے اور مال سے، جان سے قربانی جو کی جاتی ہے۔ اُس کی مثالیں قومی رہبروں میں، پیغمبروں میں، اللہ کے بھیجے ہوئے لوگوں میں بہت ہیں۔ انسان، انسانوں کی قربانی اُس زمانہ سے کرتے آئے ہیں۔ جب سے وہ خدا کو جانتے بھی نہ تھے۔ جس کسی کو بھی وہ مانتے ہوں۔ اصل میں یہ بڑا راز ہے اگر آپ مجھے اجازت دیدیں تو میں گستاخی کر دوں کہ اس کے باعث خود اللہ میاں ہیں۔ حضرت چھپے ہوئے ہیں، شکل دکھاتے نہیں ہیں۔ سب جھگڑے کرا رکھے ہیں۔ خود چھپے ہوئے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوا۔ جب تک انسان جاہل تھا۔ ہر چھپی ہوئی چیز کو خدا سمجھنے لگا۔ جس چیز کو سمجھا کہ ہمارے پاس نہیں ہے اُس کو ماننے لگے۔ سارے جھگڑے اُنھوں نے کئے۔ معاف کیجئے گا۔ گستاخی ہے مجھ گنہگار کو گستاخی میں تکلف نہیں ہے۔ عملی صورت یہ تھی کہ جس انسان کو پا جاتے اُس کو قربان کرتے۔ کسی کو پکڑ لیا اور کاٹ ڈالا۔ اللہ کے نام پر چاہے۔ کسی کے نام پر۔ یہ زبردستی ہوئی۔ قربانی تو وہ ہے جو اپنے آپ کی جائے۔ آپ اُس مثال کو لیجئے جو اپنے آپ کی جاتی ہے۔ یہ قربانی دو حصّوں میں تقسیم ہے ایک شہادت خفی ہے اور ایک شہادت جلی ہے۔ شہادت خفی اس کو کہا گیا ہے۔ جیسا کہ زہر دے دیا گیا۔ دھوکے سے مار دیا گیا۔ شہادت جلی وہ ہے۔ جس میں کوئی کھلم کھلا لڑے اور مارے۔ ایک مرتبہ آپ کے یہاں آگرہ کے جلسہ میں اپنی یادہ گوئی کر چکا ہوں۔ یادہ گوئی اس لئے کہ وہ قرآن میں نہیں۔ میں اس کو بکو اس اس لئے کہتا ہوں کہ کسی حدیث پر مبنی نہیں۔ میں اپنی اسٹیج سے کہہ چکا ہوں۔ اُس کو دوہرانا نہیں چاہتا۔ لُب لباب ضرور کہوں گا۔ ہمیشہ کہوں گا۔ میری رائے میں حضور اکرم کو بعض اوقات یہ خیال آتا ہوگا کہ میں شہادت سے کیوں محروم رہا۔

بعض اوقات خدائے تعالیٰ سے آپ فرماتے ہیں کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ بہت اونچا درجہ ہے۔ مگر آپ نے مجھے قربانی سے کیوں نہیں جانچا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی جن کی عظمت جانچی ہے اُن کا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس وسوسہ کو میں ذرا وضاحت سے عرض کرتا ہوں۔ اگرچہ قرآن میں پتہ نہیں ملتا۔ سوائے اپنے دماغ کے۔ اُس میں اللہ میاں قسم کھا کر فرماتے ہیں "تمھارا رب نہ تم سے روٹھا ہے نہ ناراض ہے"۔ وہ شبہ دور کرنا چاہتا ہے کہ تمھارا بہت اونچا مرتبہ ہوگا۔ اگر شہادت سے نہیں جانچا گیا پھر بھی تمھارا مرتبہ زیادہ ہے۔ پھر بھی ملال خاطر رفع نہیں ہوتا تو فرماتا ہے کہ "کہ جو تم چاہتے ہو وہ عطا کر دیں گے۔ جس میں تم راضی ہو جاؤ" اُس رسول کی شان کے مطابق اللہ نے اُن کو قتل کرانا مناسب نہیں سمجھا۔ لہذا حضور اکرم کے سب سے پیارے بچوں کو جن کو آپ دوش پر چڑھاتے تھے۔ جن کی زبان کو آپ منہ میں لے لیتے تھے۔ اُس کو اور اُس کے بھائی کو شہادت جلی و خفی سے دونوں کو مالا مال کر دیا۔ اور بتا دیا کہ یوں عطا کرتے ہیں۔ یہ تو مذہبی بات ہے۔ اب دینوی پہلو دیکھ لیجئے۔ جو عاجز کی یادہ گوئی ہے۔ امام کی قربانی آپ دیکھیں تو شہادت دو قسم کی ہیں۔ اگر آپ سائیکولیجکل پوائنٹ آف ویو (Psychological point of view) سے دیکھیں تو شہادت کے دو طریقے ہیں۔ ایک اختیاری ایک جبری۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ آپ ایسی صورت میں پھنس جائیں کہ آپ کو بچنے کا اختیار نہیں ہے۔ آپ صبر و استقلال سے جان دیں خدانخواستہ کسی عزیز کی موت یکایک ہو جائے۔ یہ ایسی چیز ہے جس سے آپ بچ نہیں سکتے۔ آپ کو اختیار نہیں تھا۔ ایک وہ قربانی ہے جس میں آپ کو اختیار ہے بچنے کا۔ پھر بھی آپ قربانی کرتے ہیں تو وہ اختیاری ہے۔ آپ عرب میں دیکھنا شروع کیجئے۔

جانی قربانی میں سب سے زیادہ مشکل کون چیز ہے۔ بظاہر آسان ہے، دراصل غور کیجئے تو بہت مشکل ہے۔ یہ مشکل ہے کہ آپ اپنی جان دیں یا اپنے بچے کی جان دیں۔ آپ کو دنیا کے اکثر لوگ ایسے ملیں گے کہ اپنی جان سے بچے کو عزیز سمجھتے ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میں اعتراض نہیں کرتا ہوں۔ میں بتا سکتا ہوں کہ جن کی دو دو بیویاں ہیں۔ بعض لوگ اولاد کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ یہ کہ اولاد کی جان دینا ہمیشہ دقت طلب ہے۔ ٹھیک نہیں ہے اس طریقہ سے یہ ظاہر ہے کہ اپنی جان دینا مشکل ہے۔ اکثر حضرات ایسے ملیں گے جو اکثر اپنی اولاد کو اتنا عزیز سمجھتے ہیں کہ اپنی جان دیدیں گے۔ اُن کے لئے اولاد کی جان زیادہ عزیز ہوئی۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اپنی جان زیادہ ہے اولاد کی کم ہے۔ یا اولاد کی زیادہ ہے اپنی کم۔ آپ اس ([illegible]) کا خیال رکھئے۔ اُس کے بعد یہ دیکھئے کہ حضرت ابراہیم سے اُن کے لڑکے کی قربانی طلب کی گئی۔ جن کا ۷۸ - ۸۰ سال کا سن ہو چکا ہے بچہ اتنا چھوٹا۔ بڑا کڑا سوال تھا۔ عمل آپ نے کیا اُس قربانی کو محض نیت کے اوپر پوری تکمیل سمجھ لی۔ لیکن تکمیل نہیں ہوئی حضرت اسمٰعیل ذبح نہیں ہوئے۔ یہ قربانی اختیاری تھی۔
اللہ تعالیٰ نے مانگا کہ اپنے لڑکے کو دو۔ آپ نے چھری چلائی اور تیار ہوئے۔ یہ اختیاری تھا۔ حضرت عیسیٰ صلیب پر لٹکا دئے گئے یہ اختیاری نہیں تھا۔ جبریہ تھا۔ پکڑ لیا کانٹوں کا تاج پہنایا اور سولی پر لٹکا دیا۔ اگر صلیب کا واقعہ آپ مانتے ہیں۔ اسی طریقہ سے ایک اور نبی یحییٰ۔ آپ نے درخت میں پناہ لی۔ اُن کو چیر دیا گیا۔ حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں گذار دئے گئے۔ میں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ یہ سب جبریہ تھیں۔ سوائے حضرت ابراہیم کے سب مثالیں جبریہ کی تھیں سو اس کے صبر کریں اور اللہ کو

نہ بھولیں۔ اور ثابت قدم رہیں۔ اب میں اس سرتاجِ شہدا کے واقعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جس کے لئے میں آج بکو اس کر رہا ہوں۔ جس کا آج ذکر ہے۔ اس کی کیا صورت ہے۔ دھوکہ دے کر آپ کو بلایا گیا۔ اور پھانس لیا گیا۔ اور دو شرطیں پیش کی گئیں۔ یا یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔ یا لڑائی کے لئے تیار ہو جایئے۔ جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ختم ہو جاؤ۔ صرف ایک ساتھی بچ گئے تھے۔ اُن کی تعداد بہتّر تھی۔ ایک صحابی ستّر برس کے بھی موجود تھے۔ یہ بہتّر اور اُن کے مقابلے میں ۲۰ ہزار سو سے بھی تگنے۔ ایک ایک آدمی کے لئے تین تین سو پڑے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یا تو بیعت کیجئے یا ختم ہو جایئے۔ ایک وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے بیعتا کو اس لحاظ سے دیکھا کہ آپ کو اپنی شان کے گرنے کا خیال ہو گا۔ اس وہم کو بھی دور کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کے برادرِ بزرگ معاویہ سے اس قسم کی شرط کر چکے تھے کہ خلافت کے لئے مسلمان روایتیں مانی جائیں۔ تو حضرت حسینؓ بھی دیکھا دیکھی کچھ شرط کر کے بیعت کر لیتے۔ بڑے بھائی کر چکے تھے یا نہیں! یہ وہ چیز تھی جس کو بتانا تھا کہ مجھے قربانی مکمل کرنا ہے۔ جس طریقہ سے میرے نانا نے توحید کو مکمل کیا ہے۔ میں قربانی کو مکمل کر دوں گا۔ آپ کو اختیار تھا کہ ہٹ جاتے مگر نہیں ہٹے۔ بڑی آسانی سے گنجایش تھی کہ بیعت کر لیتے مگر نہیں کی۔ آپ نے سکھایا کہ جب تک طاقت ہے اظہارِ رائے کے لئے جان دینا (سبحان اللہ) ابھی میں ایک نقطہ بیان کر چکا ہوں۔ آپ جس طرح سے مرنا چاہتے تھے اُس کو تیار ہو گئے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ بچے کو باہر لے کر یہ دکھانے کے لئے نہیں گئے تھے کہ رحم کرو۔ اگر رحم کرانا ہوتا تو بیعت نہ کر لیتے۔ بلکہ اللہ میاں کے سامنے بچہ کو اس طرح

سے قربان کر دیا۔ حضرت ابراہیم نے جو کچھ کیا تھا کیا اب ہم کو بھی دیکھ لو۔ گود میں اُن کے تیر لگتا ہے اور آپ اُف تک نہیں کرتے۔ اپنا نمبر آتا ہے تو کس شان سے، کس بہادری سے جاتے ہیں۔ کیا سبق دے کر جاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے جان دی۔ بیٹوں کی جان دی۔ سب کو ختم کرا دیا۔ کس زمانہ میں؟ تین روز تک، پیاسے رہنے کے بعد۔ اتنے عرصہ تک بھوکے رہنے کے بعد اور اُن لوگوں سے جو شاید اُن کے نانا کے زمانہ میں محض اس بچے کی دست بوسی کے لئے جاتے ہیں اور کوسوں کا سفر کرتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں سے قتل ہونے کے لئے۔ تیسرا پوائنٹ (point) یہ تھا کہ آپ نے مٹ کر مٹانے والوں کو میٹ دیا۔ (چیرز) اس کا اثر یہ دکھایا۔ آپ نے ایک رات کی مہلت مانگی۔ یہ تو ہے نرہی صورت۔ ایسی صورت دکھائی کہ یزید کا ایک ساتھی ادھر آ گیا۔ کوئی ایک بھی شخص بتا سکتا ہے کہ جو ۷۲ آدمیوں میں سے اُدھر چلا گیا ہو۔ (چیرز) دیکھئے اُدھر سے ایک آدمی آ گیا۔ یہ تو فوری اثر ہوا۔ اس واقعہ کے بعد فاطمی گروہ نے بنی امیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ بعد میں انھیں کوفیوں نے ایک ایک کے ٹکڑے کر دئے اسوقت ایک زبر دست بزرگ شخصیت صدارت فرما رہے ہیں۔ آپ مسلمان نہیں کسکی یادگار کیلئے یہ کرسی قبول کی۔ جنڈل صاحب مسلمان نہیں ہیں کس کے محاسن کسکی خوبیوں پر تقریر فرما رہے تھے۔ ۱۳۰۰ سو برس کے بعد۔ کیا یزید کا نام لینے والا کوئی ہے۔ کہیں یزید کی یادگار میں ایسے جلسے ہوتے ہیں۔ میرے علم میں نہیں ہوتے۔ یہ اب تک اس کا اثر ہے۔ حضرات! میری تقریر سے غلط فہمی نہ کی جائے۔ غلط نہ سمجھا جائے کہ مٹ جانے کے بعد فتح کرنا۔ حق کے لئے لڑنا آپ نے سکھایا۔ آج ایک خاص جماعت کے

اعتبار سے اگرچہ حضرت عیسٰی بھی ایسا کر چکے تھے۔ ایک جماعت ہم کو یہ بھی بتاتی ہے۔ اچھے طریقے سے بتاتی ہے۔ کہ اہنسا کرو۔ مگر وہ اہنسا اس حد تک ہے کہ دوسرے کا جھونٹا کھالو۔ آپ نے یہ سکھایا کہ جان دیدو۔ پھر لطف دیکھو کہ کیا لطف آتا ہے۔ حضرت حسینؑ نے دنیا کے سامنے (demonstration) کرکے یہ بتایا۔ شعر:-

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر گلو مرا بھی نہیں رہے گا
مگر میں قاتل کے اے ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہیگا

اس قصہ کو ثابت کر دیا۔ آج حسینی یادگار منا رہے ہیں۔ ہم نہیں منا رہے ہیں ہمارے دل منا رہے ہیں۔ آپ کے دل اور آپکی آنکھیں منا رہی ہیں جبتک حضور کے یاد کرنے والے اور حضور پر جان دینے والے موجود ہیں اس وقت تک حضرت حسینؑ کا نام ہرگز فراموش نہیں ہو سکتا (چیرز)

حسینؑ علیہ السلام

از ماسٹر یونس علیخاں صاحب یونس اشرفی۔ منشی کامل سی۔ ٹی۔ ٹیچر شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ

وہ جس نے کی نہ قبول آمریتِ باطل — وہ جس نے کر دی جہاں سے انانیت زائل
وہ جس نے صبر و تحمل کو دی بقا کی نمود — وہ جس نے جور و جفا کو کیا فنا حاصل
وہ روحِ عظمتِ باقی۔ حسینؓ ابنِ علیؓ

وہ جس کے سجدہ نے سجدہ کو کر دیا سجدہ — وہ جس کا سجدہ میں سر جا کے پھر نہیں اُٹھا
دکھایا جس نے۔ اک عبدِ عبودیت آگاہ — فنا میں جس نے بقا کا دکھا دیا نقشہ
وہ بندگیٔ مجسم۔ حسینؓ ابنِ علیؓ

وہ جس نے ڈوبتی کشتی کو پار لگوایا — وہ جس نے راستہ بھٹکے ہوؤں کو دکھلایا!
دکھائی جس نے غلامی کو شانِ آزادی — وہ جس نے مقصدِ ہستی کا راز بتلایا
وہ رہنمائے مکمل۔ حسینؓ ابنِ علیؓ

وہ آفتابِ رسالت کی خوشنما تصویر — وہ کلکِ حق و صداقت کی دلنشیں تحریر
وہ جس کے حسنِ عمل کی ہے نور افشانی — کہ شمعِ محفلِ انسانیت ہے پرُ تنویر
وہ آفتابِ امامت حسینؓ ابنِ علیؓ

وہ جس نے کر دی معطر فضائے ایمانی — وہ جس نے کر دی معنبر بہارِ قرآنی
وہ جس کے خونِ جگر کی یہ آبیاری ہے — کہ باغِ ملتِ بیضا میں ہے گل افشانی
وہ جانِ گلشنِ احمدؐ۔ حسینؓ ابنِ علیؓ

(کرسیوں پر) حاجی سید حسن صدر انجمن۔ آل مصطفیٰ۔ مولوی محمد رضا۔ نقیر حسین بخاری پروفیسر۔ مولانا صبغۃ اللہ انصاری۔ مولانا علی نقی مجتہد۔ مولانا محمد مجتبیٰ۔ حضور راج جی مہاراج صدر جلسہ۔ پورنچند سوڈ ایڈوکیٹ۔ سٹرا پادھیا۔ احتشام حسین پروفیسر۔ غلام علی سکریٹری انجمن

(دوسری لائن ایستادہ) ساجد رضا نائب صدر۔ سبط محمد۔ محب حسن۔ مولوی گل محمد۔ محمد عابد رضا۔ آغا ابوالقاسم خزانچی۔ محمود الحسن۔ حسن مظاہر۔ یونس رضا اسپیشل مجسٹریٹ۔ کنور رگھوراج سنگھ۔ محمد مقصود سکریٹری انجمن پنجتن۔ علی اصغر

جناب سید علی مقدس صاحب رضوی۔ ڈبل ایم-اے-بی-ٹی
جوئنٹ سیکریٹری انجمن یادگار حسینی
سنہ ۱۳۶۱ ھجری آگرہ

جناب سید محمد مقصود صاحب زماں
جنرل سیکریٹری انجمن پنجتنی ۔ شاہ گنج - آگرہ
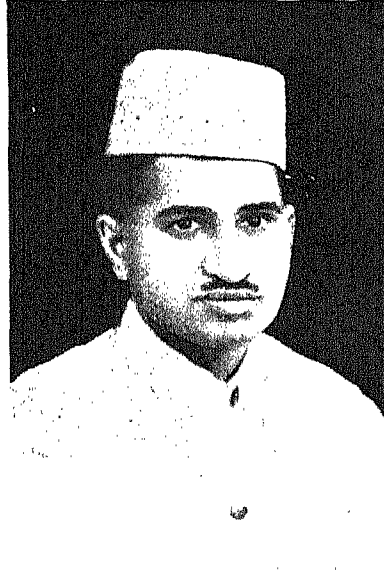
ہز ہوایینیس حضور راج جی مہاراج - گرو رادھا سوامی ست سنگ - آگرہ
(صدارتی خطبہ صفحہ ۱۷)

عالیجناب سید فقیر حسین صاحب بالقاب

ایم-اے-بی-ٹی-پروفیسر مسلم یونیورسٹی - علیگڈھ (تقریر صفحہ ۱۰

عالیجناب خان بہادر ڈاکٹر سید غلام مرتضیٰ صاحب بالقاب

تقریر ہز ہولی نس حضور راج جی مہاراج گرو رادھاسوامی ست سنگ آگرہ

صدر جلسہ یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ھ

نشست دوم۔ ۱۳ر فروری سنہ ۴۲ء بوقت شام

بمقام بیگم باغ۔ بتاریخ ۱۳ر فروری سنہ ۴۲ء وقت ۴ بجے شام

رجناب گرو اس رام صاحب ملقب بہ ہز ہولی نس حضور راج جی مہاراج پنجاب کے ایک ممتاز کھتری خاندان کے فرد ہیں آپ کی پیدائش سنہ ۱۹۱۳ء میں بمقام بھگوان گڑھ ضلع بھٹنڈہ ہوئی آپ نے سنہ ۱۹۲۹ء میں میٹرک پاس کیا۔ آپ کو ابتدا ہی سے مذہبی شغف تھا۔ آپ کے والد ماجد لالہ گنا ہی لال صاحب رادھاسوامی مت کے پیرو تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو اپنے والد ماجد کے ساتھ بمقام بھٹنڈہ بہ سلسلہ استقبال و ضیافت سرصاحب جی مہاراج آنجہانی کچھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اس کا آپ کے قلب پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ آپ نے سب کاموں کو چھوڑ کر سنہ ۱۹۳۳ء میں دیال باغ آگرہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ سرصاحب جی مہاراج آنجہانی نے آپ کی خوبیوں کو دیکھ کر آپ کو بطور اسٹینو ٹائپسٹ خاص اپنی خدمت میں لے لیا اس طرح آپ کو اپنے گرو کی خدمت کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ اور آپ کے روحانی تاثرات میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔

جون سنہ ۱۹۳۷ء میں سرصاحب جی مہاراج کا انتقال ہوگیا اور آپ بمقام برنالہ ریاست پٹیالہ تشریف لے گئے۔ اس اچانک روانگی کا معتقدان سرصاحب جی مہاراج پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ ہزارہا معتقدان آنجہانی نے آپ کو سرصاحب جی مہاراج کا روحانی نشین تسلیم کر لیا اور حضور راج جی مہاراج کے لقب سے ملقب کیا۔

آپ نے اس کے بعد صوبجات مدراس۔ بہار۔ یو۔ پی پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ میں دورہ کیا۔ اور مختلف مقامات پر صدہا تقاریر انگریزی اور اردو میں ارشاد فرمائیں۔ علاوہ تقریری مواعظ کے آپ اس وقت تک سات کتابیں بزبان اردو نظم و نثر میں تصنیف فرما چکے ہیں۔ اور ایک کتاب بزبان انگریزی زیر تصنیف ہے۔ کتب مذکور کے مطالعہ سے ہر شخص پر مصنف کے پاکیزہ خیالات، عارفانہ جذبات اور اعلیٰ مدارج روحانیت آسانی منکشف ہو سکتے ہیں۔ آجکل روزانہ صبح شام ست سنگ نمبر ۱۶ سول لائنز آگرہ میں ہوتا ہے۔ جس میں ہر مذہب و ملت کے حضرات شریک ہوتے ہیں۔ بمصداق ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

آپ کو اپنے گرو کی سچی خدمت کا یہ صلہ ملا کہ آج آپ کے ہزارہا مقلدین آپ کی خدمت کو اپنا فخر جانتے ہیں اور آپ کو بصدق دل اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔

حضور ممدوح نے ازراہ کرم نہ صرف جلسہ یادگار حسینی کو اپنی صدارت سے رونق بخشی۔ بلکہ مبلغ چالیس روپیہ انجمن کو

بغرض اشاعت تقاریر مرحمت فرمائے۔ انجمن خاص طور پر حضور
ممدوح کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہے)

"**معزز حضرات!** میرے فاضل و قابل دوستوں نے
ابھی ابھی مختلف وجداگانہ نظریوں سے واقعۂ کربلا کی اہمیت و
نوعیت اور عظمت آپ صاحبان کے سامنے بیان فرمائی ہے۔
لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ واقعۂ کربلا میں حقیقتاً روحانیت کو مادیت پر
انسانیت کو شیطانیت پر اور مظلومیت کو ظلم پر شاندار فتح حاصل
ہوئی۔ لیکن شہادت امام حسینؑ کا مقصد اس وقت پایۂ تکمیل کو پہونچیگا
جب کہ فدائیان و عاشقانِ امام عملی طور پر اس کے روح افزا
پیغام سے مستفیض ہونے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہوں (سبحان اللہ)

اِن دنوں دنیا کی فضا پر آلام و مصائب کے بادل بڑے
زور سے چھائے ہوئے ہیں اور ان مصائب کے بادلوں کو دُور
کرنے کا ایک ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ انسان پیام حضرت امام کو
لباسِ تکمیل پہنائے۔ اس میں کلام نہیں کہ نبیوں کے پیارے،
خدائے بزرگ و برتر کے دُلارے و مذہب کے سہارے حسینؑ
کی سیزدہ صد سالہ یادگار منا کر آپ نے اس بے نیاز حقیقی کی
رحمت کو جوش میں لانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔
(سبحان اللہ) کیونکہ میرا یہ یقین واثق ہے کہ شیدائیانِ وفدائیانِ
دین کے اوصافِ حمیدہ کو یاد کرنا بھی منعم حقیقی کی ایک قسم کی
عبادت واطاعت ہے۔ لیکن معزز حضرات! میں بعید عجز و انکسار
یہ ضرور کہوں گا۔ کہ ہمارا فرض یہیں ختم نہیں ہو جاتا ہے
ہمیں اپنے افعال، اعمال و اقوال سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم
حضرت امام حسینؑ کے اصلی پیام کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اگر
انسان بلا تفریق مذہب وملت واقعۂ کربلا کی عظمت پر عمل پیرا ہو
تو میرا یہ دعویٰ ہے کہ آج کل کے کشت و خون، جنگ وجدل
و خونریزیاں اس دُنیا سے ایک حد تک دور ہو جائیں۔ مذہب کی
لغت میں تعصب و تنگدلی، کینہ و بغض، حسد و رقابت کے لئے
کوئی جگہ نہیں۔ (سبحان اللہ) اور حضرت امام حسینؑ (علیہ السلام)
نے اپنی زندگی و واقعۂ کربلا سے یہ ثابت کر دیا کہ مذہب ابتداء
سے انجام تک رضائے الٰہی کے ساتھ مطابقت کرنا۔ اس کے
قدم مبارک میں عشق حقیقی پیدا کرنا اور اُس کی مخلوق کی
بے غرض خدمت کرنا ہے۔

ہم بے شمار لغزشوں و خامیوں سے پُر ہیں۔ لیکن چونکہ جیسا
کہ میں نے ابھی ابھی بیان کیا، آج کے روز رزاقِ مطلق کی رحمت
جوش میں آئی ہوئی ہے۔ (سبحان اللہ) اس لئے میں آپ سب
صاحبان سے درخواست کروں گا کہ آج آپ آج شب کو اپنے
محبوبِ حقیقی کے دربار دُربار میں یہ دُعا پیش کریں کہ وہ رحیم و
کریم ہمیں توفیق و روشنی بخشے کہ ہم ٹھیک معنی میں واقعہ کربلا
کے مقصد کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

صاحبان! میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا۔ اور میں اب
منتظمان و کارکنانِ انجمن یادگارِ حسینی کا شکریہ ادا کرتا ہوں
کہ اُنھوں نے مجھے آج کی صدارت کا فخر بخشا۔ دراصل اُنھوں
نے آج کی مجلس کا انتظام کر کے اپنے پاک فرض کو سرانجام
دیکر مذہبی دُنیا کے خراج تحسین کا اپنے تئیں مستحق بنایا ہے۔
میں آپ صاحبان کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ سب نے
آج کے روز تشریف لا کر مجلس کو پورے طور پر کامیاب
بنایا۔

ڈاکٹر مہدی حسین صاحب ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی
(لندن) ڈی لٹ (پیرس) پروفیسر آگرہ کالج نے صدر
صاحب کی قابلانہ تقریر اور تکلیف فرمانے کا بہت موثر

الفاظ ہیں حاضرین اور انجمن کی طرف سے شکریہ ادا کیا۔ اور تقریر سامعین نے بے حد پسند فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ ہز ہولی نس کا کافی شکریہ ادا کیا جائے۔

حسینؑ و کربلا

مولوی ولی الدین صاحب ولیؔ چشتی درگاہ فتح پور سیکری آگرہ

رباعی

سر دفتر عشاق حسینؑ ابنِ علی — تاجِ سرِ آفاق حسینؑ ابنِ علیؑ
دردِ ہر نشہ شل تو پیدا ہر گز — تابندۂ اخلاق حسینؑ ابنِ علیؑ

اے حسینؑ ابنِ علی اے تشنہ کامِ کربلا — سینچ کر خوں سے کیا تم نے ہی نخلِ دین ہرا
واہ جانبازِ محبت واہ کیا کہنا ترا — تو نے ہی دنیا میں رکھ لی شرمِ تسلیم و رضا
عاشقوں کو تیغ کے سائے میں ملتا ہے مزا — نیند آ جاتی ہے جب کھاتے ہیں مقتل کی ہوا
کربلا کو قبلۂ دین کر گئے قبلہ نما — آ گئی ہے طور کی تنویر کعبہ کی ضیا
مرحبا صد مرحبا اے خاکِ پاکِ کربلا — کھینچ لی تو نے بہارِ بوستانِ مصطفےٰ
کربلا کی خاک میں ہے نکہتِ عطرِ وفا — درس گاہِ عاشقاں ٹھہری زمینِ کربلا
ہے نسیمِ خلد کی ہمسر ہوائے کربلا — ذرہ ذرہ بن گیا آئینۂ صدق و صفا
کر گئے سکار مسیحا تشنہ کامِ کربلا — خاک مقتل بن گئی بعدِ فنا خاکِ شفا
کربلا والوں سے پوچھو کربلا میں کیا ملا — بن گیا محرابِ کعبہ ہر خمِ تیغِ جفا
کھلتے ہی چشمِ بصیرت دیکھتے ہیں برملا — کربلا کے راستے میں منزلِ قربِ خدا
دیکھنا جنبش نہ ہو مجھ کو زمینِ کربلا — تیرے دامن میں ہیں آسودہ بہتر باوفا
قبلۂ اربابِ الفت کعبۂ اہلِ وفا — کربلا شد، کربلا شد کربلا شد کربلا شد
اے ولیؔ ہر ذرہ سے آتی ہے اب تک یہ صدا — زندۂ جاوید ہیں آسودگانِ کربلا!

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تقریر جناب پورن چند سود صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ سابق سکریٹری آریہ سماج آگرہ

ترایمبکم یجامہے سگندہین پشٹی وردھنم

جناب صدر اور حاضرین جلسہ۔ وید مقدس کا ایک منتر ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھا۔ اس میں انسانی زندگی کو ایک پھل سے مشابہت دیگئی ہے۔ اور یہ بتایا گیاہے کہ ہم تمام زندگی اس طریقہ پر بسر کریں کہ ہماری شہرت بھی ہو ہمارے اندر طاقت بھی ہو۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ مشہور ہیں لیکن طاقت نہیں رکھتے نہ اُن میں روحانی طاقت ہے نہ دماغی طاقت ہے نہ جسمانی طاقت ہے۔ لیکن بہت ایسے ہیں کہ طاقت تو رکھتے ہیں لیکن شہرت نہیں رکھتے۔ پھل کی طرح شہرت بڑھاؤ کہ اُس کے ساتھ ہی شہرت حاصل ہو۔ طاقت حاصل ہو اور مرتے وقت ایسی حالت ہو جیسے پکا ہوا پھل اپنے آپ بلا کسی تکلیف کے شاخ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ بلا کسی احساس کے ٹوٹ جاتا ہے یہ وہ چیز ہے۔ جس کے لئے ہم کو اور آپ کو سب کو کوشش کرنا ہے۔ فارسی کا ایک قطعہ ہے۔

یاد داری کہ وقتِ زادن تو　　ہمہ خنداں بُدند تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مُردن تو　　ہمہ گریاں بوند تو خنداں

اس شعر میں بہت بڑی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ معمولی بات ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھوک کی وجہ سے یا پچھلی زندگی کی یاد کی وجہ سے روتا ہے۔ اُس کے خاندان والے خوش ہوتے ہیں کہ تعداد میں ایک اضافہ ہوا۔ لیکن اس بچہ کے سامنے تمام زندگی کا مرحلہ ہے وہ اس لئے اس مشکل کو دیکھ کر روتا ہے

اوروا کو میو بندنا تھ مرتز ممکشی امرتات

شاعر کہتا ہے کہ کامیاب زندگی وہ ہے کہ جب تم مرنے لگو تو تم خوش ہو کہ میں اپنی منزل کو پورا کرکے اپنے مالک کے پاس جارہا ہوں۔ لیکن تمام دنیا جو آپ سے مستفیض ہوتی رہی ہے۔ جس کو آپ کی ذات سے فائدہ پہونچا ہے۔ وہ افسوس کرے اور گریہ کرے کہ افسوس ایسی ہستی ہم سے جدا ہو رہی ہے۔ زندگی اور موت دو پہلو ہیں۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ ہر ذی حیات کو مرنا ہے لیکن یہ جانتے ہوئے بھی کہ مرنا ہے سب مرنے سے ڈرتے ہیں۔ دُنیا میں مختلف تکالیف ہیں۔ بیماری۔ حادثات اور دشمنوں کے حملے۔ ان سب میں کبھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ وہ تکلیف اس وجہ سے ہے کہ وہ موت کا باعث ہوسکتی ہے۔ اگر آپ کسی مسئلہ کو اہم بنانا چاہتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ لیکن اس زندگی کے خوف کو اگر کسی نے عبور کرلیا اگر اس موت کے خوف کو کسی نے عبور کرلیا تو اُس نے بہت اہم سوال کا جواب اپنی عملی زندگی میں دیدیا۔ اس لئے کہ لوگ کہتے ہیں کہ مرنا ضرور ہے۔ لیکن مرنے سے ڈرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس مرنے سے نہیں ڈرتے ہیں۔ خودکشی کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ وہ ہیں جو کسی جذبات کے تابع ہوکر خودکشی کرتے ہیں۔ کہیں مایوسی ہے کہیں شدت غم ہے۔ لیکن اُن کا مرنا قابلِ تحسین نہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی دنیوی فائدہ کے لئے جان دیتے ہیں۔ ملک گیری وغیرہ

کے لئے اپنے ملک کے لئے اُن کا یہ جذبہ قابلِ تعریف اور قابلِ تحسین ہے۔ پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے مقصد میں کچھ نہ کچھ خود غرضی لگی ہوئی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو زندگی کو ختم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ لوگ جو موت کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ اس لئے نہیں کہ کوئی دنیوی فائدہ ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ کوئی مرتبہ ملے گا بلکہ اس لئے کہ ایک اصول اُن کے سامنے ہے۔ خدا کا حکم اُن کے سامنے ہے۔ زندگی ایک طرف ہے۔ وہ لوگ جو خدا کے احکام کے تابع ہوکر موت کا مقابلہ کرتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اُنکا موت کا مقابلہ قابلِ تحسین اور قابلِ تعریف ہے۔ (چیرز)

دنیا میں یہ وہ سچائی ہے جو ہمیشہ وقتاً فوقتاً نمودار ہوتی رہی ہے۔ دنیا میں حضرتِ عیسیٰ نے سولی پر چڑھنا قبول کیا۔ پہلاد نے آگ میں جلنا قبول کیا۔ لیکن خدا کی ہستی سے انکار نہیں کیا۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پیا لیکن اصول سے نہیں ہٹا۔ رشی دیانند نے زہر پیا لیکن اصول سے نہیں ہٹا۔ لیکن آج جس ہستی کی یادگار منانے کیلئے ہم موجود ہیں۔ اُن کے سامنے ایک طرف نہ صرف اُن کی موت بلکہ اُن کے انصار کی موت اُن کے رشتہ داروں کی موت، اور اُن کے اصحاب کی موت اور دوسری طرف کوئی خاص بات نہیں تھی۔ صرف اطاعت ایک فاسق و فاجر، ایک ظالم و جابر بادشاہ کی تھی۔ اگر وہ اطاعت قبول کرلیتے تو ممکن تھا کہ وہ زندہ رہتے۔ لیکن تیرہ سو سالہ یادگار منانے کے لئے ہم اور آپ جمع نہیں ہوتے۔ (چیرز) جبر و تشدد، ظلم و ستم، سپاہی و لشکر، بندوق و ہتھیار، ایک طرف ہیں۔ مقابلہ پر کوئی طاقت نہیں مقابلہ پر کوئی انسان نہیں۔ لیکن ہاں ایسی طاقت ہے جو دنیا میں بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرسکتی ہے وہ ہے خدائی طاقت، روحانی طاقت (چیرز) مجھے ایک وقت یاد ہے کہ جب رسولِ خدا ہجرت کر رہے تھے راستہ میں حضرت ابوبکر ایک جگہ چھپے ہوئے تھے۔ وہ ساتھ ہو گئے۔ کھوج لگانے والوں نے غار کے دروازہ پر پتہ لگا لیا۔ اُنکے پاس حضرت ابوبکر ذرا پشیمان ہونے لگے۔ تو رسولِ خدا نے تسکین دی اور کہا کہ تم مت گھبراؤ کہ ہم اکیلے ہیں۔ کیونکہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہی وہ خدا کی قربت ہے جو بڑی سے بڑی مصیبت کو بڑی سے بڑی آفت کو بالکل آسان کر دیتی ہے۔ انھوں نے اس اصول کو مدِ نظر رکھا چاہے کسی طبقہ کے ہوں چاہے کسی مذہب و ملت کے ہوں۔ کسی سلطنت اور ملک کے ہوں جنھوں نے اس اصول پر عمل کیا میں سمجھتا ہوں کہ اُنھوں نے اپنی زندگی کو مکمل بنایا اور وہ دوسروں کے رہنما بنے۔

(چیرز) میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت امام حسینؑ اور دیگر ہستیوں میں طاقت کیسے آتی ہے میں مختصر الفاظ میں کہوں گا۔ کہ یہ طاقت تین طریقوں سے آتی ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر اعتقاد کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر صرف اعتقاد ہی نہ کرے بلکہ خدا کی عبادت کرے۔ کیونکہ خدا کی عبادت سے زندگی پر اثر ہو سکتا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ صرف عبادت ہی نہ کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس قابل بنائے کہ عبادت سے مستفیض ہو سکے۔ ایک موٹی سی مثال سے میں اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ شہر میں آپ نے بجلی گھر دیکھے ہیں۔ پاور ہاؤس Power House ہوتا ہے جہاں بجلی پیدا ہوتی ہے۔ پاور ہاؤس سے کسی مقام تک بجلی پہونچانے کے لئے تار لگے ہوئے ہیں۔ اگر پاور ہاؤس سے تار کے ذریعہ کنکشن (Connection) نہیں ہے تو بجلی سے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر پاور ہاؤس سے تار بھی لگے ہیں لیکن اگر فٹنگ (fitting) نہیں ہے تو آپ کے یہاں اندھیرا ہوگا۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ کے یہاں اندھیرا کیوں ہے۔ تو جواب ملتا
ہے۔ فلٹنگ نہیں ہے۔ میرے یہاں روشنی سے مستفیض ہونیکا
ذریعہ نہیں ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ پاور ہاؤس بھی سامنے
ہو۔ اس کا تار بھی آپ کے سامنے ہو اور آپ کے پاس فلٹنگ
بھی ہو تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ نہ صرف خدا کی
عبادت کرو نہ صرف خدا کی ہستی پر اعتقاد کرو بلکہ اپنی زندگی
کو اس قابل بناؤ کہ اس پر عبادت اثر کر سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو
لوگ خدا کے منکر ہیں۔ آپ ان پر ہنستے ہیں۔ آپ کو ضرور ہنسنا
چاہئے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں۔ انھوں نے
اپنے عمل سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ وہ خود مضحکہ خیز ہیں جو خدا کی
ہستی کے منکر ہیں تو میرا اور آپ کا فرض ہے۔ جو خدا کا اقرار کرنے
والے ہیں کہ خدا کے وجود کو اونچا بنائیں اور خدا کی عبادت کو
بلند کریں میں سمجھتا ہوں کہ رسول خدا کو لوگ امی کہتے ہیں۔
میں نہیں مانتا کہ وہ امی تھے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے سینٹ
جانس کالج (St. Johns College) یا آگرہ کالج میں
نہ پڑھا ہو۔ لیکن رسول اللہ نے اس زندگی میں نہیں تو اس زندگی
میں ضرور تعلیم حاصل کی تھی۔ جسکی وجہ سے وہ ہزاروں آدمیوں
پر اثر انداز ہو سکے۔ (چیرز) آجکل بھی لوگ کہتے ہیں کہ فلاں
شخص بورن پوئٹ (Born Poet) ہے وہ پہلی زندگی
میں شاعر تھا تو پیدائیشی شاعر ہوا۔ مجھ کو ان کے امی ہونے
کا یقین نہیں ہے۔ وہ اس قدر خدا کی ہستی اور وجود کے قائل
تھے کہ وہ ہر ذرہ ذرہ میں خدا کی ہستی کو دیکھتے تھے۔ آج بدقسمت
تعلیم کی بدولت یہ حالت ہے کہ امی نہیں ایل۔ ایل۔ ڈی۔
(L.L.D.) پی۔ ایچ ڈی۔ (Ph.D.) ایم۔ اے دنیا میں گھومتے
ہیں۔ لیکن ان ننگی آنکھوں سے کیا۔ چشمے لگا کر دوربین اور
خوردبین سے انکی آنکھیں خدا کو نہیں دیکھتیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ
حضرت رسول خدا اور امام حسینؑ کی یادگار منانا ہے۔ تو ایسے تعلیم
یافتوں سے باادب کہو کہ آپ کس چکر میں ہیں۔ آپ کدھر ہیں
آپ نے سائنس کی ترقی کی۔ علم کی ترقی کی۔ لیکن خدا کو بھولے ہیں
خدا کو بھول کر آج کیسا کہرام مچا ہوا ہے۔ مشرق اور مغرب مصیبت
میں مبتلا ہیں۔ یہ کچھ کام نہیں دے گا۔ اگر آپ کے سارے علوم
کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ آپ خدا کے وجود کو دیکھیں۔ ایسی سائنس کو
پھینکو۔ مسٹر جین (Mr. Jain) کی کتاب میں میں نے پڑھا
مجھپر بہت اثر ہوا۔ (You have gone to the end of the picture but the painter is still beyond).
سارے عالم کو دیکھ لیا۔ تمام دنیا کو دیکھ لیا لیکن ابھی تو تصویر ہی دیکھی
ہے۔ ذرہ سے لے کر آخیر تک ٹاپ سے باٹم تک (from top to bottom) دنیا کی تصویر تھی۔ لیکن کبھی دنیا کے
مصور کا بھی خیال کیا (چیرز) اگر اس مصور کا خیال کرتے تو اس
دنیا میں اس تصویر کی بھی تعریف کرتے تو عیش و آرام کے وقت میں گھمنڈ نہیں
ہوتا اور وقت تکلیف میں پریشانی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ اس تصویر کا مصور ہے
جو تصویر کا کھینچنے والا ہے اور آرائش کرنیوالا ہے تو وہ خدا کا قائل ہو جاتا
ہے۔ مجھے جو بات پہنچنی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی زندگی میں وہ
خدا ترسی اور خدا کی عبادت ہے۔ آخر وقت میں جب وہ
تلوار ہاتھ میں لیتے ہیں۔ اس وقت وہ خدا کی یاد کو نہیں بھولتے
اور اپنے فرض کی ادائیگی کو خدا کی حکم کی تعمیل سمجھتے ہیں یہ
وہ پہلو ہے جو مجھے اور آپ کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے میں
آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ایک روشن چراغ ہزاروں بجھے
ہوئے چراغوں کو روشن کر سکتا ہے۔ لیکن وہ روشن چراغ انھیں
چراغوں کو روشن کر سکتا ہے؟ جن میں تیل اور بتی ہو۔ اگر

تیل اور بتی نہیں ہے تو کوئی روشن چراغ سے روشنی حاصل کرسکتا ہے؟ میں اور آپ تیرہ سو سالہ یادگار منانے بیٹھے ہیں۔ اس کا منانا بہت مبارک ہے۔ میں اس کی کامیابی کا خواہاں ہوں میں سچائی کا عاشق ہوں۔ مجھ کو جہاں روشنی کا جلوہ نظر آئے گا میں اُس کی قدر کروں گا لیکن میں نہایت جرأت کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ منور مشعل حضرت امام حسینؑ کی روشنی بنے تو ذرا تیل اور بتی کی بھی فکر کرو (چیرز) اگر علم کا تیل اور عمل کی بتی نہیں ہے تو روشنی نہیں ہوسکتی ہے۔ روشنی تب ہی ہوسکتی ہے۔ جب چراغوں میں تیل بھی ہو بتی بھی ہو۔ اُن کے اندر منور ہونے کی طاقت ہو۔ میں جلسوں کی کامیابی تب سمجھوں گا کہ آپ اس بات کا تہیّہ کریں اپنی زندگی کے چراغوں میں تیل اور بتی کو مہیا کریں۔ آپ علم اور عمل سے اپنے کو آراستہ کریں۔ اُس بزرگ ہستی نے آخر وقت تک اپنی عملی زندگی سے دُنیا کے سامنے ایک کامیابی کا سبق بتایا۔ اُس کو ہم سامنے رکھینگے ایک پہلو اور ہے اُس کو کہہ کر میں ختم کروں گا۔ ممکن ہے کہ وقت ختم ہو گیا ہو۔ حضرت امام حسینؑ کو کسی پہلو سے دیکھو سر بر آوردہ تھے۔ مذہب کے بانی وہ تھے لیکن جو خاص بات ہے۔ وہ یہ کہ (Repression) یعنی تشدد کا مقابلہ اُنھوں نے کیا اور آج ہم چالیس کروڑ ہیں۔ نہیں معلوم کتنے کروڑ ہیں کبھی گنتی ٹھیک نہیں ہوئی۔ لیکن چالیس کروڑ ہوتے ہوئے اگر آپ کا علم آپ کا دماغ اس بات کی شہادت دے کہ ہم اور آپ بھی کسی (Repression) کسی ظلم اور تشدد کے شکار ہیں تو اُس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم کو اور آپ کو مشترکہ کوشش کرنا چاہئے۔ جیسے اُس نے کیا جس کی یادگار آپ مناتے ہیں۔ ایک ظالم تشدد (Repression) سے دو چار سال کامیاب رہ سکتا ہے۔ دوسروں کو کچھ دن ریپریشن سے ڈرایا جاسکتا ہے۔ ریپریشن کو مٹایا جاسکتا ہے۔ سچائی کو لے کر ملک اور قوم کی بہبودی کو لے کر دنیا کی بہبودی کو لیکر وہ لوگ اس جبر و تشدد کا مقابلہ اس غرض سے نہیں کرتے یہ نہیں کہ وہ آزاد ہوں۔ یہ نہیں کہ ملک آزاد ہو۔ بلکہ اس لئے کہ تمام دنیا کو راہ راست پر لائیں۔ اور راہ راست پر لاکر تمام دنیا کو منور بنائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ چند الفاظ حضرت امام حسینؑ کی یادگار میں عرض کئے ہیں۔ سچائی کے خیال سے جو پہلو مجھے زیادہ سب سے نمایاں اور چبھتے ہوئے معلوم پڑے وہ میں نے عرض کئے اگر میرے چند الفاظ سے آپ اس یادگار کو منانے میں کچھ بھی کامیاب ہوں تو میں اس محنت کو کامیاب سمجھوں گا۔ (چیرز۔ دیر تک)

رباعی

ظاہر تھی، نمایاں تھی حقیقت تیری
اللہ و نبی کو تھی ضرورت تیری
کی ختمِ رسل نے دینِ حق کی تکمیل
تکمیلِ رسالت ہی شہادت تیری

اخضر اکبر آبادی

تقریر جناب سیّد احتشام حسین صاحب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی

بتاریخ ۱۳ فروری سنہ ۱۹۴۲ء بوقت شام

جناب صدر و حاضرین! واقعہ کربلا کی ۱۳سو سالہ برسی منائی جا رہی ہے۔ یہ بات ہمارے جاننے کے لئے کافی ہے کہ اس واقعہ کو تیرہ سو سال گذر چکے ہیں۔ دنیا اس واقعہ سے کسی نہ کسی عنوان سے واقف ہے۔ فلسفیوں کے دماغ نے، شاعروں کی قلم نے اور بڑے بڑے ادیبوں نے اس واقعہ کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔ میں خاص طور سے ایسی چیز نہ کہہ سکوں گا جو اس واقعہ میں کوئی انوکھا پہلو ظاہر کر سکے۔ بہت اچھی تقریریں ہو چکی ہیں۔ اور علمار موجود ہیں۔ جنھوں نے دماغ سوزی کر کے غور کیا ہے۔ میں بغیر تمہید کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں پیش کروں گا۔ جو بالکل نئی معلوم ہو۔ چاہے میرے پیش کرنے کا طریقہ آپ کو کسی قدر نیا معلوم ہو۔ میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اس واقعہ کی عظمت ہے۔ جو اس کا زمانہ حسینیت کی اہمیت ہے اُس کو بتلانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ میرا تعلق جس ماحول سے رہتا ہے۔ ایسی گنجایش مجھے نہیں ملی کہ جو موقعہ مناسب ہو سکتا ہے۔ جو وقت دیا جا سکتا ہے اُس کو دے سکتا۔ بے شک یہ ایسی یادگار ہے کہ ہر سال ہوتی ہے یہ بچپن سے واقعات کانوں میں پڑے ہیں۔ آج بھی سنتے ہیں۔ اس لئے مجھے زیادہ دقت نہ ہوگی کہ اُنھیں چند باتوں سے دوسرے لفظوں میں روشناس کر سکوں جو آواز باز گشت کی طرح آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔ چند الفاظ میں بھی پیش کر سکوں۔ اس میں بھی کامیاب ہو جاؤں اور اگر کوئی راستہ دکھا سکوں صحیح طور پر حسینؑ کی عظمت آپ کے سامنے آسکے تو میں اپنے کو کامیاب سمجھوں۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ واقعۂ کربلا میں جو انفرادی واقعات پیش آئے تھے اُن میں کوئی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ پانی لوگوں پر بند ہوتا ہے۔ چھ مہینے کے بچوں نے جانیں دی ہیں۔ ۱۸ برس کے جوانوں نے دم توڑے ہیں۔ اور عورتیں قید کی گئی ہیں۔ دنیا کی تاریخ اس کو پیش کر سکے گی۔ اس وقت جنگ کے شعلے دنیا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ آج بھی ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ واقعۂ کربلا سب سے انوکھا واقعہ ہے۔ اس کی عظمت کے سامنے تمام مذاہب کے لوگوں کو جنھوں نے ستیاگرہ کی تھی۔ سب کو سرنگوں ہونا پڑے گا۔ تو دوسری کیفیت ہوگی۔ صرف یہ ہی نہیں کہ بہتّر انسانوں نے مقابلہ کر کے بوڑھوں اور بچوں نے ایک راستہ پر جانیں دیدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکے رہنما اور واقعۂ کربلا کے ہیرو حضرت امام حسینؑ کی زندگی ہمارے سامنے آکر اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور شخصیتوں کی زندگی کو نظر انداز کر دیں۔

حضرت امام حسینؑ کی عمر کربلا میں ۵۷ سال کی تھی۔ اس اس عمر میں خیالات پختہ ہو جاتے ہیں۔ خواہشات میں استحکام ہوتا ہے۔ جو بات انسان کرنا چاہتا ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاتا ہے۔ اُس عمر میں اگر کوئی میدان میں سر دینے کے لئے آمادہ ہوتا ہے تو جان کر آتا ہے کہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ یہ خودکشی کی منزل نہیں ہوتی۔ حقیقتاً دماغ اور دل دونوں ایک ساتھ

سوچتے ہیں۔ احساسات اور دماغ کی طاقتیں ایک ساتھ کام کرتی ہیں۔ انسان ایک رَد میں کام نہیں کرتا۔ ایک ادنیٰ انسان بھی ۵۰ برس کی عمر میں پختہ کار سمجھا جاتا ہے۔ حسینؑ نے آنکھیں بند کرکے ۵ سال نہیں گذارے تھے۔ بلکہ وہ ایسے حادثات اور واقعات سے بھرے ہوئے تھے کہ نہ صرف عرب کی تاریخ نے بلکہ دنیا کی تاریخ نے پلٹے کھائے تھے۔ حسینؑ کی عمر سات سال کی تھی، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا وہ ہر علم کو حاصل کرنے کی عمر تھی۔ اگر آپ علم نفسیات کے جاننے والے سے پوچھیں گے کہ بچپن میں ذہنیت کس طرح سے بنتی ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ سات برس کی عمر ایسے نقش لے لیتی ہے۔ ایسی باتوں کو سمجھ لیتی ہے اور ایسی باتوں کو صاف دیکھ لیتی ہے۔ جو عام طور سے جوان نہیں دیکھتے۔ سات برس کے بنے ہوئے نقش مرتے وقت تک قایم رہتے ہیں۔

رسول اللہ نے پورے اعتماد سے یہ کہا ہو گا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ حسینؑ ان الفاظ کو نہیں بھولے۔ لیکن کربلا میں جو شہید کرنے آئے تھے وہ بھول گئے تھے۔ جو تیروں سے حملے کر رہے تھے۔ وہ بھول گئے تھے۔ جنھوں نے دریا پر پہرے لگا رکھے تھے وہ بھول گئے تھے۔ جو پورے خاندان کو برباد کرنے کا بیڑا اٹھا کر آئے تھے۔ وہ بھول گئے تھے۔ حسینؑ نے سات برس میں جو آوازیں سنی تھیں۔ جو مناظر دیکھے تھے انھیں اپنے دماغ پر نقش کر لیا۔ جب رسول اللہ نے انتقال کیا اُس وقت کو بھی نہیں بھولے۔ جب فاطمہؓ نے انتقال کیا۔ جب علیؑ نے دم توڑا۔ اُس وقت سے بھی واقف تھے۔ جب اُن کے بھائی حسنؑ دنیا سے رخصت ہوئے اُس کو بھی نہیں بھولے۔ موقعہ کے منتظر تھے کہ کونسا وقت آئے گا کہ میں رسول اللہ کی اس بات پر عمل کر سکوں "کہ میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہے" میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پچاس سال کی کاوش کا نتیجہ تھا کہ حسینؑ نے کربلا کے میدان میں اُس کو پورا کرکے دکھا دیا۔ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ رسول اللہ کتنا بھروسہ رکھتے تھے۔ حسینؑ پر۔ میں یہ کہوں گا کہ سات برس کے بچہ کے لئے یہ کسی معمولی جذبات کا اور معمولی دماغ کا نتیجہ نہیں تھا۔ رسول اللہ اس بچہ میں وہ عادتیں پیدا کر گئے تھے کہ جو آگے بڑھ کر اُن کو دنیا کا نجات دہندہ بنانے والی تھیں۔ اس لئے اس علم کے ساتھ رسول نے کہا تھا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے۔ جس کے کانوں میں یہ آواز پہنچا دی گئی تھی وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ حسینؑ نے اس کو یاد رکھا۔ اُس کو یاد رکھ کر پچاس برس کی عمر اس کوشش میں صرف ہوئی کہ اس کو عظیم سے عظیم تر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اس کا موقعہ بار ہا آچکا تھا۔ صفین کے میدان میں حسینؑ کی تلوار چمک چکی تھی۔ اور اپنی قوتِ بازو دکھا چکے تھے۔ بہتے ہوئے دریا پر قبضہ کر لیا۔ واقعہ کربلا سے پہلے بھی دنیا کے سامنے حسینؑ کے لئے کوئی کمی نہ تھی۔ معاویہ کو خط لکھا تھا، کہ میرے لئے کسی شرف کی ضرورت کیا ہے؟ میرے لئے کیا کم ہے کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں اور فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ حسینؑ کو آرام کی زندگی بسر کرنیکی خواہش بھی نہیں تھی۔ حسینؑ نے بچپن سے تکلیف کی زندگی بسر کرنا سیکھا تھا۔ اُس کا نانا وہ تھا۔ کہ بھوک سے بیچین ہو کر بیٹی کے گھر آتا تھا۔ اُس کی ماں وہ تھی کہ چکی پیس پیس کر زندگی بسر کرتی تھی۔ وہ تین تین دن تک فاقہ کرتی تھی۔ حسینؑ نے اس ماحول میں تعلیم پائی تھی۔ گرم و سرد کو دیکھا تھا۔ حسینؑ نے حالات کو سمجھا تھا۔ حسینؑ ایسی زندگی بسر کرنے کے عادی نہیں تھے۔ جس کو حاصل کرنے میں اُن کو دقتیں ہوتیں۔ اُن کی ایسی

ایسی عظیم منزل ہے۔ حسینؑ کی نگاہ اس سے زیادہ تھی
حسینؑ کے پیش نظر یہ بات نہیں تھی حسینؑ کے پیش نظر صرف ایک
سوال تھا۔ کہ رسول نے مجھ پہ اعتماد کیا تھا کہ اگر اسلام پر خطرہ
آئے گا تو میں بچاؤں گا۔ میں ہی بچاؤں گا (سبحان اللہ)
اس کو حسینؑ نے گرہ میں باندھ لیا۔ بارہا آپ نے سنا ہوگا۔ آج
بھی یہ جملہ استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ اسلام خطرہ میں ہے۔ اسلام
کبھی اس سے زیادہ خطرہ میں نہیں تھا۔ جیسا ۶۱ھ میں تھا
تاتاریوں نے بڑے مظالم مسلمانوں پر کئے بغداد کا تخت خلافت
اُلٹ دیا گیا تھا۔ عرب سے مسلمان نکال دئے گئے مسلمانوں
کی تباہیاں ہوئیں۔ اور دوسری جگہ پر تباہیاں ہوئیں لیکن یہ بعد
کی باتیں ہیں۔ جب اسلام سنبھل چکا تھا۔ اور جب اسلام کا دھارا
جاری ہو گیا تھا۔ جب ایک طرف اسلام کو روکا جاتا تھا تو دوسری طرف
بڑھ سکتا تھا۔ حسینؑ نے اسلام کو اس موقعہ پر بچایا جب اُس کا
دھارا بہت پتلا تھا اور جس پر یزید کا بند باندھ دینا دراصل اسلام
کو ختم کرنا تھا۔ (چیرز) (سبحان اللہ) حسینؑ کے پیش نظر سوائے اسکے
کچھ نہ تھا۔ اُن کی یہ کوشش پچاس برس جاری رہی کہ جب
اسلام پر سب سے زیادہ سخت وقت آئے تو اُس کو ہم بچا لیں
صفین کے میدان میں علیؑ کے سر پہ بوجھ تھا حسینؑ نے کوئی بڑا
دانی نہیں کی۔ حضرت حسنؑ نے جب صلح کرنا چاہی حسینؑ سب کچھ بچا
سکتے مگر حسنؑ کا ہاتھ نہیں روکا جانتے تھے کہ نہیں اور موقع آنے والا ہے۔ ہم کو
کسی اور وقت جان اور سر کی بازی لگانا پڑے گی۔ اسوقت جو اسلام کچھ بچا سکتے ہیں بچا
بچائیں۔ جیسے اُن کی سمجھ میں آئے وہ بچائیں۔ جیسے ہماری سمجھ میں
آئے گا ہم بچائیں گے۔ میں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جناب
علی مرتضیٰ نے بڑی فوجیں جمع کر کے اسلام کو بچانے کی کوشش
کی۔ حضرت حسنؑ نے صلح کر کے اسلام کو بچانے کی کوشش کی

حسینؑ کیلئے نہ جنگ مناسب تھی نہ صلح مناسب تھی۔ انھوں نے دوسرا طریقہ اختیار
کرنا چاہا جو انھوں نے اختیار کیا (سبحان اللہ) بڑی بڑی فوجوں کا مقابلہ چھوٹی چھوٹی
فوجوں نے کیا ہے۔ اس کے واقعات تاریخ میں ہیں۔ بہت اچھے اچھے
مقابلے کئے گئے ہیں۔ بہت سورماؤں نے مقابلے کئے ہیں اپنی
جانوں کی بازی لگا دی ہے۔ اپنے سر ہتھیلی پہ رکھ کر آگ میں
کود پڑے ہیں۔ لوگوں نے خون بہائے ہیں۔ تاریخ میں کوئی نیا
واقعہ نہیں ہے پھر کربلا کے واقعہ میں کونسی بات ہے کہ آج بھی
یہ واقعہ تازہ ہے۔ کہ آج بھی ذرے اُٹھائے جائیں تو خون کا قطرہ
ٹپکے۔ ہم تمام واقعات کو بھول جاتے ہیں لیکن کربلا کے واقعات
کو محو نہیں کرتے۔ حسینؑ اس کو ایسا عظیم بنانا چاہتے تھے کہ آنیوالی
صدیاں بھی نہیں بھولیں۔ حسینؑ علیہ السلام نے کونسا انتظام
کیا۔ علماء موجود ہیں۔ اسلامی تاریخ پر اُن کی نظر ہے۔ آپ
حضرات نے بھی پڑھا ہے۔ میں صرف اشارہ کروں گا۔ امیر معاویہ
سے اور اُس سے پہلے بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے جو اختلافات
تھے اُنکو عرض کرنا نہیں چاہتا۔ جب بنی اُمیہ کے لوگ تخت
سلطنت پر جلوہ افروز ہوگئے تو اُن لوگوں نے بنی ہاشم کو اور
اُن کے دوستوں کو ختم کرنا چاہا۔ صبح بھی آپ تقریریں سن چکے
ہیں۔ بنی اُمیہ کے لوگ یہ کرتے تھے۔ کبھی تلواروں کی جھنکار میں
کبھی خون کے فواروں میں۔ کبھی زہر سے اُن لوگوں کو ختم کیا جاتا
تھا۔ جو بنی ہاشم کا ساتھ دینے والے تھے۔ اُس انقلابی طاقت
کا ساتھ دینے والے تھے۔ جسے اسلام کہا جاتا تھا جو دنیا کی برائیوں کو
خاک میں ملانے کے لئے آیا تھا۔ جبر پسند طاقتیں مختلف طریقے
کے حربے استعمال کرتی تھیں۔ سب سے عجیب حربہ یہ تھا کہ ایک
ایک آدمی کو تنہا شہید کیا جائے۔ کسی کو زہر دیا جائے کہ دنیا میں اُسکی
یادگار قائم نہ ہو سکے۔ جناب علی مرتضیٰ تلوار سے مارے گئے۔

تھوڑے دن لوگوں نے غم کیا پھر لوگوں نے بھلا دیا۔ امام حسنؑ کو زہر دیا تھوڑے دنوں کے بعد دنیا نے بھلا دیا۔ پہلے بھی ایسے واقعات پیش آچکے تھے۔ ابوذر غفاری ربذہ میں شہید کئے گئے۔ حقیقتاً ان واقعات سے کوئی مجموعی اثر پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ جناب امام حسینؑ اس امیوی پول کو کھولنا چاہتے تھے۔ انھوں نے یہ طے فرمایا کہ چاہے ہماری تعداد کم ہو ہم اس طرح سے خون بہا دیں کہ دنیا بھول نہ سکے ایک ایک آدمی کو مار لینا مشکل نہ تھا۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں رہ سکتی۔ اُن کو لوگ بھول جائیں گے۔ جب بہتر آدمی سخت گرمی میں بھوکے پیاسے شہید ہوتے ہیں۔ جن میں بوڑھے بھی بچے بھی موجود ہیں۔ جن کی مدد کرنے والی عورتیں بھی موجود ہیں۔ اس لئے کربلا کے واقعہ میں عظمت پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقتاً اتنا ہی اہم واقعہ حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ کی شہادت کا بھی ہے۔ لیکن کیا بات ہے کہ کربلا کے واقعہ سے ہماری ہمدردی عام طور سے متاثر ہو جاتی ہے۔ ہم بھولنے کی کوشش کے باوجود اس کو بھول نہیں سکتے۔ جو مٹانے کے درپے ہیں وہ بھی خلش محسوس کرتے ہیں۔ تاریخ اس چیز کی گواہی دے گی کہ اس واقعہ کو مٹانے کی کوشش کی گئی لیکن مٹا نہ سکے۔ حسینؑ اس طرح سے دنیا کے سامنے اس واقعہ کو لانا چاہتے تھے اور اس میں کامیاب ہو گئے۔ جن پہ اُن کو بھروسہ نہیں تھا۔ اُن کو علیحدہ کیا گیا۔ ان لوگوں کو ڈھونڈھ کر بلایا۔ جن پر بھروسہ تھا۔ جب ہمارے ستر ساتھی مر جائیں تو پھر ہم مریں۔ جب تک ساتھی زندہ رہے تو ہنستے رہتے جب مرنے لگے تو یہ کہہ کر مرے کہ حسینؑ سے غافل نہ رہنا۔ زمانہ کا غم نہیں۔ حور و قصور کی خواہش نہیں۔ صرف یہ غم تھا کہ دل میں کمزوری نہ ہو۔ مرتے وقت ایک دوسرے کو مضبوط بناتے چلے جا رہے ہیں۔

اس طرح سے حسینؑ نے اس واقعہ کو مضبوط تر بنا دیا۔ وہ تکلیفوں کے مقابلے میں خندہ جبیناں دکھاتے تھے۔ وہ تیروں کے مقابلہ میں اپنے سینہ رکھ دیتے تھے تاکہ دنیا سمجھے کہ مقابلہ اس طریقہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز واقعہ کربلا کو بہت بلند کرتی ہے بہت بڑھا دیا ہے۔ ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو اتنا بڑا واقعہ نظر نہیں پڑتا۔ بڑے بڑے واقعات ہوتے ہیں۔ کروڑوں لوگوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور آج بھی ہو رہی ہیں۔ موجودہ جنگ تین سال سے جاری ہے۔ آج تک اپنے مقصد کا اعلان تو ہیں نہ کر سکیں یہ نہیں بتا سکے کہ ان کے جنگ کا مقصد کیا ہے۔ اُن کو بتانا چاہئے کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ حسینؑ بہتر آدمیوں کو لے کر آئے اور اپنے مقصد کو ظاہر اور واضح کر دیا۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ کہ یہ چیز ہے کہ اس واقعہ کو دنیا کے واقعات سے علیحدہ کرتی ہے یہ چیزیں ہیں کہ ہماری نگاہ نہیں ہٹ سکیں اور بڑے بڑے واقعات ہم دیکھتے ہیں تو سب دکھائی دیتے ہیں۔ اس واقعہ کو بالا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی عظمت کے آگے اور واقعات نیچے جھک جاتے ہیں۔

میں نے بہت زیادہ وقت لے لیا میں محسوس کرتا ہوں۔ میں چند لفظوں میں آخر بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یادگار حسینی جسے ہم منا رہے ہیں اس کے اندر اتنی ترقی پیدا ہو سکی کہ مختلف قوم و ملت کے لوگ ایک جگہ اکھٹے ہو سکیں خدا کرے کہ یہ سنگ بنیاد قرار پائے۔ اس بات کا کہ مختلف قوم و ملت کے حضرات اس نام پہ متفق ہو سکیں اور محرم وغیرہ پر جو جھگڑے ہوتے ہیں۔ اُن کا خاتمہ ہو

(چیرز)

تقریر جناب مولانا صبغۃ اللہ صاحب قبلہ شہید انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

بتاریخ ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء جلسہ سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی آگرہ

(نشست دوم)

صدر محترم۔ علما، اور میرے محترم مہربان۔ آپ باور کریں گے اور یقین کریں گے کہ میں اپنے پیش رو سابق دوست سید احتشام حسین صاحب کی تقریر سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ غیر فانی اثر اُس تقریر کا ہوا ہے۔ جو سب سے پہلے آپ کے شہر کے ایک مقرر باشندے، ایک حق پسند شریف انسان (یعنی بابو پورن چند صاحب دایم۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ آگرہ) نے کی تھی۔ میں نے اُس کو سن کر وہ روحانی کیف حاصل کیا ہے۔ جس کو میں شاید مرتے دم تک فراموش نہ کرسکوں گا۔ میں اِن ہندو دوست کی تقریر کے بعد اپنے مقام پر کوئی ایسی خاص چیز محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ جس کو آپ ایسے تعلیم یافتہ صاحبانِ ذوق سلیم کے سامنے کوئی نئی بات کہہ سکوں۔ لیکن کیا حرج ہے کہ جس طرح آنے والا مہمان اپنے میزبان کے کہنے سے چند نوالہ کھانے کے کھا لیا کرتا ہے۔ اسی طرح آپ کا ایک ناچیز مہمان اپنے ایک باوقار میزبان کے ارشاد عالی سے کچھ حصہ لیتے ہوئے چند کلمے پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اُن تمام حقیقتوں کو اُن تمام صداقتوں کو اُن تمام جلالتوں کو یکجا کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جو سرورِ عالم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا کے مختلف گوشوں میں رونما ہو چکی تھیں۔ یہ نہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نیا قانون کوئی نیا دین لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ وہ صداقتیں جن کو سب سے پہلے معصوم جناب آدم نے روشن کیا تھا جو اُس وقت تک دنیا کے مختلف انسانوں نے کیا تھا۔ ۶۱۱ء تک وہ حقیقتیں متفرق طور پر دنیا میں موجود تھیں۔ لیکن آپ کو خوب معلوم ہے کہ ایک مالی جو ایک باغ کو لگانے والا ہے۔ باغ کی حالت کو خوب سمجھتا ہے۔ آپ اگر کسی باغ میں جائیں۔ آپ کو گلاب کی تلاش ہے۔ آپ مالی سے دریافت کریں گے تو وہ کہے گا کہ اُدھر تشریف لے جائیے۔ شمال میں ایک جگہ تختہ ہے۔ جہاں گلاب مہک رہا ہے۔ آپ اگر چنبیلی کے متعلق دریافت کریں گے تو جنوب کی طرف اشارہ کر دے گا۔ آپ اگر موگرہ کے متلاشی ہوں گے تو مالی پورب کی طرف اشارہ کر دے گا۔ موتیا کی تلاش ہے۔ تو مغرب کی طرف اشارہ کرے گا۔ یہ مالی جس نے مختلف گوشوں کو مختلف پھولوں سے آراستہ کر رکھا ہے۔ مختلف خوشبوؤں کے پھولوں سے مختلف مقامات کی زیبائش کی۔ اُس مالی کی قدرت میں یہ چیز بھی ہے کہ سب پھولوں کو گلدستہ کی شکل میں جمع کر دے۔ اسی طرح وہ رب جس نے صبر و تحمل اور علم اور حلم اور صدق و امانت وغیرہ کو مختلف شکلوں میں اور مختلف حالات میں دنیا کے مختلف گوشوں میں رکھ دیا ہے۔ اُسی رب نے جب چاہا کہ یہ تمام جلالتیں اور خدا پرستیاں اور توحید اور صبر و توکل ایک جگہ پر آجائیں۔ تو اُس نے جناب رسول اللہ کو پیدا کیا اور اُن کو سب کچھ دیدیا جو بعد کو دی جانے والی تھیں۔ اب تمام عظمتیں اور صداقتیں ایک

مرکز پہ آکر جمع ہو گئیں جس کا نام عبد اللہ کا لال رکھ لو چاہئے آمنہ کا نور رکھ لو چاہے ہمارے دل کا سرور رکھ لو سبحان اللہ جناب محمدؐ مصطفےٰ کی اس مرکزیت کو باقی رہنا چاہئے تھا۔ صداقتیں دنیا میں آئیں۔ اُن صداقتوں میں وزن بھی تھا۔ قوت بھی تھی تاثیر بھی تھی۔ نہ معلوم کتنی بے شمار صداقتیں ہیں کہ دنیا میں وہ صداقتیں آئیں اور اُن انسانوں کے سینوں کے ساتھ دفن ہو گئیں جو بھی لے کر آئے تھے۔ قبر کے گوشوں میں لے گئے۔ کامل صداقت کو لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تھے۔ وہ حضرت آئے اور اب بھی دنیا میں باقی ہیں۔ کیونکہ ہر مسلمان گروہ کا عقیدہ ہے کہ سرورِ عالم سب سے آخری پیغمبر تھے۔ حضرت عیسٰی کے بعد یہ جانشین موجود تھے۔ انجیل میں ہے کہ ایک پیغمبر آئے گا اور صداقت کو زیادہ نمایاں طور پہ پیش کرے گا۔ چنانچہ آدم نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ اسمٰعیل اور عیسٰی کے زمانے میں دینِ کامل نہیں تھا۔ بلکہ یقین تھا کہ ایک کے بعد دوسرا آئے گا۔ اور اس صداقت کو زیادہ شرح کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھ دے گا۔ لیکن قدرت نے محمدؐ کو مایوس کر دیا تھا۔ محمدؐ کے بیٹا دنیا میں باقی رہنے والا نہیں ہے ابراہیم کو امید تھی کہ اسمٰعیل باقی رہیں گے۔ حضرت یعقوب کو یقین تھا کہ بارہواں بیٹا نکلنے والا ہے۔ وہ اس صداقت کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہر شخص جانتا تھا۔ اُن کی حیات میں یہ چیز ظاہر ہو چکی تھی کہ ایک صاحبزادہ کے بعد دوسرا صاحبزادہ اور دوسرے صاحبزادے کے بعد تیسرا صاحبزادہ رخصت ہو چکا تھا جب کہ آپؐ کی عمر ۶۲ سال کی تھی۔ آپ کے آخر فرزند نے داغ جدائی دے کر کافروں کو بغلیں بجانے کا اور دوستوں کو رنجیدہ ہونے کا موقع دے دیا تھا کہ اُن کے بعد اب کیا ہو گا۔ جو مرکزیت جمع ہو گئی تھی۔ شانِ اقدس میں جس کو لے کر محمدؐ رسول اللہ تشریف لائے ہیں۔ اب کیسے چلے گی۔ اب نشو ونما کیسے ہو گی۔ اس کا علمبردار کون ہو گا۔ دوستو اور عزیزو دو چار موٹی باتیں ہوتیں تو بتا دی جاتیں۔ اُن کا تعلق روحانیت سے تھا۔ تصورات کے پردے سے تھا۔ ذہن کی آخری حد و دسے تھا۔ اس وقت کامل تربیت کی ضرورت تھی۔ جو دن کو بھی ہو رات کو بھی ہو صبح بھی ہو شام بھی ہو۔

جب پیٹ بھرا ہو اس عالم میں بھی ہو جب تین دن فاقہ ہو اس عالم میں بھی ہو۔ ہاں بہت سے شاگرد تھے۔ محمدؐ مصطفےٰ کے۔ ہم ان تمام شاگردوں اور جانشینوں کا احترام اور ادب کرتے ہیں۔ مگر ان تمام شاگردوں میں ایسا کوئی شاگرد نہیں پیش کیا جا سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے اُن عادات وحالات اور عمل کو دیکھ رہا ہو جب رات کا سناٹا ہو، جو محمدؐ رسول اللہ کے گھر کے حالات کو دیکھتا ہو۔ اُن کی بیٹی کے ہاتھ کے اُن نشانات کو بھی دیکھا ہو۔ جو چکی پیسنے کے نمایاں ہو گئے تھے۔ ایسا کون شاگرد تھا۔ سوائے محمدؐ رسول اللہ کے لختِ جگر حضرت امام حسینؑ کے۔

ایسے شاگردوں کی ضرورت تھی جو دن کو بھی حاضر رہیں رات کو بھی حاضر رہیں۔ صبح شام بھی موجود رہیں۔ جنھوں نے گود میں پرورش پائی ہوئی۔ جنھوں نے مکمل تربیت حاصل کی ہو جنھوں نے رسول اللہؐ کی زبان چوسنے کے بعد اثروں کو حاصل کیا ہو سبحان اللہ دوستو اور عزیزو! اب میں سمجھتا ہوں کہ وقت تھوڑا ہے میں تم کو بتاؤں تم خود اپنے مقام پہ غور کرو کہ ایسی عظیم الشان تعلیم کے قائم کرنے کے لئے کچھ شاگردوں کی ضرورت تھی یا نہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ہمارے باعزت دوست بیٹھے ہیں۔ ہز ہولی نس صدر محترم بیٹھے ہیں۔ جن کی

جلالت سے گوشہ گوشہ واقف ہے۔ ہم ہزاروں مسلمان اُن کو
عزت سے دیکھتے ہیں۔ ان صدر باوقار کو مخاطب کرکے پوچھتا
ہوں کہ اگر ایسے شاگرد کی ضرورت تھی تو اُس شاگرد کے ذریعہ
سے جو کام ہوا ہوگا۔ کس طرح سے عجیب و غریب ہوا ہوگا۔
محمد رسول اللہ کی اصل اسپرٹ پھیلی ہوگی۔ محمد رسول اللہ کی
اصل تعلیم پھیلی ہوگی۔ ایسا دنیا کے کسی انسان سے نہیں ہوگا کون
ایسا حاشیہ نشین ہے۔ جو صبح بھی شام بھی دن بھی رات بھی
ایسے شخص کی یادگار کو کہاں تک رکھنا ضروری ہے۔ اگر محمد ہر شخص
کے دماغ میں بسے ہوئے ہیں تو محمد کا یہ شاگرد رشید بھی حقدار ہے
کہ دنیا کے ہر انسان کے دماغ میں بسے۔ اگر محمد رسول اللہ کے
صبر توکل، خدا پرستی کی تعریف دوست دشمن سب کر رہے
ہیں تو محمد رسول اللہ کے تربیت یافتہ شاگرد کے صبر و تحمل اور خدا پرستی
کی یادگار کو دنیا کے ہر انسان میں رہنے کی ضرورت ہونا چاہیئے۔
(سبحان اللہ) دوستو باور کرو اور یقین کرو کہ میں وہ روحانی
کیف تمہاری سرزمین پہ اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہا
ہوں جو آپ کے دوسرے مقامات پہ حاصل نہیں کیا ہاں ہاں تمہارے محل
کی بھی ایک یادگار ہے۔ جس کو یورپ سے اور امریکہ سے
دور دور سے لوگ دیکھنے آتے ہیں ہاں اکبر اعظم کی قبر پہ پھول چڑھانے
کے لیے بہت سے غیر مسلم بھائی بھی آجایا کرتے ہیں۔ وہ قلعہ بھی
ہے۔ جو انسانی جبروت انسانی قوت انسانی جلالت انسانی عظمت کی
اگر آپ خفا نہ ہوں۔ تو انسانی ہیبت پیش کرتا ہے۔ کربلا کے
سبق کو دہرانے والو تم نے وہ مستقل یادگار قائم کی ہے۔
ہیبت کی نہیں، کامیابی کی نہیں، بلکہ مظلومیت کی۔ جو ممتاز محل
کی یادگار سے زیادہ قیامت تک استوار رہے گی۔ گورنمنٹ آف
انڈیا کی ہمت سے کئی صاحبان کے مشورہ سے آج اس میں

مرمت ہو رہی ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کب تک دنیا کی ہر کائنات
کی طرح سے اس کو بھی ختم ہونا ہے۔ مگر یادِ حسینؑ برابر قائم ہے
میرے دادا جس طرح سے امام حسینؑ کو یاد کرتے تھے۔ اس سے
زیادہ میں یاد کرتا ہوں۔ آنے والی نسلیں اور بھی زیادہ روئیں گی۔
کیونکہ ان کو حسینؑ کی زیادہ ضرورت ہے یقینی کہ ہم کو ضرورت ہے۔
(سبحان اللہ سبحان اللہ) پورے ہالی لس میں آپ کی اجازت سے اس باوقار مجمع سے
عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آگرہ کی سرزمین میں جو یہ مظاہرہ عظیم
دنیا کے سامنے پیش کیا ہے خلوص اور محبت ایثار اور قربانی کے
سبق کو دہرانے کا اس کو میں مرتے دم تک فراموش نہیں کر سکتا
اسے باوقار دوستو میں عرض کرتا ہوں کہ سیدنا امام حسینؑ پر
سلام اُن کی ماں پہ سلام اُنکے باپ پہ سلام اُنکے جد پہ سلام اُنکے خاندان
کے تمام افراد پہ قیامت تک سلام۔ ایک بھائی پوچھنے لگے
کہ مولانا یہ کہاں سے ثابت ہے کہ مردہ آدمی کو سلام کیا جائے
یہ ثابت نہیں ہے۔ یہ آپ حسینؑ علیہ السلام کیوں کہتے ہیں۔ میں نے
کہا کہ نماز تو پڑھو۔ السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین ؂
جو کل گذر چکے یہ کل پھر پیدا ہوں گے۔ قبروں پہ جا کر السلام علیکم
یا اہل القبور کہتے ہیں۔ قبریں جو مردے ہیں اُن پہ سلام کیا
جاتا ہے۔ وہ شہید کربلا جو آج تک زندہ ہے اور مصحفِ ناطق
کی طرح تعلیم دیتا ہے اُن کو سلام نہ کیا جائے۔ اس سے زیادہ
کیا بے عقلی ہو سکتی ہے۔ جناب امام حسینؑ کا کارنامہ دنیا سے
حق پرستی میں اور اُن کے ساتھ والے طلبگاران قدوسیت
کا کارنامہ سب سے زیادہ بے نظیر ہے۔ انھوں نے محمد رسول اللہ
کی خاص تربیت میں ان چیزوں کو سیکھنے کا موقعہ حاصل کیا۔
اور اس زمانہ میں حاصل کرنے کا موقعہ حاصل کیا۔ جن حالات
میں جن موسموں میں۔ جن لمحوں میں دنیا کے دوسرے انسان کامل

طور پر مستفیض نہیں ہو سکتے۔ آج تم دیکھ لو کہ چاہے تم یاد رکھو
یا نہ یاد رکھو۔ کربلا کا میدان اس لئے ہے کہ شاگرد رشید
محمد رسول اللہ کے اس سبق کو جو سات برس پڑھا اس پر عمل کریں۔ شعر

مکتبِ عشق کا دیکھو یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ہم ۱۸۔۲۰ برس پڑھ کر مدرس بن گئے۔ تعلیم ختم ہو گئی
لیکن امام حسینؑ کا تقاضائے تعلیم اس وقت بھی رہا جب شمر ملعون
خنجر لے کر سینہ پر چڑھا۔ آخیر نمبر جو کامیابی کے ملے ہیں۔ وہ
اس وقت ملے ہیں جب شمر کا خنجر اپنی تمام شقاوت اور بے رحمی
سے چل رہا تھا۔ امام حسینؑ نے ہدایت کی۔ اے دوستو اور عزیزو
سبق پڑھ لو۔ غور سے پڑھو۔ دہراؤ۔ چار، چار باتیں کہہ کر اپنے فرض سے
سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ سات برس کا بچہ
ابھی محترم دوست جو ایم۔ اے ہیں سائیکلوجی یعنی علم نفسیات
کا مجھ سے زیادہ گہرا مطالعہ کیا ہے۔ بچے خاص خاص واقعات
سے اثر لیا کرتے ہیں۔ جن سے جوان اور بوڑھے متاثر نہیں
ہوا کرتے۔ میں اپنے اوپر غور کرتا ہوں۔ سید صاحب کے فرمانے
کے بعد۔ جو بچپن میں واقعات پیش آئے ہیں۔ اب تک میں ان کو
نہیں بھولا ہوں۔ سر کا درد مجھے اکثر رہا کرتا تھا۔ شام کا وقت
تھا۔ مغرب کی نماز ہو چکی تھی۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ میری ماں
سر دبا رہی تھیں۔ میرے والد ماجد تشریف لائے۔ میں نے کہا کہ
سر میں درد ہے۔ مجھ سے کہا کہ کیا چاہتے ہو کہ سر کا درد جاتا رہے؟
میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ شام کو اور صبح
دس مرتبہ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد پڑھا کرو۔ اب جب کہ
میری عمر ۴۰ سال کی ہے۔ اس سبق کو اچھی طرح یاد رکھتا ہوں
میں یقین رکھتا ہوں کہ تمام امراض، تمام مصیبتیں اور تمام
کرب و آلام اور تکلیف کو دور کرنے کا ذریعہ محمدؐ اور آن کی
آل کے لئے دعائے خیر ہے۔ (سبحان اللہ) اللہ پیار کرے
رسول اللہ کو اور اپنے پیار کو برقرار رکھے۔ اور پروان چڑھاتا
رہے خاندانِ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو۔ میں
آپ سے عرض کر رہا تھا کہ بچے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ بےشک
بچے اثر قبول کر لیتے ہیں۔ جو بڈھے اور جوانوں میں اثر پیدا
ہو سکتے ہیں آس سے زیادہ قبول کرتے ہیں۔ ایک موٹی سی
بات ہے۔ ایک جماعت آئی ہے۔ میں نام نہیں لوں گا۔ اس
لئے کہ مختلف جماعتیں یہاں ہیں۔ وہ چیلنج دیتی ہے۔ اس زمانہ
میں بھی آج کی طرح ایک چیز تھی۔ عرب کی جہالت کے زمانہ
میں بھی ایک چیز تھی جنگ ڈوول (Duel) دو دعویدار
ایک چیز کے لئے میدان میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دونوں
دعویدار ہاتھ میں ریوالور لے کر کہتے ہیں کہ جو زندہ رہے گا
وہ اپنی چیز کو لے گا۔ کفر کے زمانے میں بھی یہ چیز تھی۔ کامل
شکل میں رسول اللہؐ نے پیش کیا۔ جب ایک ڈیپوٹیشن آیا
جو صداقت اسلام کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ آپ کی عقل و دانش
سے اپیل کی۔ اور [illegible] کی طرف متوجہ کیا۔ آخر میں آپ نے
کہا کہ گفتگو ہو چکی۔ اب گفتگو ختم۔ ہم اپنی بیوی اور بچوں کو لیکر
آئیں گے۔ صداقت اسلام کو ثابت کرنے کے لئے اور تم
بھی اپنی بیوی بچوں کو لے کر آؤ۔ صداقت اسلام کو ثابت کرنے
کے لئے دو بچے حسنؑ اور حسینؑ ہیں، علی ہیں اور فاطمہ ہیں۔
ایک دفعہ بلالِ حبشی پہونچا کہ رسول نے بلایا ہے۔ کاہے
کے لئے بلایا ہے۔ اس لئے بلایا ہے کہ صداقت اسلام کو
ثابت کرنے کے لئے ہم آن کو پیش کریں گے۔ فاطمہ کو
پیش کریں گے۔ علی کو پیش کریں گے۔ بوڑھا بھی جائے گا جوان بھی

جائے گا۔ بچہ بھی جائے گا۔ مرد بھی جائے گا۔ عورت بھی جائیگی۔ (سبحان اللہ) کان میں یہ آواز آتی ہے کہ صداقتِ اسلام کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت ہے کہ بچے بھی بلائیں جائیں بچے بھی بلائے گئے۔ حسنؑ بھی آئے حسینؑ بھی آئے۔ فاطمہ بھی آئیں۔ اور علیؑ بھی آئے۔ اور سب سے آگے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ تہلکہ مچل گیا اور لرزہ پڑ گیا۔ قلعۂ ناخدا پرستی پر۔ کہنے لگے کہ کیا کر رہے ہو۔ غضب ہو جائے گا جو اربابِ فہم تھے مسلمان ہو گئے۔ جو اربابِ عقل تھے اسلام سے تعرض نہیں کیا مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو۔ مباہلہ ہرگز نہ کرنا۔ ایک ننھے سے بچے نے یہ سبق پایا ہے۔ کہ جب کبھی اسلام خطرہ میں ہو۔ صداقت کو لوگ نہ مانتے ہوں تو بچہ بھی نکلے گا۔ جوان بھی نکلے گا، بوڑھا بھی نکلے گا، عورت بھی نکلے گی (سبحان اللہ۔ سبحان اللہ)

اب آپ کے اوپر فیصلہ چھوڑتا ہوں۔ مولانا بیٹھے ہیں اور لوگ بیٹھے ہیں۔ کالج اور یونیورسٹی کے ممتاز طلبا بیٹھے ہیں وہ کسی شاگرد کو ایسی تعلیم دے سکتے ہیں۔ گریجویٹ کو یہ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز گھریلو تھی۔ اور گھر میں ہوئی ہے۔ اس کو گھر والے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ گھریلو بات تھی۔ ہم ہماری عورتیں ہمارے بچے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبق کو حسینؑ نے یاد کیا یا نہیں یاد کیا۔ متاثر ہوئے یا نہیں متاثر ہوئے۔ اس کا فیصلہ ابھی نہ کرو۔ ٹھیک ۵۴ - ۵۵ برس کے بعد جب صداقت اسلامی ایسی ہولناک شکل میں خطرہ میں پڑ گئی۔ شام کے لفنگے اور پھر وہاں کے تمام غنڈے ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔

تو یاد آیا کہ نانا جان نے یہ سبق پڑھایا تھا کہ بچے بھی آئیں۔ عورت بھی آئے۔ جوان بھی آئے۔ اس لئے اے زینب تم بھی چلو۔ اے عباس تم بھی چلو۔ اے اکبر تم بھی چلو۔ اے قاسم تم بھی چلو۔ اے شیر خوار اصغر تم بھی چلو۔ اسلام کی صداقت کو بچانا ہے۔ نانا کے دین کو بچانا ہے۔ اور دکھانا ہے کہ صداقت کس طرح سے محفوظ رکھی جاسکتی ہے (سبحان اللہ۔ سبحان اللہ) سبق یاد رکھنا ہے۔ آپ کو ہر تعلیم یاد رکھنا ہے۔ یہ تعلیم کیسے یاد رکھئے۔ شیر خوار بچے کو بھی لے جاتے ہیں۔ بہن کے بچوں کو بھی لے جاتے ہیں۔ ہم بھی خود جاتے ہیں۔ دوسری تعلیم ایک سال کا واقعہ ہے۔ حضرت امام حسینؑ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ غزوۂ خندق ۵ھ میں ہوا۔ سال بھر کا واقعہ ہے۔ یہ دیکھا کہ خندق کھد رہا ہے۔ آل پارٹیز غزوہ احزاب میں ایک مرکز پر جمع ہو گئیں۔ حضرت خود اس حال کی بنا پر متفکر ہو رہے ہیں۔ کہ کیا کیا جائے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو شہر کے چاروں طرف خندق کھود دیتے ہیں۔ کہا کہ سلمان مناسب ہے رائے۔ چاروں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کام کی ترتیب نہیں ہے۔ کام کو بانٹنے کے لئے ایسی تعلیم کی گئی کہ فلاں گروہ اتنے حلقہ میں، فلاں گروہ اتنے حلقے میں خندق کھودے خندق تیار ہو گیا۔ ایک بار وہ جس نے خیبر کے قلعہ کو اس طرح سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ جس طرح سے ہم اور آپ کاغذ کو اکھیڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ وہ کدال لے کر آئے اور کہا کہ کام تو سب ہو گیا ہے۔ اور تقریباً سب ہو گیا ہے۔ ایک چٹان ایسا سخت آگیا ہے۔ میرے ہاتھوں سے نہیں ٹوٹتا۔

ولائے مولا علیؑ

نخواہد دید چشمِ پیرِ گردوں مثلِ اُو شاہے — بہ ایں عظمت، بہ ایں رفعت، بہ ایں سطوت، بہ ایں جاہے

شہِ مشکلکشائے، قوتِ بازوئے پیغمبر — امیرِ حق بیانے۔ حق پرستارے، حق آگاہے

بہ یک ضربت نہ کندیدے چہ در وازۂ خیبر — کہ بودہ مختفی در آستیں آں یداللّٰہے

محمدؐ بود بر چرخِ رسالت ہمہ تابانے — تو بر اوجِ امامت بودۂ اے نورِ حق ماہے

تو ئی بہرِ محمدؐ مثلِ ہارون از پئے موسٰے — وزیرے ایں چنیں زیبد برائے ایں چنیں شاہے

شہیدِ زار ایں بے مائگی ہرگز نہ خواہد ماند
بحمد اللہ تو داری علیؑ مرتضٰے شاہے

تعلیم مل رہی ہے۔ اب تعلیم دیکھئے۔ ایک مرتبہ علی مرتضٰی حاضر ہوتے ہیں کہ ایک ایسی زبردست چٹان آگئی کہ میرے ہاتھوں سے نہیں ٹوٹتی ہے۔ علیؑ نے بتایا حضرت نے کدال اپنے ہاتھ میں لی اور اپنی کدال سے مارا . . . امام حسینؑ شیر خوار تھے یہ سنا ہوگا کہ سب کام کریں سب مظاہرہ کریں تو اس کے بعد سردار کو آنا چاہیئے۔ جو مشکلات اور دقیق پیش آئیں۔ ان سب سردار کو دور کرنا چاہیئے۔ یہ سمجھ میں آگیا تھا۔ بچپن میں۔ چنانچہ آج اس سبق کو دہرانے کا دن آگیا تھا۔ اللہ میاں کہتا تھا کیا سبق پڑھا ہے۔ جو پڑھا تھا سناؤ۔ بڈھے حبیب ابن مظاہر بھی رخصت ہو لیئے۔ قاسم نوجوان بھی رخصت ہو لیئے شیر خوار بچہ بھی رخصت ہو لیا۔ اب کوئی باقی نہیں ہے۔ اور کام ابھی باقی ہے۔ ایک آواز سے کہا کہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ اب خیال فرمایئے۔ عملی طور پر سبق کو دہرائیں گے۔ استاد اور شاگرد کے کیریکٹر میں بہت بڑی بات ہے۔ استاد کی گود میں آنکھ کھولی ہے زندگی کا معصوم دور گود میں گذرا ہے۔ ایک چیز کہی جاتی ہے کھانا نہیں ملا۔ پانی نہیں ملا۔ ہم کو نہیں معلوم ہے۔ لڑائی میں ممکن ہے

کہ ایسا ہوتا ہو۔ غیر معمولی تدبیر کیجاتی ہو۔ لیکن بہت دفعہ ایسا ہوا ہوگا۔ کہ کئی کئی دن کھانے پینے کا موقعہ نہ ملتا ہوگا۔ واقعہ کربلا میں یہ چیز نئی نہیں تھی۔ گود میں کس کے پلے تھے۔ اور کس سے سیکھا تھا؟ اس گھر میں پلے تھے۔ جہاں تین تین مہینے چولہا نہیں جلا تھا۔ جہاں کئی کئی ہفتے ایک روزہ پر دوسرا روزہ رکھ لیا جاتا تھا۔ جہاں کے متعلق فاقہ کشی اور تہی دستی افسوسناک ضرب المثل تھی۔ بی بی فاطمہ کا جب عقد کرنا چاہا حضرت علیؑ کے ساتھ بعض روایتوں میں ملتا ہے۔ حضرت رسول اللہ نے کسی سے کہا کہ جا کر فاطمہ سے کہو کہ میں ان کا نکاح علیؑ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں تو بی بی فاطمہ نے ایک عجیب بات کہی جو میں بھولتا نہیں ہوں کہ بابا جان سے کہنا کہ جو بات بھی آپ کریں وہ میں سمجھتی ہوں کہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہے۔ معصوم ترین اور مبارک ترین بابا جان سے کہنا کہ کیا مکہ میں ان سے زیادہ غریب آدمی کوئی نہیں ملا۔ قاصد نے عرض کیا۔ آپ نے کہا کہ جا کر کہدو کہ علی سے زیادہ غریب بھی نہیں ملا اور پیارا بھی کوئی نہیں ملا اس لئے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ جناب علیؑ کے ساتھ

اُن کی محتاجی اور بھی دستی ضرب المثل تھی۔ بچپن سے پیاس کی عادت حلق کو پانی سے محروم رکھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ یہ تربیت تھی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

جبرئیل حاضر ہوئے کہا کہ یہ دوسرا فرشتہ ہے اور اُس کا نام ہے اسمٰعیل۔ یہ مالک ہے دُنیا کی کنجی کا۔ اگر آپ فرمائیں تو پہاڑ کو سونے کا کر دیا جائے۔ کہا اپنی مرضی سے آئے ہو یا اللہ تعالٰی کی اجازت سے۔ کہا اللہ کی اجازت سے آیا ہوں۔ کہا کہ اللہ سے کہنا کہ کیا میری فاقہ کشی کی عادت پسند نہیں آئی۔ ایمان کے دو حصے ہیں۔ آدھا صبر اور آدھا شکر۔ اس لئے میں فاقہ کشی کی زندگی میں ایمان کی لذتیں حاصل کرتا ہوں۔ جو پیٹ بھرے کی حالت میں محسوس کم ہونا چاہیئے۔ اس لئے یہ عادت ہونا چاہیئے۔ سات برس کی عمر سے فاقہ کشی کی عادت تھی۔ آج اُس عادت اُس تعلیم کو دنیا کو سکھانا تھا۔ کھانے کی پروا نہ کرو۔ راشن کی پروا نہ کرو۔ نہ ٹھنڈی ہوا در کی پروا کرو۔ یہ چیز بھی اس کو دُہرانا تھا۔ اور سکھانا تھا۔ تم کو اے مسلمانو تم کو۔ اس لئے روز ازل سے رسول اللہ کا وہ شاگرد رشید جس نے آغوش رسول اللہ میں آنکھ کھولی تھی اُس نے دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے زیادہ نمایاں اور واضح اور مسلّم الثبوت اخلاق ہے۔ اس کو دشمن بھی جانتے ہیں کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم اس چیز میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ دشمن کی گالیوں پر دشمن کی توہین آمیز باتوں پر تبسم فرمادیں اور دعائے خیر کریں۔ رسول اللہ حرم مکہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ جس کے سجدوں پر کعبہ خود سجدہ کرتا تھا۔ اور ناز کرتا تھا۔ وہ تمام جس کے سامنے بیت اللہ دست بستہ کانپ رہا تھا کہ محمد مصطفٰی کی نماز ہو رہی ہے۔ وہ سجدہ میں تھے کہ ابو جہل اپنے کئی بدبخت دوستوں کو لے کر آیا اور ایک مردار اونٹ اوپر ڈال دیا۔ حضرت سجدہ میں ہیں۔ اُٹھ نہیں سکتے اوپر اتنا بڑا بوجھ ہے کہ سر اُٹھانا مشکل ہے۔ اُن لوگوں میں سے کسی نے بی بی فاطمہ کو خبر کر دی کہ دیکھو فاطمہ کی بیکسی کو۔ وہ بڑھیں اور ایک کلمہ زبان پر آ گیا کہ اے بدبخت تجھ پر خدا کی مار کیا میرے بابا کو مار ڈالے گا۔ اُس خدائی طاقت سے رسول اللہ کو اُٹھایا۔ کہا کہ اے فاطمہ ایسا نہ کہو بلکہ کہو کہ اے بدبخت تم پر خدا کی یاری۔ ہمارا خاندان بددعا کرنے کے لئے نہیں آیا۔ ہمارا خاندان اس لئے آیا ہے۔ کہ ہم دشمن کے ساتھ نیکی کریں۔ یہ واقعہ امام حسینؑ کے سامنے تھا۔ آپ نے جو آخر تقریر کی ہے۔ اُس میں آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں میرے سامنے ہے۔ علی اکبر کا لاشہ اے لوگو میں بھولا نہیں ہوں۔ قاسم کے بدن تک کو تمہارے گھوڑوں کے سموں نے روندا۔ مجھے یاد ہے۔ میرے بھائی عباس کے بازو کٹے ہوئے پڑے ہیں۔ میرے بچوں کے پانی لانے کے لئے میرے بھائی نے جان دی ہے۔ ایک ایک دوست کی جدائی مجھے مارے ڈالتی ہے۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اس زخمی انسان سے دست بردار ہو جاؤ۔ جو زخم کلیجہ پر لگ گئے ہیں وہ مجھے زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اب بھی ہاتھ روک لو۔ لخت جگر رسول اللہ کو ذبح نہ کرو۔ ورنہ تمہارے اوپر عذاب عظیم آئے گا۔ اگر اب رُک جاؤ گے تو میں اپنے نانا کے حضور میں تمہاری سفارش کر دوں گا۔ یہ سبق تھا۔ جو میدان کربلا میں تم کو اور ہم کو اپنی مکمل شکل میں سیدنا امام حسینؑ نے پڑھایا۔ اے حسینؑ کے احترام کرنے والو۔ اسے یادگار حسینیؑ کو قائم کرنیوالو یاد رکھنا . . . .
اس وقت شان اسلام کی استوار رکھنا چاہیئے۔ کسی کے لئے

گالیاں نہ نکالو ہم رسول اللہ کی تعلیم کا کامل ثبوت دیدیں دوستو اور عزیزو قبل اس کے کہ میں رخصت ہوں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ اُدھر سب نظر آتا ہے۔ اِدھر کچھ بھی نہیں۔ جس طرح بسم اللہ پڑھنے سے پہلے نماز میں ہم لوگ پڑھ لیا کرتے ہیں۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور دوسری طرف قل ہو اللہ لکھا ہوا ہے۔ اسی طریقہ سے جائیزہ لے ڈالیں اُس یزیدی کیرکٹر کا کہ ۶۱ھ سے قیامت کے روز تک مسلمانوں کے اندر ایک حق پرست اور ایک بھی شریف آدمی دنیا میں زندہ رہے گا تو یزید اور یزیدیت پر لعنت بھیجے گا۔ ایک جائیزہ لے ڈالیں یزیدیت پر۔

میں اختتام کلام پر جب کہ سورج ڈوب رہا ہے اور میری تقریر بھی ختم ہونیوالی ہے۔ چند کلمہ کہنا چاہتا ہوں۔ تم یزیدیت پر لعنت کرو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ لیکن لعنت کیوں ہوئی ایک بات یاد رکھو یزید پر اس لئے تم نے لعنت کی ہے کہ جو مرکزیت حاصل کر لی تھی۔ جناب رسول اللہ نے نسلاً بعد نسلاً منتقل ہو کر آئی تھی۔ سیدنا امام حسینؑ تک۔ سیدنا امام حسینؑ کی مرکزیت کو یزید نے ختم کرنا چاہا۔ لہذا تم مرکزیت اسلام کی تنظیم پر کمر بستہ رہو۔ خدا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ منظم ہو جاؤ ایک دوسرے کے بھائی ہو جاؤ۔ اس جھنڈے کے نیچے جمع جاؤ۔ (سبحان اللہ) (چیرز)

رباعیات

جناب مولوی خادم علیخاں صاحب اختر میونسپل کمشنر آگرہ

اللہ کے گھر آنکی ولادت بھی ہوئی　　اللہ کے گھر آنکی شہادت بھی ہوئی
کیا شان ہے شیر حق کی اللہ اللہ　　تحقیق ہے عرش پر زیارت بھی ہوئی

ہر حال میں ایمان کی تصویر حسینؑ　　ہر بات میں قرآن کی تفسیر حسینؑ
اوصاف میں اخلاق نبیؐ زور علیؑ　　اقدام میں اللہ کی شمشیر حسینؑ

اللہ سے پوچھے کوئی عظمت تیری　　کس درجہ ہے ممتاز قیادت تیری
تو مقصدِ ایماں ہے اے ذبح عظیم　　قرآن کا فخر ہے شہادت تیری

ایمان کا مفہوم ہے نسبت تیری　　مومن کا ہے ایمان محبت تیری
اسلام کا نام آج روشن تجھ سے　　اسلام کی جان استقامت تیری

تقریر جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ وکعبہ سکریٹری آل انڈیا یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ لکھنؤ

نشست سوم) بمقام بیکر باغ آگرہ بوقت شب ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء (بصدارت جناب سید علی جان صاحب رئیس شاہ گنج آگرہ)

سلام علیکم! قبل اس کے کہ میں موضوع کے متعلق کچھ عرض کروں۔ اپنے جذبات مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں - اس بین الاقوامی جمعیت کو دیکھ کر جو سرزمینِ آگرہ پر تحریک یادگارِ حسینی کے سلسلہ میں مجھے نظر آئی حقیقت یہ ہے کہ دنیا مختلف حیثیتوں سے آپس میں دست وگریباں ہو ہر ایک دوسرے سے مختلف نظریات وخیالات میں اختلاف رکھتے اور ہزاروں باتوں میں ایک دوسرے سے جُدا ہو۔ لیکن ایک ایسی چیز ہے جس پر دنیائے انسانیت متفق ہو کر ہم آہنگ اور یک زبان ہو جاتی ہے۔ اور وہ مظلوم سے محبت اور ظالم سے نفرت رکھنا ہے یہی وہ چیز ہے جو مذہب اور ملت کی تفریقوں سے بالا تر ہے۔ یہی وہ کشش ہے جو حسینی مرکز کی طرف بلا تفریق مذہب وملت تمام دنیائے انسانیت کو کھینچ رہی ہے۔ یہ حسینی جھنڈا وہ ہے کہ جو تمام دنیا کو اس دور میں جب اختلاف کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ تمام دنیائے انسانیت کو متفق ومتحد بنا سکتا ہے۔ آپ اگر غور فرمائیں تو واقعۂ کربلا کی یہ یاد اُس خصوصیت کا پتہ دیتی ہے جو دنیا میں کسی واقعہ کو حاصل نہیں ہے۔ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ ہمیشہ حال کے نقش ماضی کے خیال کو مٹا دیا کرتے ہیں۔ اور باتوں کا کیا ذکر معمولی چیزیں جیسے جاڑا۔ گرمی۔ برسات کا آپ کی زندگی میں ہر سال تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن آپ اکثر آدمیوں کو ہر مرتبہ یہ کہتے سنیں گے کہ جیسی گرمی اب کی پڑی ہے ویسی کبھی ہمارے ہوش میں نہیں پڑی۔ جیسی سردی اب کے پڑی ہمارے ہوش میں نہیں پڑی۔ کئی مرتبہ ہو چکی ہوگی۔ لیکن پہلے کے حالات نگاہ سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ تاثیر بھی رخصت ہو گئی۔ اور حال کا تجربہ دماغِ انسانی پر اثر ڈال رہا ہے۔ اس لئے انسان اُس کی حقیقت کا اقرار کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ماضی ایسا نقش قائم کر دے کہ بعد کے نقش اُس کو مٹا نہ سکیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ ماضی کچھ ایسی خصوصیات رکھتا ہے کہ بعد کا کوئی واقعہ اُن کے مثل ہونا تو کیا اُس کے قریب بھی نہ آسکا۔ (سبحان اللہ) آپ کو معلوم ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد کتنے انقلابات ہوئے۔ تمدن نے کتنی کروٹیں لیں دنیا کے اخلاق وعادات میں کس درجہ تغیرات ہوئے۔ بہت سی چیزیں جو کسی وقت میں عزت اور وقعت سے دیکھی جاتی ہیں وہ چیزیں انسانوں کی نظروں سے گر گئیں۔ اور بہت سی وہ باتیں جو نہایت شرمناک اور ذلت آمیز سمجھی جاتی تھیں۔ دوسرے وقت میں وہ باعثِ عزت وباعثِ عظمت بن گئیں صدیوں کا کیا تذکرہ ہے۔ ہر ایک انسان ہم میں سے جو ذرا بھی عقل رکھتا ہے وہ اپنے بچپن کے حالات کو موجودہ دور کے حالات سے موازنہ کرے تو ایسی ہزاروں باتیں نظر آئیں گی۔ کہ سابق میں کوئی آدمی ایسی حرکت کا ارتکاب کرتا تو وہ بُری نگاہ سے دیکھا جاتا۔ لیکن اب وہ فیشن میں داخل ہیں۔ اور فخریہ کی جانے لگیں اور وہ آنکھوں کو بُری نہیں معلوم ہوتیں۔ ہر دسویں برس

بلکہ ہر پانچویں برس بلکہ ہر سال انسان کے مزاج میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ انسان کا اخلاقی معیار بدلتا رہتا ہے۔ جب کہ ہمارے آنکھوں کے سامنے انسانی تمدن میں یہ انقلابات ہوتے رہتے ہیں تو کہاں تیرہ سو برس کا زمانہ جس میں سلطنتوں کے انقلابات ہوئے۔ بادشاہتیں قائم ہوئیں۔ اور ہزاروں قسم کے حالات میں تبدیلیاں ہوئیں۔ لیکن وہ کونسی چیز تھی کہ جس طرح وہ عزت کی نگاہ سے اس وقت میں دیکھی گئیں۔ اُسی طرح عزت کی نگاہ سے آج تیرہ سو برس ۱۳۰۰ بعد بھی دیکھی جاتی ہے (سبحان اللہ) ماننا پڑے گا کہ وہ ایسے مشترکہ انسانی اصول کی حفاظت کے لئے قربانی کی گئی تھی کہ جبتک دنیا میں انسانیت قائم ہے۔ اُس اصول کی ہی قدر و منزلت ہے۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت اور اُن کا اقدامِ عمل اگر کسی دوسرے مذہب کے افراد کے خلاف ہوا ہوتا اور کوئی غیر مسلم جماعت اُن کے سامنے ہوتی تو چاہے کتنی ہی حقانیت حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے مشن کی ہوتی اور آپ کو کتنی ہی مظلومیت کے ساتھ شہید کیا جاتا مگر وہ جماعت یا وہ مذہب جس کے خلاف ان کا اقدام ہوا تھا یا جس کے ہاتھوں آن کو یہ مظالم برداشت کرنے پڑے۔ اُس جماعت کو اور اُس مذہب والوں کو کسی نہ کسی درجہ تک واقعہ کربلا کے ساتھ بنائے مخاصمت قائم ہوتی اور اس لئے اُسکی ہمدردیاں آپ کے ساتھ اس درجہ تک نہیں ہوتیں۔ جو واقعہ کربلا کو اس وقت حاصل ہو رہی ہیں تیا یدہ اس وقت حاصل نہیں ہوتیں۔ لیکن حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی قربانی دنیا کے کسی دوسرے مذہب کے سامنے نہیں تھیں بلکہ حضرت امام حسینؑ کی قربانی اپنی جماعت کے اُن افراد کے خلاف تھی۔ جو اسلام کی تعلیم سے دور ہو گئے تھے۔ اس بنا پر امام حسینؑ علیہ السلام کی قربانی میں اختلاف مذہب و ملت کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپ کی قربانی کو ہر جماعت کے فرد ہر مذہب کا نام لیوا قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اس لئے کہ آپ کی قربانی کسی ایک مذہب کو مٹانے اور دوسرے مذہب کو برقرار رکھنے کے لئے نہیں تھی بلکہ آپ کی قربانیاں ایک ہی مذہب والوں کی برائیاں مٹانے اور اچھائیوں کے قائم رکھنے کیلئے تھیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بُرائی اور اچھائی حدود مذہب و ملت سے بالا ہے۔ ہر مذہب والوں کے نزدیک کچھ برائیاں ہوتی ہیں اور ہر مذہب والوں کے نزدیک کچھ اچھائیاں ہوتی ہیں اور ہر مذہب کے نزدیک برائی ہٹانے کے قابل اور اچھائی قائم رکھنے کے قابل ہے اور حضرت امام حسینؑ نے برائیوں کے مٹانے کو وہ قربانیاں کی تھیں۔ جو خون کے حروف سے حضرت نے لکھدیں۔ لہٰذا ہر جماعت اور ہر قوم اس کی قدر و منزلت کرے گی۔ جس طرح سے وہ اچھائی کی قدر و منزلت کر سکتی ہے۔ اور بُرائی سے نفرت کر سکتی ہے۔ یہی نہیں کہ وہ آپ کی قدر و منزلت کرے گی۔ بلکہ واقعہ کربلا میں ہر آدمی کے لئے اور ہر مذہب کے لئے دنیا کی تعلیمات کا ذخیرہ مضمر ہے آپ ملاحظہ کریں گے۔ دنیا کے کالج اور دنیا کے اسکولوں کو کہ کوئی کالج کسی مذہب کا ہوتا ہے اور کوئی کالج کسی مذہب کا ہوتا ہے۔ مذہب کی تفریق نہیں ہوتی تو زبان کی تفریق ہوتی ہے۔ کوئی کسی زبان والوں کا کوئی کسی زبان والوں کا کالج ہوتا ہے۔ مگر واقعۂ کربلا کا وہ فیض نہ تھا۔ جس میں زبان کی تفریق ہوتی۔ اُس علمی درسگاہ میں ہر مذہب والا اور ہر زبان والا سبق حاصل کر سکتا ہے۔ امام حسینؑ نے کس نازک وقت میں اپنی قربانی پیش کی تھی۔ وہ انسانیت اور اخلاقی تعلیمات کا ذخیرہ جسے پیغمبر اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور جس کے اوپر آپ اپنے قول و عمل سے

آخیر دم تک برابر مصروف رہے اور تبلیغ و اشاعت کی جس کے
لئے ہزاروں تکلیفیں اُٹھائیں۔ جسمانی راحت و آرام کی قربانی
کی زخم زبان کی تکالیف سہیں۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے دیکھا
کہ وہ میرے نانا کے تعلیمات اور وہ انسانیت کے اصول
جن کو پیغمبر نے اپنی زندگی میں کیسی تکالیف اُٹھا کر دنیا میں
رائج کیا وہ اصول اور وہ تعلیم شہنشاہی اقتدار اور سلطنت
کے جاہ و حشمت کے آگے اس طرح سے نسیاً منسیاً ہو رہے
ہیں۔ اور اس طرح اُن کو پردۂ نسیاں میں چھپا دیا گیا ہے
کہ اب دنیا اُن کی صحیح خط و خال کو بھول کر بہت دور
ہوتی جاتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے یہ محسوس
کیا کہ تعلیم اسلام پر ایک ایسا غلاف چڑھ جائے گا کہ
جس کے بعد لوگوں کی نگاہ سے یہ صحیح تعلیمات بالکل فراموش
ہو جائیں گی۔ اِن لوگوں کو بلکہ آیندہ صدیوں کو اور
قیامت تک آنے والی نسلوں کو پتہ نہیں چلے گا کہ حقیقتاً وہ
راستہ وہ آئین وہ طریقہ کیا تھا کہ جس کو پیغمبر اسلام نے
دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ آپ نگاہ
اُٹھا کر اپنے سامنے نظر کریں تو اونچی عمارتیں بلند مینارے
اور بڑے بڑے کنگورے آنکھوں کے سامنے جلد آ جائیں گے
لیکن زمین سے ملے ہوئے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اور وہ چھوٹے چھوٹے دروازے
جہاں آدمی بغیر سر جھکائے ہوئے نہیں جا سکتا۔ وہ ایک انسان کو
نگاہ ڈالنے سے نظر نہیں آ سکتا۔ کوئی اگر تیز نگاہ سے دیکھنے
والا ہے تو گنبد کا جمنی برتن اور آنکھوں میں چکا چوند ڈالنے والے
شیشے جلد اُس کی نگاہ کو اپنی طرف موڑ سکتے ہیں۔ لیکن
خاک میں اَٹے ہوئے جواہر جن پر گرد پڑ گئی ہے۔ کسی کی
نگاہ کو اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتے۔ یہ ظاہر ہے کہ بعد کی
آنے والی نسلوں کے لئے سابقہ حالات معلوم ہونے کا ذریعہ
اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ تاریخ ہو سکتی ہے۔ یہی تاریخ
کی عینک وہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے صدیوں پہلے کے حالات
کا انسان مطالعہ کرتا ہے اور اُن حالات کو دیکھتا ہے۔ لیکن
میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب
پر اگر کوئی طالب تحقیق انسان نیک نیتی کے ساتھ بھی دریافت
کرنے والا آدمی تاریخ کی عینک لگا کر یا دوربین لگا کر وہ
نظر ڈالتا تو اُس کو اسلام کی سرزمین پر اونچے اونچے محل نظر
آتے۔ قصر نظر آتے اور بہت سے بڑے بڑے پھاٹک نظر آتے
جن پر زرتار پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کو وہ ایوان
نظر آتے جہاں سونے کے غلاف ہیں۔ جہاں سونے چاندی
کی دروازے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اُس کی نگاہ کے سامنے
آتیں۔ اگر محل میں باریابی حاصل ہو گئی تو دیکھتا کہ سونے
کا تخت ہے۔ زرین کمر غلام ہیں۔ جو پیشوائے اسلام کی
بارگاہ میں کھڑے ہوئے اور مہ جبین حسینؑ، ہوش چاروں
طرف پرے جمائے ہوئے ہیں۔ شراب کے دور چل رہے
ہیں۔ مغنی کی صدا اور ساز و طرب کے نغمے چاروں طرف
گونج رہے ہیں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو وہ بھی سلام
کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اور فرائض کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔
لیکن وہ بھی اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکیں۔ اگر وہ یہ نظارہ
دیکھتا تو کیا یہ رائے نہیں قائم کرتا کہ اسلام نام ہے۔ اسی
شہنشاہیت کا اسلام نام ہے غریبوں کا خون چوس کر
امارت کے رنگ جمانے کا کہاں نظر آتے بنی ہاشم
کے ٹوٹے، پھوٹے کھنڈر، جہاں کچھ بوڑھے کچھ جوان، کچھ بچے
اپنے خالق کی یاد میں مصروف ہیں کہاں نظر آتے۔ وہ چہرے

جن کے ہونٹ ذکرِ الٰہی سے خشک ہو گئے ہیں۔ جن کا نصب العین
یہ ہے کہ کسی غریب کو اٹھاؤ۔ کسی کمزور کی مدد کرو، کسی محتاج اور
بیکس کی مدد کرو۔ یہ نظارہ اُن کی نگاہ کے سامنے کبھی نہیں
آسکتا۔ پس حسینؑ ابن علیؑ کا مقصد یہ تھا اور حسینؑ ابنِ علیؑ کربلا
میں اس مشن کو لے کر آئے تھے کہ تو سہی کہ انسانیت کی نگاہ کو
ان اونچے ماحول سے ہٹا دیں۔ ان قصروں سے موڑ دیں۔
اور انسانیت کے کانوں کو اس نقارہ و طبل کی صدا سے
غافل بنا دیں اور حقانیتِ اسلام کی سُریلی آواز کو ایسے
دلکش انداز میں پہونچا دیں کہ انسانیت حرام و حلال کی
تعلیم کو یاد رکھے۔ امام حسینؑ علیہ السلام اس مقصد کو
لے کر کربلا کی زمین پر آئے تھے اور آپ کا مطلب یہ تھا
کہ دنیا کے سامنے ایک مرتبہ تمدنِ اسلام کی صحیح تصویر
ایسی مکمل طور پر پیش کر دیں کہ جس میں کوئی نقطہ غلط نہ ہو
جس میں کوئی خط بے محل نہ پڑے۔ جس میں کوئی چیز بے جا
نہ ہو۔ اس وقت حسینؑ ابنِ علیؑ کو انتخاب کی ضرورت
پڑی۔ حسینؑ ابن علیؑ کو اپنے ساتھیوں کی تعداد کو کم
کرنے کی اور اپنے مجمع کو گھٹانے کی صرف اس لئے ضرورت
پڑی کہ اگر مادی طاقت سے جنگ کرنا ہوتی تو مادی
طاقت کا تعلق دست و بازو اور تلوار سے ہے اگر ہزار میں
سے نو سو ننانوے آدمی بھی کمزوری دکھا دیں اور ایک
آدمی کی تلوار جنگ کو سر کر دے تو مقصد حاصل ہو گیا۔ مادی طاقت
کا مقابلہ ہو جائے گا۔ اگر ایک آدمی کی تلوار اس معرکہ کو سر
کر دے جیسا کچھ کرنا مقصود ہے۔ مگر حسینؑ ابن علیؑ مادی
طاقت کا مقابلہ عمل کی طاقت سے، صداقت کی طاقت
سے اور اخلاق کی طاقت سے کرنا چاہتے تھے

حسینؑ ابنِ علیؑ وہ نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو عمل، کردار
اخلاق اور اوصافِ انسانی کے لحاظ سے مکمل ہو۔ کیونکہ
اگر ایک فرد میں نقص پیدا ہو گیا تو کردار کی صحیح تصویر
جس کو حسینؑ پیش کرنا چاہتے تھے۔ معدوم ہو جائے گی۔
اس لئے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو اس طریقہ انتخاب
کی ضرورت تھی۔ آپ کا مادی طور پر جنگ کرنے کا کوئی
ارادہ نہ تھا یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ
جس وقت حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی وفات کو بیس
برس گذر چکے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بنی امیہ کی طاقت جو
شام میں تھی۔ وہ حضرت علیؑ کے زمانے میں اتنی مضبوط
ہو گئی تھی کہ صفین میں شد و مد کے ساتھ چالیس لڑائیاں
لڑیں۔ اب حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے سامنے
بیس سال کی طویل مدت میں مجمع پریشان و پاشاں
ہو چکا تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے اور ثابت قدم لوگوں کے
سر اڑائے جا چکے تھے اور ہزاروں کو جیلوں میں بھرا
جا چکا تھا۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے
لڑائی کا سوال کیا ہوتا۔ یہ تو تاریخی پہلو ہے۔ لیکن حقیقت
یہ ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام اپنے مقصد کو جو کربلا کی
جنگ سے تھا۔ اس کو مادی ذریعہ سے حاصل ہی نہیں
کر سکتے تھے بات کیا ہے۔ یاد رہے کہ مادی جنگ کی جو فتح حاصل
ہو۔ ہتھیار کی جنگ سے جو کامیابی حاصل ہو اُس سے
افراد اور اشخاص قتل ہوتے ہیں۔ مگر ذہنیت قتل
نہیں ہوتی۔ نہایت کامیابی ایک انسان کی یہ ہے۔ کہ
اس کے مقابل فوج کا ایک فرد بھی موجود نہ رہے۔
سب تہ تیغ ہو جائیں۔ اس شمشیر زنی سے اشخاص

قتل ہوگئے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ذہنیت بھی قتل ہوگئی
حسینؑ ابن علی اشخاص کو قتل کرنے نہیں آرہے تھے حسینؑ
ابن علیؑ یزید کو قتل کرنے نہیں آرہے تھے۔ وہ تو یزیدیت کو
قتل کرنے آرہے تھے۔ (سبحان اللہ) ہوسکتا تھا کہ عمر سعد
ختم ہو جاتا۔ ہوسکتا تھا ابن زیاد و یزید بھی ختم ہوجاتے
لیکن اس طریقہ سے جو حسینؑ کا مقصد تھا کہ یزیدیت کو ختم
کردیا جائے۔ وہ حاصل نہیں ہوتا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ غلاف
جو جلد کے ہمرنگ ہے تو دھوکا ہوجاتا ہے کہ اصلی جلد
ہے یا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ آجکل فیشن نکلا ہے کہ
جسم ایں جسم کی ہم رنگ ہوں تو دور سے دھوکا ہوتا
ہے کہ ہے بھی جراب یا نہیں۔ عربی کے شاعر نے کہا تھا۔

رق الزجاج ورقت الخمر　　فتشابھا وتشاکل الامر
ھل انہ خمر و لا قدح　　ام انہ قدح و لا خمر

کاسۂ شیشہ میں شراب ہے۔ شراب بھی صاف اور کاسہ بھی نہایت
شفاف۔ پتہ نہیں چلتا کہ ساغر ہی ساغر ہے شراب نہیں یا شراب
ہی شراب ہے۔ ساغر نہیں۔ اگر حضرت حسینؑ علیہ السلام
طاقت کے ذریعے سے یزید کی طاقت کو شکست دیتے تو پھر
بھی دنیا سمجھ لیتی کہ یہ ایک ادنیٰ سلطنت ہے۔ جس نے
دوسری سلطنت پر فتح حاصل کر لی اس صورت میں حسینؑ ابن
علیؑ کی فتح بیکار ہو جاتی۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالب
کو دنیا نے خیال کیا کہ جیسی سلطنت ہوا کرتی ہے۔ ویسی
سلطنت ہے پردۂ حکم رانی حائل تھا۔ اس لئے حقیقت
اور پردے میں تمیز نہ ہوا اگر یزید کو شکست دے کر سلطنت
پر قابو حاصل کرتے تو دنیا امام حسینؑ کی سلطنت کو سلطنت
سمجھتی۔ اسلام کی حقیقت نہ سمجھتی۔ امام حسینؑ چاہتے تھے۔

کہ وہ مقصد حاصل ہوجائے جو میرے نانا کی تعلیم کا اصل
مقصد ہے اس مقصد کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام
کربلا کی سرزمین پر آئے۔ حسینؑ ابن علیؑ نے اس بات کا
اندازہ کیا کہ مسلمانوں میں اس بے خبری اور بے حسی کا
سبب کیا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کی اتنی
علانیہ خلاف ورزی ہے اور اتنی مخالفت ہے آپ نے
ملاحظہ فرمایا کہ اس کا سبب ہے کہ یہ جماعت جو تعلیم
اسلامی کو مٹا رہی ہے۔ اگر غیر اسلامی جماعت ہوتی
تو مسلمان چونک جاتے۔ آج بھی دیکھ لیجئے کہ وہ چیزیں
کہ جن میں خود مسلمان آپس میں لڑتے ہیں۔ اگر غیر
مسلم جماعت ان چیزوں کے مقابل آکر صف آرا
ہوجائے تو مسلم متحد ہو جاتے ہیں۔ اس کو قابل اعتراض
سمجھتے ہیں اور غیر مسلم جماعت کے مقابلہ کو تیار ہو جاتے
ہیں۔ اگر تعلیم اسلام کے خلاف۔ جو صورتیں اختیار
کی جا رہی تھیں۔ اس کا سامنا کسی غیر مسلم جماعت سے
ہوتا تو مسلمان جلدی سے بیدار ہو جاتے۔ لیکن وہ مسلمانوں
کی نام نہاد جماعت تھی۔ جو تعلیم اسلامی کو برباد کرتی
تھی۔ اس لئے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا مقصد
یہ تھا کہ تو ہی کہ اس اپنی مقابل جماعت کے چہروں
سے اسلام کی اس نقاب کو توڑ کر دنیا کو دکھلادیں
کہ اس نقاب کے پیچھے کیسے لوگ چھپے ہوئے ہیں۔
اس کے لئے آپ نے تیاری کی اس وقت اپنا
ساز و سامان فراہم کیا۔ سامان کیسا جو اسلام کی آزمائش
کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

جن جن چیزوں سے انسانیت کی آزمائش ہوسکتی ہے

ایک اور بڑا سبب مسلمانوں کے جھجکنے کا یہ ہے کہ اُن کے مقابلہ میں ایسا مسلمان جائے جس کے چہرہ پر مثلاً سجدہ کا نشان ہو جس کے لبوں پر ذکرِ الٰہی ہو۔ حضرت حسینؑ علیہ السلام نے اپنے ساتھ ایسے مسلمانوں کو لیا جن کے زہد و تقویٰ اور عبادت کا ملک عرب میں شہرہ تھا۔ مثلاً حبیب ابنِ مظاہرؓ، بریر ہمدانی ابو ثمامہ صائدی۔ ان لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کیا۔ یہ لوگ عام معیار کے مطابق لڑائی کے قابل نہیں تھے۔ کوئی اتنا ضعیف العمر کہ کمر جھکی ہوئی۔ کوئی اتنا نحیف و نزار عبادت کی وجہ سے کہ لڑائی کے میدان جنگ سے اُسے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن ایسے لوگوں کو آپ نے اپنے ساتھ جمع کیا تاکہ مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں کہ اسلام پر کیسا وقت پڑ گیا ہے کہ محرابِ عبادت میں وقت گذارنے والے لوگ ایسے بوڑھے بھی۔ میدانِ جنگ میں تلوار لے کر آ رہے ہیں۔ اُن کے علاوہ خاندان محمدؐ رسول اللہ صلی علیہ و الہ وسلم کے معزز افراد جن میں بوڑھے، بچے، جوان تھے ان سب کو اپنے ساتھ لیا۔ کیونکہ انسانی فطرت مختلف ہوتی ہے۔ کسی کو بچہ پر رحم آجاتا ہے۔ کسی کو جوان پر رحم آجاتا ہے۔ کسی کو بوڑھے پر رحم آجاتا ہے۔ کسی کو عورت پر رحم آجاتا ہے۔ آپ نے ہر طرح کا نمونہ اپنے ساتھ لیا تاکہ ہر مذہب کے انسان کو ہمیشہ کے لئے اندازہ کرنے کا موقع ملے کہ اس مخالف جماعت کی دل میں کوئی جذبۂ انسانی موجود تھا یا نہیں۔ اگر ہوتا تو کسی کا بچہ کے خلاف ہاتھ لرزتا، کسی کا جوان کے مقابلہ میں دل لرزتا، کسی کا عورت کے لئے دل لرزتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ان سب کو لے کر میدانِ جہاد میں حضرت امام حسینؑ تشریف لے آئے اور پھر بڑے بڑے موقعوں پر اسلام کا امتحان لے کر دنیا کو دکھا دیا گیا کہ تمام دنیا کو ہمیشہ یہ فیصلہ کرنے کا موقع رہے کہ یہ لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ حقیقتاً اُن کو اسلام سے کوئی بھی تعلق ہو سکتا ہے؟ مثلاً آپ یہ دیکھئے کہ اکثر حضرات کو اتفاق ہوا ہوگا۔ مجھے بھی یہ بہت موقع ہوا ہے کہ ریل پر سفر ہے۔ نماز کا وقت آگیا ہے تو سکینڈ کلاس یا انٹر کلاس میں نماز پڑھنے کے لئے جا نماز بچھانی چاہی تو اکثر مجھ کو تجربہ ہوئے ہیں۔ بہت حضرات کو تجربہ ہوا ہوگا کہ ہندو لوگ یا عیسائی لوگ اگر سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو انھوں نے اپنا سامان اُٹھا لیا ہے۔ اس لحاظ سے کہ ہم اپنے طریقہ پر خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ وہ اپنے پاؤں سیٹ پر اُٹھا لیتے ہیں۔ یا کھسک جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ادائے فرض کی عزت کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے آسانی فراہم کرنا چاہتے ہیں یا بے ادبی نہیں ہونے دیتے۔ غیر مسلم لوگوں کی مہربانی کا تجربہ آپ کو حاصل ہوا ہوگا۔ لیکن آپ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام پیغمبرِ اسلام کے نواسے تھے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے نمازِ ظہر کا وقت ہوتا ہے اور ابو ثمامہ آکر عرض کرتے ہیں کہ نماز ظہر کا وقت ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس نماز کو آپ کی معیت میں ادا کریں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ حسینؑ ابنِ علیؑ کو نماز پڑھنے کے لئے دشمن سے درخواست کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہماری شریعت جامع اور مکمل ہے۔ اور ہر حال میں نماز کا طریقہ بتا دیا ہے کہ اس طرح نماز انجام دی جائے۔ ایسے موقع پر نمازِ خوف نمازِ مطاردہ کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت حسینؑ علیہ السلام سے بڑھ کر تعلیم اسلام کو کون جانتا ہوگا۔ دشمن سے کوئی درخواست پیش کرنے کی حاجت نہ تھی۔ لیکن حسینؑ ابن علیؑ

نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اُن لوگوں سے اجازت مانگو
کہ اتنی دیر کے لئے لڑائی روک لیں کہ ہم اپنے خالق کی
نماز ادا کر لیں۔ کیا دشمن کی طرف سے اجازت ملی؟ رسول اللہؐ
کے فرزند کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ملی۔ اگر اجازت
ملتی تو ضرورت کیا تھی۔ زہیر ابن قین کو سامنے کھڑا کرنے کی
کہ جو حملہ ہو اسکی مدافعت کریں۔ یہاں تک کہ ہم نماز ادا
کر لیں۔ اگر اجازت ملتی تو حبیب ابنِ مظاہر کو کیوں کہنا پڑتا
کہ اب یہ نماز آپ کے نانا کے ساتھ پڑھ لوں گا۔ اجازت
نماز کی نہیں ملی۔ دشمن کے کمینہ پن کو دیکھتے ہوئے کہ وہ اجازت
نہیں دیں گے۔ اور فرض کے ادا کی صورت موجود ہوتے
ہوئے۔ جس صورت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اُس صورت
سے نماز ادا کر لیتے کیا ضرورت تھی۔ بہادر انسان شجاعت
کے خلاف سمجھتا ہے۔ دشمن سے التوائے جنگ کی درخواست
کرنا حسینؑ ابنِ علیؑ سا بہادر انسان دشمن سے اتنی مہلت
طلب کرے کہ ہم نماز ادا کر لیں۔ اس کی ضرورت کیا تھی
تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمن کے اسلام
کی تصویر کھینچنا تھی۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو دکھانا تھا
کہ مقابل جماعت اسلام کے شعار کا کس درجہ احترام کرتی
ہے۔ دیکھو غیر مسلم جماعت ہوتی اور اجازت مانگتے تو اجازت
دیدیتے لیکن یہ مسلم جماعت۔ وقت نماز کا خیال نہیں کرتی ہے
اور نماز کا موقع تک نہیں دیتی۔ یہ حقیقت میں صرف دشمن
کے اسلام کی حقیقت سے پردہ کشائی تھی۔ کہ اُن کے
اسلام کا درجہ کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ مختلف مقامات پر
وہ چیزیں ہیں کہ جو حضرت پیغمبر علیہ السلام سے منسوب
ہیں۔ کہیں موئے مبارک ہے۔ دہلی میں قدم شریف ہے

ڈاکٹر مہدی حسنؒ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا
کہ آگرہ میں بھی قدم شریف موجود ہے۔ "دلائل الخیرات میں
تصویر نعل شریف موجود ہے"۔ جو حضرت پیغمبر علیہ السلام
سے منسوب ہیں۔ مسلمان ذرا بھی اپنے جذبۂ اسلامی
کو پیش نظر رکھ کر یہ دیکھیں کہ وہ لوگ منسوبات حضرت
پیغمبر کی تیرہ سو برس گذرنے کے بعد کتنی قدر و عزت
کرتے ہیں۔ زیارت کرتے ہیں۔ اگر کسی چیز کی کوئی
بے عزتی کرے تو مسلمان مارنے مرنے پر تیار ہو جائیں
گے۔ یہ حالت ہے منسوباتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی نسبت مسلمانوں کے جوشِ عقیدت کی مگر حسینؑ ابنِ علیؑ کے
ساتھ یہ جانے دیجیے کہ وہ فرزند رسول ہونے کی وجہ سے
منسوباتِ پیغمبر میں سے تھے۔ اس کے علاوہ ایک جیتی
جاگتی ہوئی تصویر پیغمبر کی موجود تھی۔ اور وہ علیؑ اکبر تھے
امام حسینؑ علیہ السلام نے کسی شہید کو میدانِ جنگ میں
بھیجتے وقت کوئی خاص دعا یا کوئی خاص کلمہ اپنی زبان
پر جاری نہیں کیا لیکن حضرت علیؑ اکبر جس وقت میدان
جنگ میں جارہے تھے تو اُس وقت امام حسینؑ علیہ السلام
نے یہ آواز بارگاہِ الٰہی میں بلند کی اور کہا کہ خداوندا!
گواہ رہنا کہ اب وہ مرنے کو جارہا ہے۔ جو کہ رفتار
اور گفتار میں تیرے رسول کے مشابہ ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ
کا کوئی عمل کربلا میں اضطراری نہیں تھا کیا سبب ہے کہ علیؑ اکبر
کے رخصت کے وقت اپنے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں بلند کئے تھے
معلوم ہوتا ہے۔ اُس مخالف جماعت کو بتلانا تھا کہ یہ
آنے والا ہو بہو پیغمبر کی تصویر ہے۔ اس کے بعد دیکھیں
کہ مسلمان اپنے پیغمبر کی تصویر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

گر اُن لوگوں نے اس تصویرِ پیغمبر کے ساتھ جو سلوک کیا
وہ آپ کو معلوم ہے؟ اب ہر مسلمان کو حق ہے کہ یہ سمجھے
کہ اُن کو اسلام سے کیا تعلق تھا۔ یونہی شروع سے
لے کر آخر تک حضرت امام حسینؑ کا مقصد پورا ہوتا گیا۔
ظاہر ہوتا گیا کہ یہ جماعت کہ جو اپنے کو اسلام کے ساتھ
وابستہ قرار دے رہی ہے۔ حقیقتاً اُس کے دل میں
اسلام کا ایک ذرّہ بھی نہیں ہے۔ جب مسلمانوں کو اُنکے
اسلام کی صحیح تصویر معلوم ہو گئی کہ اسلام کے پردہ میں
کس قسم کی حیوانیت ہے۔ تو مسلمان دھوکا کھا کر اُن کے
دام میں نہیں پھنس سکتے۔ مسلمانوں کے سامنے ہمیشہ کے
لئے شاہراہِ عمل واضح ہو گئی۔ اور غیر مسلم دنیا کے سامنے
اسلام کی جانب سے صفائی پیش ہو گئی۔ آج اگر بنی اُمیّہ
کے اوصاف و اخلاق کو اسلام کے خلاف دنیا پیش کرتی
تو میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی گردنیں جھک جاتیں کہ
اسلام کے دعوے کرنے والوں کے اخلاق ایسے ہیں
لیکن حسینؑ ابنِ علیؑ نے اسلام اور مسلمانوں کو سربلند
کر دیا۔ اگر اسلام میں یزید ایسا بدکار انسان تھا۔ اگر
بنی اُمیّہ کے ایسے لوگ تھے۔ جن کے دل میں انسانیت کا
جذبہ نہ تھا۔ تو رسول کے خاندان میں ایسے لوگ تھے
کہ جنھوں نے اپنا گھر اُس کی اصلاح کے لئے مٹا دیا اور
یہ دکھانے کا موقع مل گیا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ نے پورا گھر کیوں
تباہ کر دیا۔ اب دیکھ لیجئے کہ کس کی فتح ہوئی اور کس کی
شکست؟ فتح کے دو معیار تو مختصر طور پر یہ ہیں کہ حسینؑ اور
اُن کے بعد اُن کے خاندان کا کوئی بچہ تک کبھی حسینؑ کے
طرزِ عمل پر پشیمان نہیں ہوا لیکن یزید خود پشیمان ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کی فتح ہوتی ہے۔ وہ اُس کو
نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جس کی شکست
ہوتی ہے وہ اُس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے
اب یہ دیکھئے کہ کس نے چھپانے کی کوشش کی۔ یزید
والوں نے یا حسینؑ والوں نے اس کے علاوہ فتح و شکست کا ایک
اور معیار پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات
ہے۔ کہ جہاں ایک اصرار کر رہا ہے۔ دوسرا
انکار کر رہا ہے۔ تو کس کی فتح اور کس کی شکست ہو گی
اگر انکار کرنے والا اپنے انکار سے ہٹ جائے تو
اس کی شکست اور اگر اصرار کرنے والا اپنے اصرار کو
ترک کر دے اور مطالبہ سے دست بردار ہو جائے
تو اُس کی شکست ہے۔ حسینؑ علیہ السلام اور یزید دونوں
میں کس بات کی لڑائی تھی۔ یزید کا اصرار تھا کہ بیعت
لوں گا۔ حسینؑ کا انکار کہ بیعت نہیں کروں گا اس میں ایک
بات تو بالکل صاف ہے کہ حسینؑ اپنے انکار سے نہیں
ہٹے۔ یہ نہ بیان کرنے کی چیز ہے نہ دلیل کی ضرورت۔
اب فقط پہلی بات رہ جاتی ہے۔ یہ دیکھ لیجئے کہ یزید
حسینؑ سے کس حیثیت سے بیعت لینا چاہتا تھا کیا حسین
کے انفرادی شخصیت کے لحاظ سے اگر ایسا ہوتا تو تمام
عالمِ اسلام کے لوگ بیعت کر چکے تھے۔ تو ایک عبادت
گذار کے بیعت نہ کرنے میں اہمیت کیا تھی کہ چاہے
سلطنت کی پوری طاقت صرف ہو جائے مگر حسینؑ
کی بیعت ہو جائے۔ دنیا میں ہزاروں آدمی ایسے
ہونگے جو گھروں میں بیٹھے ہوں گے اور جنھوں نے
بیعت نہیں کی ہو گی۔ اس کیلئے بیعت کی ضد نہیں ہو گی۔ اور

سلطنت کو اُن سے کوئی کاوش پیدا نہیں ہوئی۔ حسینؑ ابن علیؑ
میں کیا خصوصیت تھی کہ بنی امیہ کی پوری طاقت ایک انسان
سے بیعت لینے میں صرف ہوگئی۔ حسینؑ ابن علیؑ فقط حسینؑ
نہیں تھے بلکہ خاندانِ رسول کے نمائندہ تھے۔ اور یزید بحیثیت
نائبِ رسول کے حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے حقیقت یہ ہے
کہ وہ اپنی سلطنت کو نامکمل سمجھتا تھا۔ جبتک رسول کے خاندان
کا نمائندہ اس کی پیشوائی کو قبول نہ کرے اس لئے اس کو
اصرار، اور حسینؑ کو انکار تھا۔ حضرت حسینؑ علیہ السلام
سمجھتے تھے کہ مجھ سے بحیثیت حسینؑ بیعت نہیں لی جاتی۔ بلکہ
رسول اللہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے بیعت لی جاتی
ہے۔ اس وقت اگر میں بیعت کرلوں تو یہ صرف میری بیعت
نہ ہوگی۔ بلکہ میری بیعت کے معنی یہ ہوں گے کہ حسنؑ نے
بیعت کرلی، علیؑ نے بیعت کرلی، رسول نے بیعت کرلی،
آپ نے رسول کی لاج رکھنے کے لئے اور اپنے خاندان کی
عزت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے
ہوئے انکار کیا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ معلوم ہوا کہ حسینؑ
کی شخصی حیثیت سے بیعت نہیں تھی۔ بلکہ حسینؑ کی بیعت لی
جاتی تھی۔ بحیثیت اُس حیثیت کے جو آپ کو خاندانِ رسول
میں حاصل تھی۔ اب آپ یہ دیکھ لیجئے کہ جس وقت امام حسینؑ
کی شہادت ہوگئی۔ اُن کی وہ حیثیت اُن کے فرزند زین العابدینؑ
کو اور اُن کی بہن کو حاصل ہوگئی۔ یعنی خاندانِ رسول
کے نمائندہ ہونے کی حیثیت وہ حسینؑ کے بعد دوسروں
کو منتقل ہوگئی اب مردوں میں امام زین العابدینؑ بچ
رہے تھے اور عورتوں میں زینبؑ بچ رہی تھیں جو حسینؑ
کے بعد نمائندہ تھے۔

حسینؑ تو یزید کو نہیں ملے۔ لیکن حسینؑ کے بعد انقلاب
روزگار نے وہ وقت دکھایا کہ زین العابدینؑ اور زینبؑ
و کلثومؑ اور تمام خاندان کے افراد یزید کے دارالامارۃ میں
یزید کی فوج کے محاصرہ میں پہونچے۔ ایسی کوئی جھوٹی سچی
روایت جس میں دشمن راوی نے بھی تبلایا ہو کبھی نہیں سنی
کہ یزید نے سید سجاد یا زینب و کلثوم یا سکینہ سے
بیعت طلب کی ہو۔ اقرار اور انکار کی منزل تو بعد کو ہے
طلب بیعت بھی نہیں کی گئی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ایک سے
بیعت طلب کی گئی ہوتی۔ کیا اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ
یزید اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوگیا (سبحان اللہ)
قاعدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کو خوف زدہ بنانے کے
لئے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ مگر یہاں معاملہ برعکس
ہوا کہ جن پر ظلم ڈھائے گئے۔ وہ خوف زدہ نہیں ہوئے
جو ظلم کرنے والا تھا وہ استقلال کے پہاڑ کو دیکھ کر خوف زدہ
ہوگیا۔ (سبحان اللہ) بہتروں میں سے صرف ایک بیماری
کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ نانا کی شریعت
کے احترام کا ایک جہاد تھا۔ شریعت اسلام میں بیمار پر
جہاد ساقط ہے۔ زین العابدین کا جہاد یہ تھا کہ منزل
صبر و رضا میں ثابت قدم رہے۔ جو کسی انسان کا کام
نہیں تھا۔ سب کا انجام دیکھنے کے بعد کیا زین العابدین
کے لب و لہجہ اُن کی شان اور اُن کی آن میں کوئی
فرق آیا؟ ابن زیاد کا دربار ہے۔ چاروں طرف
مجمع ہے۔ فوجوں کا حصار ہے۔ ابن زیاد کسی بات پر
غضبناک ہوتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ زین العابدین کو
قتل کیا جائے۔ زین العابدین نے کہا کہ:۔

اما علمت ان القتل لنا عادۃ وکرامتنا الشہادۃ -
کیا تجھے اب بھی نہیں معلوم ہوا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہید ہونا ہماری عزت ہے - یہ ہے حسینؑ کی فتح کہ ایک بچہ باقی ہے اور وہی اس کی زبان پر ہے اور وہ ہی یزید کی شکست کہ اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوتا ہے تیرہ سو برس سے اس کی یاد قائم ہے - اور آپ ایسی کشش محسوس کر رہے ہیں کہ بلاتفریق مذہب و ملت اُن کی یادگار قائم کرنا فخر سمجھتے ہیں۔

حسینؑ علیہ السلام

از سید علی مقدس رضوی مقدس اکبرآبادی ڈبل ایم اے۔ بی ٹی علیگ سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس جوائنٹ سکریٹری انجمن یادگار حسینی آگرہ

سلام اے فخر آدم۔ مصطفےٰ کے راحت جانی — جہاں میں اب بنائے لا الہ ہے تیری قربانی
نہ دیکھی جا سکی اسلام کی تجھسے پریشانی — فنا خود ہو کے ملت پر فنا کر دی پریشانی
سلام اے ابن حیدر، روح زہرا، جان پیغمبر — ترے صدقے ہیں اب باقی ہے روح دین ایمانی
بچا کر کشتی امت لہو میں ڈوبنے والے — خدا کی رحمتیں۔ اے ناخدا خون کر دیا پانی
سلام اے کشتۂ خنجر، سوار دوش پیغمبر — عجب انداز سے کی شامیوں نے تیری مہمانی
محافظ تم جو تھے اسلام کے یوں قتل کر ڈالا — قرآن ناطق اللہ کی صورت نہ پہچانی
مسلماں سر کٹا دیتا ہے ظالم سے نہیں ڈرتا — حسینؑ ابن علیؑ تم دیگئے یہ درس روحانی
گزر سکتا ہے مسلم تیغ اور خنجر کی دھاروں پر — ہے مشکل اس کی گردن کفر کی چوکھٹ پہ جھک جانی
یہ آساں ہے کہ ٹھکرا دے، مسلماں جاہ و ثروت کو — یہ ممکن ہی نہیں وہ چھوڑ دے فقر مسلمانی
یہ ممکن ہے لٹا دے دین پر وہ مال و زر اپنا — یہ ناممکن ہے وہ اسلام کی چھوڑے نگہبانی
یہ ممکن ہے کہ سب کنبہ شہید ظلم ہو جائے — یہ ناممکن ڈرا دے اس کو فوجوں کی فراوانی
یہ ممکن ہے کہ بچہ تیر کھائے اس کے ہاتھوں پر — یہ ناممکن نہ دے وہ دین پر بیٹے کی قربانی
یہ آساں ہے کہ وہ سجدے کرے تیغوں کے سائے میں — یہ ناممکن بھلا دے فرض کو اس کی پریشانی
یہ آساں ہے کہ گھر لٹ جائے بے پردہ حرم نکلیں — یہ ناممکن مسلماں چھوڑ دے احکام ربانی
یہ آساں ہے کہ اہلبیت جھیلیں قید کی سختی — یہ ناممکن کہ ہمت توڑ دے تکلیف زندانی
شہید کربلا بتلا گئے تم اپنے مسلک سے — جو حق پر ہیں انھیں ہر ایک مشکل میں ہے آسانی
بچا یا دین جس نے اور مٹا یا کفر وہ کیا تھا؟ — لہو اصغر کا۔ فرق شہ۔ سر زینب کی عریانی
زمانہ جتنا بڑھتا ہے حسینی بڑھتے جاتے ہیں — یہ ہے تاثیر حق کوشی۔ یہ ہے معراج انسانی
مقدس کربلا والے پہ ہوں لاکھوں سلام اپنے — بوقت قتل سجدے میں جھکی تھی جسکی پیشانی

اگر اس درس روحانی پہ دنیا چھوڑ سکتا ہے
تو اے انسان ہر بند غلامی توڑ سکتا ہے

پریسیڈنٹ ۔ سیّد علی جان صاحب رئیس آگرہ

تقریر جناب سید تصویر حسین صاحب امروہوی ایم اے ایل ٹی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

۱۳ فروری ۱۹۴۲ء وقت شب (نشست سویم)

حضرات! یادگار حسینی کے جلسے اس واقعہ کے ۱۳ سو سال بعد بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ واقعہ اپنے اندر کچھ زندگی کا ایسا اثر رکھتا ہے کہ جس کو مکان و زماں فنا نہیں کر سکتے واقعہ اس قدر اہم ہے۔ اس وجہ سے ظاہر ہے کہ زمانہ جتنا گذرتا چلا جاتا ہے اس یادگار میں موافقت ہوتی چلی جاتی ہے۔ زمانہ اس کو مٹائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے پہلے اتنی بڑی جماعت اس واقعہ کے سلسلہ میں نہیں ہوئی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تیرہ سو برس گذرنے کے بعد آج اہمیت زیادہ محسوس کی جا رہی ہے۔ صرف ایک جماعت محسوس نہیں کر رہی ہے۔ ایک محدود فرقہ سے بڑھ کر اور مذہب و ملت تک اہمیت پہونچتی چلی جاتی ہے۔ اتنا اہم واقعہ ہے اس پر تقریر کرنا میری علمیت کے لوگوں کا کام نہیں ہے۔ جیسا کہ میں ہوں۔ مجھ جیسے علم کے لوگ اگر لب کشائی کریں تو محض جرات ہے جب کہ قبلہ و کعبہ کی تقریر یہاں پر ہو چکی ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے نئی چیز نہیں پیش کروں گا۔ امام حسینؑ علیہ السلام کی قربانی وہ قربانی تھی۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ امام حسینؑ کا واقعہ مکان و زماں کے حدود سے بالاتر ہے زمانہ کی خاصیت ہے۔ کہ وہ واقعہ کو محو کر دیتا ہے۔ بہت سے واقعات پیش آتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ بڑی بڑی فتوحات کی گئیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سکندر، سیزر، جولیس، نیپولین۔ وغیرہ وغیرہ۔ کچھ اگرہ کے لوگ ہیں۔ جنھوں نے دنیا میں تلوار کے زور سے اپنا نام منوایا۔ جن کے نام تاریخ میں جلی حروف سے لکھے گئے ہیں۔ آج ان کی حیثیت اتنی باقی ہے کہ جن کو تاریخ کے مطالعہ کا شوق ہے وہ ان کے نام پڑھتے ہیں۔ وہ اس قوت کے ساتھ (reverence) کی حیثیت سے نہیں دیکھے جاتے جس حیثیت سے وہ نام آ رہا ہے۔ جس نے دنیا کی قربانیوں کو ماند کر دیا ہے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے۔ جنھوں نے حق کی خاطر اپنی جانیں دیں۔ قدیم زمانہ سے اس قسم کے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ چونکہ حق و باطل کی لڑائی دنیا میں ہمیشہ سے جاری ہے۔ دنیا کے ہر زمانہ میں کچھ ہستیاں ایسی پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے باطل کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ سقراط یونان کی تاریخ میں گذرا۔ اس نے جان دی کہ اپنے ملک والوں کی بھلائی کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہر مصلح کیا کرتا ہے۔ ہر مصلح کی ہر ایثار کی صورت کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات پڑھ کے معلوم ہوتی ہے۔ ایک بڑا مصلح جب گذر جاتا ہے تو سو برس بعد اس کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اس کے معنی

یہ ہیں کہ امام حسینؑ کی قربانی میں بہ حیثیت قربانی کے کوئی خصوصیت ہونا چاہئے جو زمانہ کے تمام اثرات پر حاوی آرہی ہے۔ آخر وہ کیا خصوصیت ہے۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ قتل کئے گئے ہیں۔ شہید کئے گئے ہیں۔ لیکن آج کسی کا نام اس حیثیت سے نہیں لیا جاتا جس طرح سے امام حسینؑ کا نام آتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں خود خلافت راشدہ کے زمانہ میں خلیفہ دویم حضرت عمر قتل کئے گئے۔ یہ واقعہ قابل یادگار ہے۔ حضرت عثمان کے ساتھ بھی ایسا عمل کیا گیا اور ان کا واقعہ دردناک تھا۔ اس سے آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ امیرالمومنین علیؑ ابن طالب کو بھی مسجد کوفہ میں شہید کیا گیا۔ دنیا والے اس کی یادگار بھی اہمیت کے ساتھ نہیں مناتے۔ اسی طرح امام حسنؑ بھی شہید ہوئے۔ ان کی یادگار بھی نہیں مناتے ہیں۔ آخر کیا چیز ہے۔ امام حسینؑ کے واقعات کی اہمیت کیوں بڑھ گئی ہے۔ دنیا کے قلب کیوں متوجہ ہوگئے ہیں۔ امام حسینؑ کی قربانی کی طرف جب یہ راز ظاہر ہو جائیگا تو بڑی اہمیت ظاہر ہو جائے گی کہ واقعی اس قابل ہے کہ دنیا نہ صرف اس کو نہ بھولے بلکہ جس قدر یادگار میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ اتنا ہی اس واقعہ کو اہم سمجھتی چلی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جتنی قربانیاں ہوتی ہیں۔ حق کے چاہنے والے قربانیاں کرتے ہیں۔ حق کے ساتھی ایک طرف سے اور باطل کے ساتھی۔ دوسری طرف سے لڑتے ہیں۔ سینکڑوں واقعات ایسے مل جائیں گے۔ سقراط نے اپنی قوم کے سامنے ایک چیز پیش کی۔ ایک اصول کو حاصل کرنے کی کوشش کی وہ نہ حاصل کر سکا۔ آخر اس کی قوم والوں نے اس کو زہر کا پیالا دیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔

جناب مسیح نے بھی حقانیت کو باطل کے مقابلہ پر کامیاب کرنے کی کوشش کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جو چیزیں یہودیوں کے ہاتھوں سے بگڑ چکی تھیں۔ لیکن یہودیوں نے جو سلوک کیا وہ دنیا پر ظاہر ہے۔ جناب مسیح کے ماننے والے بھی۔ اس واقعہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ بہ حیثیت واقعہ ایک بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن بہ حیثیت ایک شہید وہ حیثیت نہیں پائی جاتی جو امام حسینؑ کی حیثیت ہے۔ جن کی یاد نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ جناب مسیح کے سامنے دو چیزیں تھیں ایک کامیابی اور ایک ناکامیابی۔ روحانی اعتبار سے یقیناً کامیابی ہوئی۔ مادی اعتبار سے نہیں ہوئی۔ ممکن تھا کہ آپ یہودیوں کے خلاف کامیاب ہو جاتے۔ سقراط کے لئے ممکن تھا کہ اگر دلائل سے مطمئن کرتے تو ان کی جماعت زیادہ ہو جاتی۔ اگر حضرت مسیح کوشش کرتے رہتے تو مسیح کے ساتھ والے زیادہ ہوتے اور مخالف کم ہوتے۔ لیکن امام حسینؑ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا تھا کہ مادی اعتبار سے فتح پاتے۔ موت اور لوگوں کے پاس آئی۔ امام حسینؑ وہ تھے کہ وہ موت کے پاس گئے . . . .

امام حسینؑ کی قربانی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شان عجیب و غریب رہی ہے۔ ایک وہ دور تھا جب امام حسینؑ علیہ السلام اپنے والد ماجد کی گود میں پرورش پا رہے تھے۔ اکثر لوگوں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے نانا رسول اللہ کے کندھے پر چڑھا کرتے تھے۔ اور جو واقعات امام کی شان کے ملتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ملتے ہیں کہ جناب رسول اللہ کو کس قدر محبت تھی

اور کس قدر پیار فرماتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد دیکھتے ہیں کہ انکو وقت بہت کم ملتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام گوشہ نشینی کی شان اختیار کئے ہوئے ہیں۔ غالباً یہ وجہ ہو گی کہ دنیا کے چھوٹے موٹے معاملوں میں حصہ لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے کہ ایک دن ہم کو دنیا کے سامنے آنا ہے جب طلوع آفتاب سے لے کر شام تک دنیا کے سامنے ایسا کارنامہ پیش کر دیں گے۔ جو قدیم لوگوں نے تمام زندگی میں کوشش کر کے کئے تھے۔ وہ سب ماند ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے حسینؑ ہم کو نمایاں حیثیت سے نظر نہیں آتے۔ اس لئے کہ آپ کا خداوندِ عالم نے ایک بہت بڑا کام مقرر کر دیا تھا جس کے سامنے تمام کام ماند ہونے والے تھے۔ امیر المومنین کے زمانہ خلافت میں آپ معمولی طور سے سامنے آتے ہیں۔ اس کے بعد امیر معاویہ کا دورِ حکومت رہتا ہے۔ امام حسنؑ علیہ السلام سے صلح ہو جاتی ہے۔ لیکن امام حسینؑ کا ذکر نہیں آتا۔ یہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور دنیا سے بے دل رہتے ہیں۔
آخر کیا وجہ ہے کہ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کے انتقال کے بعد جب یزید تخت پر بیٹھ جاتا ہے تو امام حسینؑ علیہ السلام سے بیعت لی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی ہستی اس ہستی کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام کے لئے ایک کام مقرر کر دیا گیا تھا۔ جو بڑا کام تھا۔ اس سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں جو جنگ ہوئی ہیں۔ امام حسنؑ کے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے۔ دنیا والے سمجھ سکتے تھے کہ یہ سلطنت کے دو دعویدار جھگڑ رہے تھے۔ آپ یہ بھی دیکھتے تھے کہ امیر معاویہ خلیفہ وقت ہیں۔ لیکن رسول اللہ نے جو اصول بتائے تھے۔ اُن کو امیر معاویہ نے نہیں ٹھکرایا۔ وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ اسلام کے اصول غلط ہیں۔ جو دیگر مذاہب کے اصول سے جدا نہیں ہیں۔ اسلام کے اصول وہ ہی اصول ہیں۔ جو دیگر مذاہب نے بھی پیش کئے ہیں۔ فروعی معاملات میں اختلاف ہے۔ جھوٹ بولنا۔ زنا کرنا۔ شراب پینا۔ ان کو دنیا کا ہر مذہب بری نظر سے دیکھتا ہے۔ عیسائی مذہب ایک شادی کو جائز قرار دیتا ہے تو اسلام چار شادی کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن جھوٹ اور زنا کی کوئی مذہب اجازت نہیں دیتا۔ اُس پر آنچ آ رہی ہے تو دراصل اسلام پر آنچ آ رہی ہے۔ یزید وہ شخص تھا کہ حکومت پر قابو پاتے ہی دنیا کے سامنے بالاعلان اپنی بدکاریاں اور بداعمالیاں کیا کرتا تھا۔ اُن کو جائز قرار دیتا تھا۔ ایسا اکثر ہوا کرتا ہے دیگر ہی بادشاہوں میں اکثر یہ خرابی پائی جاتی ہے۔ لیکن مذہب پر اثر نہیں ہوتا۔ یزید کے یہ افعال دنیا کے لئے قابلِ عمل بنے جاتے تھے۔ وہ ان افعال کو جائز قرار دیتے تھے۔ یزید مسلمانوں کا خلیفہ ہونا چاہتا تھا۔ اس لئے اصول پر حملہ تھا۔ انسانیت کے اصول پر حملہ تھا۔ امام حسینؑ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا۔ امام حسینؑ کسی ایک آدمی کے نہ تھے حسینؑ تمام مذاہب کے تھے۔ ہر فرد کے تھے۔ حسینؑ نے دیکھا کہ آج اسلامی اصول خطرہ میں آ گئے ہیں۔ تو حسینؑ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ تاکہ دشمنوں کے مقابلہ میں ٹکرائیں۔ جو دین کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ ایسے اصول ہیں جو ہر فرد کے کہنے چاہییں۔ امام حسینؑ کی جنگ کسی خاص گروہ کی جنگ نہ تھی۔ بلکہ عام اخلاقی اصول کے لئے جنگ تھی۔ ہر انسان میں اخلاق کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے جو جنگ ہوا

زمانہ گذرتا چلا جاتا ہے اور عقل بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہر انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ ہیرو (Hero) سب کا ہیرو ہے مسلمان سمجھتا ہے کہ ہمارے اصول کے لئے جان دی۔ لیکن ہندو کے سامنے امام حسینؑ کی قربانی پیش کی جائے تو ہندو کہے گا کہ امام حسینؑ ہمارے تھے۔ عیسائی بھی کہے گا کہ امام حسینؑ ہمارے تھے۔ فیصلہ یہ کرنا پڑے گا کہ حسینؑ دنیا کے تھے۔ (چیئرز۔ سبحان اللہ) اور حسینؑ نے جان دنیا کی خاطر دی۔ ہر ایک کو احساس ہے کہ حسینؑ کی قربانی کی یادگار قائم کریں۔ ہر انسان محسوس کرتا ہے کہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان حسینؑ علیہ السلام نے کیا۔ اس بڑے محسن کے لئے انسانوں کا کیا فرض ہے کہ محسن جس نے گردن کٹائی۔ جان اور مال سب قربان کردیا۔ ہمارا فرض ہے کہ اُن کو بلند کیا جائے۔ اور سب سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ حسینؑ علیہ السلام اس سے زیادہ نہیں چاہتے کہ جن اصول کے لئے امام نے جان دی ہے۔ اُن کو زندہ کیا جائے اور دنیا کے ہر فرد میں قربانی کا جذبہ پایا جائے۔ (چیئرز)

حسینؑ

از سید ابو حامد مضطر اکبر آبادی تلمیذ حضرت مصطفےٰ اکبر آبادی مرحوم و مغفور

حسینؑ، حاصلِ اسلام حاصلِ ایماں — حسینؑ، جادۂ تحقیق منزلِ عرفاں
حسینؑ مصلحتِ خاصِ خالقِ اکبر — حسینؑ تکملۂ رازِ قدرتِ داور
حسینؑ، حاصلِ حق، فخرِ سیدِ عربی — حسینؑ، نازِ جہاں شمعِ بزمِ مطلبی
حسینؑ آیۂ ذبحِ عظیم کی تفسیر — حسینؑ، خوابِ جنابِ خلیل کی تعبیر
حسینؑ، جس نے حقیقت کو جگمگا ڈالا — حسینؑ، جس نے خدا کو خدا بنا ڈالا
حسینؑ جھک گیا سجدے میں جو تہہ شمشیر — حسینؑ جس نے بڑھا دی نماز کی توقیر
حسینؑ جس پہ ہے ایثار آج تک نازاں — حسینؑ۔ صبر پہ جس کے ہیں دو جہاں قرباں
حسینؑ آبروِ اسلام کی رکھی جس نے — حیاتِ جاوداں ایماں کو بخش دی جس نے
حسینؑ مرضیِ خالق میں سر تھا جس کا خم — حسینؑ جس نے رکھا جادۂ رضا میں قدم
حسینؑ۔ جس سے رہِ عاشقی چمک اُٹھی — حسینؑ جس کے سبب بندگی چمک اُٹھی
حسینؑ جس نے چلن صبر کا سکھا ڈالا — حسینؑ۔ جس نے سبق فقر کا پڑھا ڈالا
حسینؑ۔ فخرِ دو عالم بنا چلن جس کا — حسینؑ۔ نذرِ خزاں ہو گیا چمن جس کا
حسینؑ تین شب و روز جو رہا پیاسا — حسینؑ، کٹ گیا کرب و بلا میں سر جس کا
حسینؑ جس سے بڑھی عزو شانِ آزادی — حسینؑ۔ جس نے جگا یا جہانِ آزادی

غرض ہے فخرِ جہاں شاہِ مشرقیں کی ذات
سوا ہے رتبہ میں کونین سے حسینؑ کی ذات

نشست چہارم

تقریر صدارتی جناب راؤ کرشن پال سنگھ صاحب آف آواگڑھ

جلسہ ۱۳ سو سالہ یادگارِ حسینی آگرہ

۱۴ فروری ۴۲ء ۔ بوقت صبح

حسینؑ کو یاد کرنے سے ہم لوگ اس شہید کی عزت یا شان کو نہیں بڑھا سکتے۔ حسینؑ کو یاد کرنے سے ہم اپنے کو ترقی دے سکتے ہیں۔ اپنی روح کو فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔

صاحبان! آج مجھ کو یہاں آپ کے سامنے حاضر ہونے میں جو خوشی ہوئی ہے۔ اس کو میں اپنی زبان سے عرض نہیں کرسکتا میں اس کے لئے آپ کا بہت مشکور ہوں کہ مجھے یہاں بلا کر نہ صرف میرے اوپر آپ نے مہربانی کی ہے بلکہ اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ اس ملک میں ہندو مسلمان کوئی علیحدہ قوم نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی قوم ہے۔ ایک پیڑ کی دو شاخیں ہیں (چیزیں) جو کہ دیکھنے میں علیحدہ علیحدہ معلوم ہوں۔ مگر اصل میں ایک ہی چیز ہیں (چیزیں) اس سے پہلے کہ آج جس کام کے لئے ہم لوگ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں میں کچھ ذکر کروں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ سے ایک بات کیلئے معافی کی درخواست کروں اور وہ یہ کہ شاید جو کچھ باتیں میں عرض کروں گا۔ وہ کسی اچھی زبان میں نہ عرض کرسکوں گا۔ اسکی وجہ یہ ہے اور مجھے بہت بڑا اس بات کا افسوس ہے اور اگر میں اردو اور خاص طور سے فارسی زبان کو اچھے طریقہ سے اپنے زمانہ تک حاصل نہ کرسکا تو وہ افسوس آخر وقت تک رہے گا مگر یہ مجھ کو افسوس کے ساتھ ماننا پڑتا ہے کہ اس وقت تک میں آپ کے سامنے کسی اچھی زبان میں اپنے خیالات کو نہیں ادا کرسکتا مجھے امید ہے کہ میرے بعد اس جلسہ کے جو صدر ہوں گے وہ اس کمی کو آپ کے سامنے پورا کر دیں گے۔ ایک دفعہ میں پھر آپ کو اس بات کا شکریہ عرض کرتا ہوں کہ جو مجھے آپ نے اس جلسہ میں بلایا۔ شروع میں ہی میں اس بات کو تسلیم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھ کو موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے اب تک بہت سی ایسی غلط فہمیاں تھیں کہ جن سے میں یہ تعجب کرتا تھا کہ جب میں اپنے مہربان مسلم دوستوں سے ملتا ہوں تو مجھے کیوں خوشی ہوتی ہے۔ اُن دوستوں میں مجھے جن کی سب سے پہلے یاد ہے وہ یہاں کے ایک بڑے مشہور حکیم سخاوت علی صاحب مرحوم تھے۔ جن کے میرے خاندان سے بڑے پرانے تعلقات تھے میں تعجب کیا کرتا تھا کہ جب ایسے دوستوں سے میں ملتا ہوں تو اپنے کو ایک سناتن دھرمی سمجھ کر کیوں مجھے ایک بڑی خوشی ہوتی ہے اس بات کا بھی مجھے تعجب ہوتا تھا کہ میری فوج کی نوکری کے زمانے میں جب مجھے مسلم سپاہیوں کے ساتھ رہنے کا موقع ہوتا تھا۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ کیوں ان سپاہیوں سے مجھے اتنی محبت ہے اور کیوں ان لوگوں کو میرے اوپر اتنا بھروسہ ہے شاید جو اس ملک کی بھلائی نہیں چاہتے تھے اُن کو یہ بات بُری لگی۔

معلوم ہوتی تھی۔ مگر مجھے اس بات کا بڑا فخر تھا کہ شاید ہندو سپاہی اس فوج کے مجھ سے اتنا خوش نہ ہوں اور وہ میرے اوپر اتنا بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ جتنا مسلم سپاہی میرے اوپر کرتے تھے۔ اس بات پر بھی مجھ کو بڑا تعجب تھا کہ ہندوؤں کے بڑے فقیر۔ سری رام کرشن مہنت جن کی برابر شاید کئی صدیوں میں ہندوؤں کے اندر اتنا بڑا فقیر نہیں ہوا انھوں نے کیوں اس بات کو پسند کیا کہ اپنی زندگی کا ایک حصّہ ایک مسلمان حالت میں کاٹے۔ میرے خیال میں اس بات پر بھی بہت سے آدمیوں کو ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر تعجب ہوگا کہ خدا نے کیوں مسلم تہذیب کو ہندوستان کے اندر بھیجنا پسند کیا مگر اس کا جواب مجھ کو آپ کی مہربانی سے ملا۔ مجھے جو شبہ تھا وہ آپ لوگوں کی عنایت سے دُور ہوا۔ (چیرز) میں نے پچھلے دو تین دن کے اندر اسلامی مذہب کو پڑھا۔ اور سُنا اُس سے مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ ان دونوں مذہبوں کے اندر اگر کوئی بھی نااتفاقی کی وجہ ہے تو وہ یہ ہے کہ ہم لوگ چاہے ہندو ہوں چاہے مسلمان اِن دونوں مذہبوں کی اصلیت کو نہیں سمجھتے۔ (چیرز) ایک دفعہ اِن دونوں مذہبوں کی اصلیت کو سمجھنے کے بعد کوئی ایسی وجہ نہیں رہ سکتی کہ ان دونوں مذہبوں کے ماننے والے ایک منٹ کے لئے ایک دوسرے سے اختلاف کریں (چیرز) میں ہندو مذہب کے بارے میں تھوڑا بہت جانتا ہوں۔ اب آپ لوگوں کی عنایت سے مذہب اسلام کے بارے میں بھی چند باتیں جاننے کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس طرح سے محمڈن اسلام کے لئے ایک غلط لفظ ہے بالکل صحیح لفظ نہیں ہے۔ اسی طرح سناتن دھرم جو ہندوؤں کا دھرم ہے اُس کے لئے ہندوازم بھی مناسب لفظ نہیں ہے۔ مگر یہ بات صحیح ہے

کہ اگر آپ ہندو مذہب جس کو کہتے ہیں۔ اُس کے دو بڑے حصّے ہیں۔ یعنی پریم اور ست۔ اِن دونوں کو آپ کسی ایسے آدمی کے سامنے رکھدیں۔ جس کو آپ یہ نہ بتلائیں کہ یہ کس مذہب سے لاگو (متعلق) ہیں تو اس کو بتلانا مشکل ہو گا کہ ہندو مذہب کے حصے ہیں یا مسلمان مذہب کے (چیرز) اور اگر دونوں کی ایسی حالت ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں کوئی اختلاف ہو۔ اور اگر ہوتا ہے تو ہم لوگوں کی غلطی سے اور ہم لوگوں کی غلط فہمیوں کی وجہ سے۔ اس لئے جب ایسے موقع پر جس کے لئے آپ لوگ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں کوئی اجتماع ہوتا ہے تو ہر ایک ہندو یا ہر ایک مسلمان یا جو کسی دوسرے مذہب کا آدمی ہو۔ اُن سب کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے بڑے آدمی کی جس نے اپنے ایمان جس نے اپنے مذہب جس نے انصاف کے لئے اپنی ہی جان کی قربانی نہیں کی ہو جیسی کہ حسینؓ نے کی بلکہ اپنے دوست اپنے بچّے اور اپنے گھر کے پیارے آدمیوں کو بھی دشمن کی تلوار کی دھار کے سامنے رکھ دیا اُس کی ہم سب لوگ مل کر عزت کریں (سبحان اللہ چیرز) ایسا بڑا آدمی۔ ایسا بادشاہ جیسے کہ حسینؓ تھے ہر ایک مذہب میں زیادہ نہیں مل سکتے بلکہ ممکن ہے کہ شاید کئی مذہبوں میں اُنکی شان کا آدمی بالکل بھی نہ نکلے (چیرز) یہ نہ صرف ہندوستان کیلئے بلکہ ہندو مذہب اور دوسرے مذہبوں کے لئے بھی ایک بڑا اچھا دن ہوگا۔ جب حسینؓ جیسے شہید کی وہ ایسی عزت کریں جیسی وہ اپنے شہیدوں کی کرتے ہیں۔ (چیرز) ایسے آدمی (حسینؓ) کو یاد کرنے سے ہم لوگ اُس شہید کی عزت یا شان کو نہیں بڑھا سکتے ایسے آدمی (حسینؓ) کی یاد کرنے سے ہم اپنے کو ترقی دے سکتے ہیں۔ (چیرز) اپنی رُوح کو

فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔ جس آدمی نے انصاف کے لئے اپنے ایمان کے لئے ۳۵۰۰۰ فوج کی مخالفت صرف ۷۲ آدمیوں سے کی۔ ان ۷۲ آدمیوں میں بھی بچے اور بوڑھے شامل تھے اُن کی بھی یہ حالت تھی کہ جو اُن کے پاس کھانے کا سامان اور پینے کے لئے پانی تھا وہ اپنے پیاسے دشمن کو پلا کر خود کئی دن تک بھوک اور پیاس برداشت کی۔ نیند اور آرام کو چھوڑ کر اپنے ایمان کے لئے ایک ایک کر کے جان دیتا ہے۔ اپنے چھ ماہ کے بچہ کو اُس بلدان پر چڑھا دیتا ہے کہ جس کا مقابلہ کرنے پر آج دنیا کے بڑے سے بڑے سپاہی کو بھی مصیبت معلوم پڑے اُس کو سوائے عزت کے کسی مذہب کا کوئی آدمی کس نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی مثالیں آپ کو ملیں دنیا کی تواریخ میں کہ جنھوں نے خود خوشی سے اپنی جان قربان کر دی ہو۔ ایسی بھی مثالیں ملیں کہ جنھوں نے اپنے دو چار ساتھیوں کو یا اپنے دوست یا ملنے والوں کو قربانی کے لئے تیار کر دیا ہو۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ایسی مثال دنیا کی تاریخ میں کم ملیں گی کہ جن میں یہ جانتے ہوئے کہ دشمن کی تعداد اُن سے کئی گنا نہیں بلکہ کئی ہزار گنا زیادہ ہے۔ یہ بات جانتے ہوئے کہ اُن کے ساتھ پردہ نشین عورتیں اور بچے اور بوڑھے ہیں۔ جن کو شاید تکلیف ہو گی۔ پھر بھی اُسی مستعدی سے قدموں پر جمے رہے جو شروع شروع میں تھے۔ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دشمنوں نے اُن کے بچہ کے ساتھ چھ مہینہ کے بچے کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ یہ دیکھ کر اُن کے ساتھی کے ساتھ جو بچوں اور عورتوں کے لئے پانی لینے کے لئے دریا پر گیا تھا۔ کیا سلوک کیا ہے۔ پھر بھی اپنے جسم کو ۱۹۵۱ زخموں سے لپیٹ کر اپنے کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ (چیرز) اُن لوگوں کی برابری اور خراب قوموں کی مثال بھی

دنیا کی تواریخ نہ ملے گی کہ جنھوں نے حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جو قربانی حسینؑ نے جیسے ۱۳۰۰ برس پہلے کی اُس کے مقابلہ کی بھی مثال شاید ہی کسی دنیا کی تاریخ میں ملے۔ صاحبان ایک دفعہ پھر مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ مجھے یہاں آنے میں صرف خوشی نہیں ہوئی بلکہ میں نے بڑی بھاری عزت سمجھی کہ آپ لوگوں نے میرے اوپر اتنی مہربانی کی۔ مجھے آپ لوگوں سے اور جو صاحب یہاں موجود نہیں ہیں (ہندو) مسلمان یا ہندوستان کے دوسرے مذہبوں کو ماننے والے اُن سے عرض کرنا ہے کہ آج کے دن جب کہ دنیا کے اتنے بڑے آدمی کی یادگار منانے جا رہے ہیں۔ یہ شاید مناسب ہو گا کہ اگر ہم کوئی ایسی بات نکالیں جس سے ساری دنیا کو فائدہ پہونچا سکیں یا کم از کم اپنے دل کے اندر اس بات پر غور کرنے کا ارادہ کر لیں کہ یہ جو دو بڑی اور بہت بڑی شاخیں خدا نے اس ملک کے اندر بھیج دیں ہیں کیا ان دونوں شاخوں کو ملا کر کوئی ایسی دنیا کے لئے نئی روشنی ہم لوگ نہیں بھیج سکتے جس سے دنیا کو مصیبتوں کا پھر سامنا کرنا پڑے۔ جیسا کہ آج کل اُس کو کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا یہ روشنی جس کے لئے حسینؑ جیسے آدمی کو اپنی جان دینا پڑی کیا اُس روشنی کو ہم لوگ مل کر دنیا کے اُن حصوں میں جہاں اندھیرا موجود ہے اور جہاں اندھیرے میں ناسمجھ لوگ اپنے اپنے سروں کو ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ کیا اُن کو کوئی ایسی روشنی نہیں دے سکتے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنی خرابیوں کو محسوس کر کے یہ دیکھ سکیں کہ یہ خدا کی قدرت کیا چیز ہے۔ اور اُس نے انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ جانوروں سے بھی بدتر کام کریں۔ اپنی غرض پورا کرنے کے لئے دوسرے خدا کے بندوں کو تکلیف دیں

اور اپنے فائدے کے لئے ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کو اپنا ایمان سمجھیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر ہندوستان کے ہندو اور مسلمان اور اگر ممکن ہو سکے تو دوسرے مذہب والے بھی مل کر اگر یہاں کی تہذیب کی تاریخ دنیا کے دوسرے حصہ میں روشن کریں تو شاید دنیا یہ سمجھ لے کہ نہ صرف انسان بلکہ تمام حیوان جیسا کہ پہلے مولوی صاحب فرما چکے ہیں بلکہ آسمان کے تارے ستارے سورج اور چاند یہ آخر ایک ہی چیز کے الگ الگ ٹکڑے اور نظارے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ جائیں کہ بجائے ایک دوسرے کے سر پھوڑنے کے ایک دوسرے کو مدد پہونچانے کے لئے انسان کو اس خدا نے بنایا ہے (چیرز) میں پھر اب لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جو کچھ مجھ سے زبان کی کمی رہ گئی۔ اس کے لئے معافی چاہتا ہوں اور میں اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ نے جو یہ خیال لوگوں کے سامنے پیش کی ہے اس سے غالباً تمام مذاہب کے لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے اور وہ دن قریب ہے کہ ہندوستان ساری دنیا کو فائدہ دے سکے گا۔

کربلا

سید لطیف احمد لطیفؔ بھرتپوری تلمیذ جناب حضرت ابرار حسین صاحب تپاںؔ مرحوم

اللہ اللہ تیری قسمت اے زمین کربلا
کوئی کیا رکھتا قدم تجھ میں گر شبیر نے
کس قدر آلِ محمدؐ نے کیا تجھ کو نہال
آہ کی تو نے وفا محسن سے اپنے اے زمیں
کیا ہوا تھا تجھ کو جو تو اس طرح قایم رہی
تاکہ تیرے غار میں روپوش ہوتے روسیاہ
یاد ہوگا تجھ کو جب لاشیں ہوئیں تھیں پائمال
لاش ہے اس میں یعقوبِ میرے بابا جان کی
مجھ کو دیدو اپنے ہاتھوں سے انھیں دفناؤں گی
ہو گیا جو کچھ تھا ہونا اب خیال اس کا رہے
دھیان رکھ یہ اب نہ ہو جائے انھیں تکلیف کچھ
سو رہا ہے تیرے گہوارے میں اصغر شیر خوار
روز محشر تک اسے اب لوریاں دے باادب
ہاتھ تیرا ہر گھڑی اکبرؑ کے سینہ پہ رہے
زخم خوردہ بازوئے سبطِ نبی کا رکھ خیال
اپنے بازو کا نہ آئے گا اسے کچھ بھی خیال
وہ علی اکبرؑ جوانا مرگ کا برچھی کا پھل
ہو گئیں تیرہ صدی اس منظر غمناک کو
آج پہ موقوف کیا ہے حشر تک لائیگا رنگ
اے زمیں تجھ کو کیا اس خونِ ناحق نے لطیفؔ

ذرہ ذرہ میں ترے رنگ شہادت بھر گیا
اپنے قدموں کی بدولت کر دیا خاک شفا
بطن میں تیرے دفینہ رکھ دیا اسلام کا
وقت پر کچھ بھی نہ آئی کام تو اے پر دغا
کیوں نہ ایسے ظلم سے تیرا کلیجہ پھٹ گیا
سرخرو ہوتی خدا کے سامنے روزِ جزا
آرہی تھی ایک کمسن کی یہ خیمہ سے صدا
کر رہے ہو کس لئے پامال اس کو بے خطا
کام آئے گی کفن کے بدلے میری ردا
سو رہے ہیں تیرے دامن میں شہیدانِ وفا
ان کی کلفت سے تڑپ جاتی ہے روحِ مصطفٰےؐ
چونکنے پائے نہ یہ ورنہ غضب آجائے گا
یہ جو اُٹھ بیٹھا تو محشر ہی بپا ہو جائے گا
دردِ دل سے پھر طبیعت ہو نہ جائے بدمزا
دل لرز جائیگا بیکس کا اگر شانہ ہلا
سینۂ اکبرؑ کا گلا اصغر کا یاد آجائے گا
نازنیں اصغر کی گردن اور تیر سہ بھلا
آج تک ہے تیرے سینہ پر کہرام بپا
اس قدر بخشتہ ہے یہ خونِ شہیدانِ وفا
تیرے ہر ذرے میں رنگِ بوترابی آگیا

تقریر جناب مولوی حافظ محمدؐ ہاشم صاحب فرنگی محل۔ لکھنؤ

۱۴ فروری ۱۹۴۲ء نشست چہارم وقت صبح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر

قبل اس کے کہ میں آپ حضرات کو اس کا ترجمہ سناؤں اور قبل اس کے کہ میں اسکی تفسیر عرض کروں۔ اس کے متعلق میں ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جناب انس ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول اللہ بہت مسرور تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ جس نے آپ کو اتنا خوش کر رکھا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ آج اللہ نے بشارت دی ہے کہ میں آپ کو ایک لڑکا دینے والا ہوں۔ اس چیز سے میں بہت زیادہ خوش ہوں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ لڑکا ہوگا اور میں اس کا نام اپنے دادا کے نام پر ابراہیم رکھوں گا۔ انس فرماتے ہیں کہ ایک دن سرکار نے خوشخبری سنا دی کہ ابراہیم آ گئے ابراہیم کے لئے دودھ پلانے والی کا انتظام ہونا چاہیئے۔ تلاش کرو اس عورت کو جو ابراہیم کو دودھ پلا سکے۔ انس فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ اگر آپ فرمائیں تو میں ایک لوہار سے جو مدینہ کے دیہات میں رہتا ہے جس کے یہاں حال میں ولادت ہوئی ہے۔ اس سے کہوں۔ وہ فوراً قبول کر لے گا۔ کہا کہ تم نہ جاؤ بلکہ میں خود چلتا ہوں۔ سرکار ابراہیم کو لے کر اس صحابی کے مکان پر پہونچے اور اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے گھر میں ولادت ہوئی ہے۔ اور میرے یہاں بھی ولادت ہوئی ہے اپنی بیوی سے دریافت کرو کہ اپنے لڑکے کے ساتھ میرے لڑکے کو بھی دودھ پلا سکتی ہے۔ وہ عرض کرتا ہے کہ سوال کرنیکی گنجائش نہیں ہے اس سے ہمارے خاندان کی اتنی عزت ہے جو ہم لوگوں میں کسی کو عزت نصیب نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ صاحبزادہ ہمارے یہاں رہے اور جب بڑے ہو جائیں تو آپ کے یہاں جائیں۔ بڑھنا شروع ہوتا ہے چھ مہینے نہیں گذرے کہ وہ صحابی لوہار حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ کہ صاحبزادے کی طبیعت بہت ناساز ہے۔ انس فرماتے ہیں کہ میں بھی ہمرکاب تھا اس لوہار کے یہاں پہونچے۔ دیکھا کہ ابراہیم دم توڑ رہے ہیں۔ بلکہ دم توڑ چکے تھے۔ جن کے ذریعہ سے امید کی جاتی تھی کہ رسول کی نسل قائم ہوگی۔ یہ صاحبزادہ بھی دنیا سے آنکھیں موڑ رہے ہیں۔ اور جانے کا قصد کرتے ہیں۔ سرکار دیکھتے ہیں کہ پتلیاں پھر چکی تھیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ مجھے رب کا فیصلہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور کہا کہ میرے رب سے میرا سلام کہدینا اور کہہ دینا کہ محمدؐ اس فیصلہ پر راضی ہے جو تو نے کر رکھا ہے تم جا رہے ہو۔ تم میرے جگر پارے ہو۔ آنکھیں تمہاری وجہ سے اشکبار ہیں۔ قلب بیٹھا جاتا ہے۔ لیکن محمدؐ اس فیصلہ پر راضی ہے۔ جو اس کے رب نے کر دیا۔ الّٰھم صلّ علیٰ محمدؐ و علیٰ آل محمدؐ وسلم (درود) یہ صاحبزادہ ختم ہو جاتے ہیں۔ زبان دراز کرنے والے زبان دراز کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محمدؐ کے آگے پیچھے کوئی نہیں رہا۔ اور دنیا میں کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس چیز کو

کلام پاک میں ارشاد فرمایا کہ تم اُن کے کہنے کی پروا نہ کرو۔
انا اعطینٰک الکوثر۔ اکثر علما نے کہا ہے کہ کوثر کے معنی وہ ہیں
جو ہم عام طور سے کرتے ہیں۔ یعنی وہ چشمہ جس سے پاک عقیدہ
مسلمان سیراب کیے جائیں گے۔ مگر بعض علما اس کی تفسیر یہ کرتے
ہیں کہ الکوثر کے معنی ہیں سادات کے اور کثرت اولاد کے
دنیا والے دیکھ رہے ہیں کہ آج دنیا میں کوئی کثیر اولاد ہے
تو وہ جناب احمدؐ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی اولادیں
دنیا کے ہر گوشہ میں ہیں اور کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں اُن کی
اولاد نہو (درود) فصل لربک وانحر ان شانئک ہو الابتر
اس نعمت پہ اللہ کا شکر ادا کرو اور قربانی کے لئے تیار ہو جا
اور جو طعنہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ بے اولاد ہے وہ ذلیل ہونیوالے ہیں وہ بے نام و
نشان ہونے والے ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ محمدؐ کا نام و نشان
اب تک باقی ہے۔ محمدؐ کے دشمن ابتر اور ذلیل اور خوار ہوگئے
دنیا میں اُن کا کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ تھوڑے دن نہیں
گذرے تھے کہ اس کی تفسیر ہم نے اس طرح دیکھی کہ رسول اللہ
کے گھر میں یعنی محمدؐ کی لاڈلی بیٹی۔ فاطمہ بی بی کے گھر میں ایک بچہ پیدا
ہوتا ہے۔ جس کا نام حسنؑ رکھا جاتا ہے۔ ایام جاہلیت میں ایسا
نام کسی کا نہیں رکھا گیا۔ خوش خبری سنتے ہیں۔ رسول فرماتے ہیں
کہ یہ بیٹا میرا ہے۔ فاطمہ کا نہیں۔ علیؑ کا نہیں بلکہ میرا فرزند ہے
تھوڑے دن کے بعد دوسرے صاحبزادے بھی تشریف لے آتے
ہیں۔ جن کا نام حسینؑ۔ ان دونوں کی عظمت اور برکت کا کیا کہنا
انکی بزرگی کا کیا کہنا ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شرف رسول اللہ
کا جس شخص یا جس چیز کو حاصل ہوگیا۔ وہ محترم اور معزز ہے۔
لیکن اگر محمدؐ رسول اللہ سے دلی علاقہ اور تعلق ہے تو کیا وہ
محترم اور مشرف نہیں ہے۔ انسان تو انسان ہے ہم تو کعبہ کی
عزت کرتے ہیں۔ کعبہ کی کیوں عزت کرتے ہیں؟ بیت المقدس
اور مدینہ منورہ کی کیوں عزت ہے۔ کعبہ کو اس لئے
عزت دیتے ہیں کہ رسول نے اس کی طرف سجدہ کیا ہے۔ وہاں
مٹی کے سینکڑوں مکان ہیں۔ سینکڑوں مکان ہندوستان
میں اور ہندوستان کے باہر بنے ہوئے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے
کہ جو عزت مدینہ منورہ کی ہے دوسرے مقامات کی نہیں ہے
کیونکہ مدینے منورہ میں حضورؐ ۱۴ سو برس سے آرام فرما رہے
ہیں۔ عرش کی کیوں عزت ہے۔ بلندی میں مثال عرش کی
دی جاتی ہے۔ عرش محترم و مشرف و بزرگ اس وجہ سے
ہے کہ محمدؐ رسول اللہ ایک شب میں اُس عرش پر جوتیاں
پہنے تشریف لے گئے تھے۔ نہیں تو عرش کی کوئی عظمت نہیں
ہے۔ جب مٹی میں یہ وقعت پیدا ہو جاتی ہے تو خیال کرو اُن
جسموں کا جن کے متعلق رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اُن کا
خون میرا خون ہے۔ اُن کا گوشت میرا گوشت ہے۔ اُن کا
نفس میرا نفس ہے (سبحان اللہ۔ چیرز) یہ بیان کرنا ضروری
نہیں ہے کہ یہ حضور کی اولاد ہیں۔ رسول فرما گئے ہیں کہ میں
اُن سے خوش ہوں جو اُن سے محبت کرے۔ اے اللہ تو
اُن سے محبت کر۔ اے اللہ تو اُن سے محبت کر جو رسول اللہ
کے محبوب ہیں۔ جو رسول سے محبت کرتے تھے۔ وہ اُن سے
محبت کرتے تھے۔ صحیح تاریخوں میں لکھا ہوا ہے کہ جناب
حسینؑ تشریف لائے۔ جس وقت ابوبکر مسجد میں خطبہ دے
رہے تھے۔ سیدنا حسینؑ مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ
اُتر پڑتے ہیں منبر سے۔ اور صاحبزادہ کو گود میں لے کر منبر
پر تشریف لاتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ کیا بات ہے خطبہ کہ
چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ

رسول اللہ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ سیدنا حسینؓ مجمع کی وجہ
سے جگہ نہیں پاتے تھے۔ محمدؐ مجتبیٰ احمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر حسینؓ کے پاس آئے اور گود میں
اُٹھا لیا اور منبر پر لائے اور گود میں بٹھا لیا۔ عبداللہ بن
عمر جو خلیفہ دوئم عمر فاروق کے صاحبزادہ ہیں۔ باوجود
اس کے کہ ان کا سن امام حسینؓ سے کچھ زیادہ تھا۔ سات
برس کا فرق تھا۔ اُن میں اور ابن عمرؓ میں کسی بات میں
آپس میں باتیں کرتے کرتے ایک مرتبہ کچھ طول کلام ہو گیا
صاحبزادہ کو کچھ غصہ آگیا۔ اُس کے ساتھ ابن عمر کو بھی
غصہ آگیا۔ آپ بڑھے۔ صاحبزادہ فرماتے ہیں" کہ اے ابن
عمر میرا مقابلہ کیا کر سکتے ہو تم میرے نانا کے غلام کے لڑکے
ہو۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ میرے منہ لگتے ہو۔" ابن عمر نے
اپنے باپ سے کہا کہ مجھ سے حسینؓ نے ایسا کہا۔ کہا حسینؓ
کسی کو سخت بات نہیں کہہ سکتے۔ کہا کہ میں صحیح عرض کرتا ہوں
کہا مجھ کو تیری بات کا اعتبار نہیں ہے۔ اگر حسینؓ نے کہا ہے
تو اس کو لکھوا لاؤ۔ ابن عمر جا کر عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ
نے کہا ہے اُس کو لکھ دیجئے۔ حسینؓ نے لکھ دیا کہ میرے
نانا کے تم غلام کے لڑکے ہو۔ جب یہ پرچہ پہونچا ہے تو عمرؓ
رونے لگے اور کہا کہ اس پرچہ کو میرے ہمراہ قبر میں رکھ
دینا تا کہ میں دکھا دوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
کو کہ آپ کے بیٹے نے اقرار کیا ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں
اُن کے شرف و بزرگی کا کیا کہنا ہے۔ یہ بھی جناب عمر ہیں
جو وظیفہ مقرر فرماتے ہیں۔ صاحبزادوں کی تنخواہ مقرر کرتے
ہیں۔ یہ ہی ابن عمر فرماتے ہیں کہ جو تنخواہ بدریوں کی مقرر
فرمائی ہے۔ وہی اُن کی کر دی ہے۔ حالانکہ یہ اُس وقت
پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ میں غزوات میں موجود تھا۔ میں
غزوات میں گیا بھی ہوں۔ میری تنخواہ صرف یہ ہے۔ کہا کہ
صحیح ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔ اُن کی ماں ایسی تیری ماں نہیں
ہے۔ اُن کا باپ ایسا تیرا باپ نہیں ہے۔ اُن کا نانا ایسا
تیرا نانا نہیں ہے۔ شرف اور بزرگی اُس شخص کی اعلیٰ
اور ارفع ہے جو رسول صلے اللہ علیہ والہ وسلم سے تعلق رکھے
ہم بھی اس وجہ سے بزرگ ہیں کہ ہم نسبت رکھتے ہیں
غلامی جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صاحبزادے پڑھنا
شروع کرتے ہیں ہمارے یہاں طریقہ ہے کہ کسی کو مقرر کر دیا
جاتا ہے کہ تم اس کو پڑھا دو اگر باپ میں صلاحیت ہے۔ تو
لڑکے کو خود پڑھاتا ہے۔ جب اتنا بڑا اعلم مل گیا تو دوسرے
کے سامنے کیوں زانوئے ادب تہ کریں۔ اُن کو تعلیم دینا
شروع کیا کہ اے حسینؓ یہ ایسا ہے۔ اے حسین یہ ایسا ہے
ایسا وقت آئے تو ایسے صبر کرنا۔ دشمنوں کی دلجوئی کرنا اور
خطاؤں سے درگذر کرنا۔ جب وقت آیا تو دنیا نے
دیکھا کہ جب سبق سنانے کا وقت آیا۔ حکم ملا اے حسنؓ تم اپنا
سبق سناؤ۔ حسنؓ نے صاف صاف سبق سنا دیا۔ کہ مسلمانوں
کے دو گروہ میں لڑائی ہونے والی تھی۔ حسنؑ سے فرماتے
تھے۔ اُن کے والد ماجد اُن کے نانا جان کہ ایک وقت ایسا
آنے والا ہے کہ تمہاری وجہ سے دو گروہوں میں لڑائی
ہو گی۔ اُس وقت ایسا نہ کرنا کہ تم اس میں شامل ہو جاؤ۔ بلکہ
مصالحت کرا دینا۔ حدیث میں موجود ہے کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں
کے گروہ سے لڑائی کو مٹانے والا ہے۔ سیدنا امام حسنؓ
خلافت سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ کہ اس کی وجہ سے
مسلمانوں کی گردنیں کٹیں گی۔ کوئی تاریخ ہمارے سامنے

پیش کر دے جو اس طرح کسر نفسی کی ہو۔ جو سیدنا امام حسنؓ نے کی۔ ایسا کوئی شخص نہ کر سکا۔ سیدنا امام حسنؓ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ اس صلح کے بعد لوگ زبان درشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا کہ اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے دوسروں کو خلافت دیدی کہا کہ میرے ہاتھ میں گردنیں تھیں چاہتا کٹوا دیتا لیکن میں نے گوارا نہیں کیا کہ گردنیں کٹوا دوں۔ حسنؓ کا سبق آپ نے سن لیا۔ وقت میرے پاس بہت تھوڑا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حسینؓ کا سبق بھی تھوڑے الفاظ میں ظاہر کر دوں۔ حسینؓ کے پاس خطوط آئے ہیں۔ لوگ دعوت دیتے ہیں کہ رسول اللہ کی آخری یادگار ہو آپ سے ہم لوگ ہدایت حاصل کریں گے۔ اس لئے کہ رسول اللہ فرما چکے ہیں :۔ کہ کتاب الٰہی اور عترت یہ دونوں چیزیں میں چھوڑتا ہوں۔ یہ دونوں چیزیں جدا ہونے والی نہیں ہیں۔" اس لئے آپ ہمارے معلم ہیں۔ ہم کو ہدایت کیجئے ہم گمراہی میں مبتلا ہیں۔ شیطان مسلط ہے۔ ہم کو نجات دلایئے۔ آن کی ہدایت کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ پیشرو نے فرمایا۔ بہت سے ہتھیار لیکر جاتے ہیں۔ بہت سے گھوڑے لے کر جاتے ہیں۔ کثرتِ اعیان وانصار پر بھروسہ کر کے جاتے ہیں یہاں جو لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ میں ہدایت کے لئے جا رہا ہوں لیکن جب صورت ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ وہاں گھر جاتے ہیں۔ محصور ہو جاتے ہیں اور اندیشہ ہو جاتا ہے کہ اب وقت ہمارا آ گیا ہے کہ ہم جس غرض کے لئے نکلے تھے۔ جو سبق پڑھایا گیا تھا۔ اس سبق کو دوہرانے کا وقت آ گیا ہے تو لوگوں سے کہتے ہیں کہ میرا ساتھ چھوڑ دو اور اپنے مکانات پر چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میں آپ لوگوں کو اس بلا میں مبتلا کر دوں۔ جس میں میرے ساتھی مبتلا ہونے والے ہیں۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک عظیم الشان جنگ لڑی۔ جس میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات یہ آیت صاف موجود ہے۔ تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ بھوک کی شدت ہو گی خوف ہو گا۔ ڈر ہو گا۔ اور جانوں مالوں کا نقصان ہو گا۔ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا ان مصیبتوں پر جنہوں نے تکلیفیں برداشت کیں اور حق کی آواز بلند کرتے رہے۔ آن کو بشارت جنت کی دیدو وہ کہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ "جو مصیبت پہونچی ہے یہ مصیبت بھی اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ ہم بھی اللہ کے ہیں۔ (درود) آن لوگوں نے مصیبت کو ہنسی خوشی برداشت کیا۔ اس طرح سے کس نے تکلیف برداشت کیں۔ پانچ دن تک کون پیاسا رہ سکتا ہے۔ میں آپ کے سامنے موجود ہوں کہ تین تین مہینے فاقے کئے۔ میں نے اپنی صحت کے لئے فاقے کئے۔ کوئی شخص ہے جو کہہ سکتا ہے کہ ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ ہماری بیوی نے ہماری بہن نے ساتھ میں رہنے والوں نے کھانا نہیں کھایا۔ پانی نہیں پیا۔ اس طریقہ سے اللہ کا نام بلند کرتے رہے۔ جو پیاس کی شدید تکلیف برداشت کرتے رہے۔ سیدنا علی اصغر کی بھی پیاس سے نیم مردہ صورت تھی۔ خیموں میں شور و غل برپا ہوا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس صاحبزادہ کو یہ لوگ پانی پلا دیں۔ لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو قصور میں نے کیا۔ بیعت میں نے نہیں کی۔ بیعت علی اکبر نے نہیں کی۔ عباس نے نہیں کی۔ حبیب ابن مظاہر نے نہیں کی۔ لیکن یہ بچہ اس قابل نہیں کہ تمہاری بیعت کر سکے لیکن تین دن سے پانی نہ ملنے کی وجہ سے

پریشان ہے۔ ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ کیا ہے کوئی شخص کہ اس کے حلق کو تر کر دے۔ اُس کا حلق تیر سے تر کیا جاتا ہے۔ خون کا فوارہ جاری ہے۔ سیدنا امام حسینؑ بوڑھا باپ خون کے فوارہ سے چہرہ پر خضاب کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گواہ رہنا میں اللہ کے پاس اس شان سے جاؤں گا۔ نانا کے پاس اس شان سے جاؤں گا۔ اور کہوں گا کہ میں سب قربان کر کے آیا ہوں۔ ۷۲ ختم ہو گئے۔ علی اصغر اور علی اکبر بھی ختم ہو گئے۔ صرف زین العابدین باقی رہ گئے۔ امام حسینؑ بھی ختم ہو گئے۔ کیا نتیجہ حاصل ہوا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ ۷۲ آدمی ختم ہو گئے۔ یزید نے فتح حاصل کر لی۔ امام حسینؑ غالب نہ آ سکے۔ اُن کے سب اعیان و انصار ختم ہو گئے۔ اور یزید فتح یاب ہوا۔ لیکن شاید یہ موجودہ آنکھیں ہی آنکھیں نہیں ہیں۔ آنکھیں اور بھی ہیں جو اصل اور نقل کی تمیز کر لیتی ہیں۔ وہ آنکھ ہیں ضمیر کی اُس سے دیکھو۔ اس سے معلوم ہوگا کہ فتح امام حسینؑ علیہ السلام کی ہوئی اور مفتوح یزید تھا۔ ناز و افتخار کون شخص کرتا ہے۔ جو شخص فتحیاب ہوتا ہے۔ گردن جھکا کر کون شخص چلتا ہے گھر میں چھپ کر کون بیٹھتا ہے؟ - جو ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ بتاؤ اے مسلمانوں آج یزید کی کوئی اولاد باقی ہے۔ کوئی شخص ہے جو یزید کی اولاد اپنے کو کہہ سکے۔ اگر کوئی یزید کی اولاد ہوتا ہے تو اپنے کو دوسرے پردے میں چھپاتا ہے (چیرز) دنیا میں لاکھوں انسان ایسے ہیں جو امام حسینؑ علیہ السلام سے اپنا نسب ظاہر کرتے ہیں۔ بہتیرے ایسے ہوتے ہیں جو اُن کی اولاد میں صحیح طریقہ سے شامل نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اس بات پر اپنا فخر سمجھتے ہیں (سبحان اللہ) یزید کی اولاد کو فخر ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو اپنے آپ کو یزید کی اولاد کہے۔ یزید کی اولاد نہیں ہے۔ امام حسینؑ کی اولاد موجود ہے۔ (چیرز) امام حسینؑ کی شہادت ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ لیکن اُس کے لئے بڑی کد و کاوش کی ضرورت ہے کہ ہم پوری طرح سے تیار ہو جائیں کہ جس صداقت کی آواز کو بلند کرنے کے لئے امام حسینؑ معین ہوئے تھے۔ اُس کے لئے تیار ہو جائیں۔ امام حسینؑ علیہ السلام بادشاہت کے لئے نہیں گئے تھے۔ بادشاہت کے لئے جاتے تو لشکر جرار اپنے ساتھ لے جاتے۔ مدینہ اور مکّہ سے اپنے نانا کے فدائیوں کو لے جاتے امام حسینؑ اس لئے نہیں گئے تھے۔ ۷۲ ہمراہیوں کو لے کر گئے تھے۔ اس لئے کہ ساری چیزیں اسلام کی مخالفت میں شائع ہو چکی تھیں۔ جو تمدن اور تہذیب رائج ہو گیا تھا۔ اس کو ختم کرنا تھا۔ بُری رسمیں اسلامی تمدن میں داخل ہو گئی تھیں۔ اسی طرح نماز کی طرف سے بے پرواہی اسلامی تہذیب ہے۔ لیکن امام حسینؑ بتانے کے لئے آئے تھے کہ یہ چیزیں جو پیش کی جا رہی ہیں۔ اسلامی تہذیب نہیں ہے بلکہ جو میں پیش کر رہا ہوں وہ اسلامی تہذیب ہے (سبحان اللہ) امام حسینؑ علیہ السلام اس مشن کے خادم تھے۔ حسینؑ کے ساتھ اُن کی مشن کا کام تھا۔ امام حسینؑ آج بھی زندہ ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ انھیں ۷۲ میں سے ایک ایک آدمی ایسا آ جائے جو ان ۷۲ کی نمایندگی کر سکے۔ وہاں ۷۲ نفوس تھے یہاں ۷۲ جماعتیں ہیں۔ امام حسینؑ کی تبلیغ یہ ہے کہ ۷۲ ایک ہوں کربلا کا میدان اس وقت تیار ہے۔ آواز دے رہا ہے۔ آؤ! امام حسینؑ کے اعیان و انصار آؤ ضرورت ہے کہ وہ ۷۲ نفوس جو امام حسینؑ کے ساتھ آئے تھے ۷۲ کے ۷۲ آئیں۔ کربلا کا میدان پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہم وہ چیز نہیں ہیں کہ ہمیں یاد کر لیا اور آنسو بہا لئے اور ہم خوش ہو گئے۔ جب تک ہمارے یہاں اسی طریقہ سے تلواروں کی جھنکاریں نہ ہوں۔ گھوڑوں کے

ہنہنانے کی آوازیں نہ ہوں۔ اور اسی طریقہ سے امام حسینؑ کے انصار شہید نہ ہوں تو ہم قبول نہ کریں گے۔ حسینی بننے کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ چیز جس کو حسینؑ نے کر کے دکھایا۔ اگر سچے حسینی بننا چاہتے ہو۔ امام حسینؑ کو کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ ہم نماز سے بے واسطہ ہو رہے ہیں۔ زکات سے احتراز کر رہے ہیں۔ آج تیرہ سو برس کے بعد آپ کیوں نہ تہیہ کر کے کھڑے ہوں کہ وہ چیز جس کا نمونہ امام حسینؑ لے کر آئے تھے۔ یعنی اسلام ہم اس کی سختی سے پابندی کریں گے۔ ہر وہ چیز جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیا اس کی پابندی کریں گے۔ جس کو منع کیا ہے رسول اللہ نے اس کو نہ کریں گے۔ ابھی میرے پیشرو کہہ گئے تھے کہ امام حسینؑ کا سجدہ سے سر اس طریقہ سے اٹھا تھا کہ سر جدا ہو چکا تھا۔ آج ہم کو کسی طریقہ سے پریشانی نہیں ہے۔ نماز سے ہم غافل ہو گئے ہیں۔ قبل اس کے کہ میں تقریر ختم کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی تقریر کو دعا پر ختم کروں کہ اے خدا ہم کو سچے طریقے سے امام حسینؑ کا پیرو بنا اور جو چیز وہ کر کے دکھا گئے ہیں ہم کو اس کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ (چیرز)

کربلا میں دوستوں کی یاد

از سید غلام علی احسن سکریٹری انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ شاہ گنج۔ آگرہ

قتل جب ہو گئے عاشور کو انصارِ حسینؑ — اور کوئی نہ رہا دشت میں غمخوارِ حسینؑ
بیکسی اپنی پہ مغموم تھے اس دم مولا — درِ خیمہ سے یکایک سنی رونے کی صدا
جب وہاں پہونچے قیامت کا نظر آیا سماں — پیاس سے اصغرِ بےشیر پڑا ہے بےجان
پانی دیتے نہ کبھی بانیٔ ظلم و بدعت — لے گئے اس لئے رہ جائے نہ ماں کی حسرت
مانگنا عار سمجھتا تھا سخی ابن سخی — علی اصغر کے لئے پانی مگر مانگا بھی
گود میں لے کے گئے ایک بلندی پہ حسینؑ — علی اصغر کو دکھا کر کہا یا شیعون و شین
یہ نبیؐ کا ہے نواسہ تو علیؑ کا جانی — جان دیتا ہے مسلمانوں میں یہ بن پانی
پیاس کی سختی اٹھا سکتا ہے معصوم کہیں — دودھ پیتا ہے مگر ماں کے بھی اب دودھ نہیں
طفل معصوم پہ کیوں ظلم و جفا کرتے ہو — عاقبت ہوتی ہے برباد برا کرتے ہو
زعم باطل میں تمہارے تو گنہگار رہوں میں — ظلم جو چاہو کرو سہنے کو تیار رہوں میں
اس بہانہ سے سمجھتے ہو پیوں گا پانی — چھوڑے جاتا ہوں پلا دو اسے تھوڑا پانی
کہہ رہے تھے یہ ابھی حضرت کہ اک تیر آیا — حلق معصوم چھدا بازوئے شہ بر آیا
نہ ہلا اور نہ سسکا نہ وہ رویا بچہ — مر گیا باپ کے ہاتھوں پہ وہ ننھا بچہ
دیکھے نانا کی جو امت کے یہ ظلم و بیداد — دوستوں کو کیا اس طرح سے تب شہ نے یاد
کاش عاشور کو تم پاس مرے ہوتے سب — کچھ اصغر کے لئے میں نے کیا آب طلب

یاد کرنا مجھے جب دوستو پینا پانی
کربلا میں مرے بچوں کو تھا عنقا پانی

تقریر سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے، بی ٹی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و آنریری جنرل سکریٹری انجمن وظیفہ سادات و مومنین

جناب صدر و معزز حاضرین۔ سلام علیکم!

دنیا والوں نے موجوداتِ عالم کو تقسیم کرتے ہوئے مختلف طبقات تجویز کئے ہیں۔ پست ترین طبقہ جمادات کا قرار دیا ہے اس سے بالاتر نباتات۔ پھر حیوانات۔ ہر طبقہ میں اپنے سے کمتر طبقات کی خصوصیات کے علاوہ کچھ نہ کچھ زائد خصوصیت موجود ہے۔ سب سے بالا انسان کا درجہ رکھا گیا ہے۔ انسان کا مابہ الامتیاز جوہر عقل ہے۔ جو پست طبقات کی مخلوق میں موجود نہیں ہے۔

اسلام نے اسی جوہر عقل کو بہت نمایاں حیثیت دی ہے۔ جب تک انسان نابالغ رہتا ہے۔ یعنی یہ جوہر عقل پختگی نہیں پالیتا۔ اس وقت تک شرعاً مکلف نہیں سمجھا جاتا۔ کوئی شرعی پابندی اس پر عائد نہیں ہوتی۔ بالغ ہونے کے بعد اگر کسی وقت انسان فاتر العقل ہوجائے اسی وقت سب شرعی پابندیاں ساقط ہو جاتی ہیں۔ ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال کا جوابدہ محض اسی جوہر عقل کی بدولت قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ بھی محض اس زمانہ کے لئے جب کہ یہ جوہر عقل بحالتِ پختگی قائم ہو۔

آجکل ہر طرف آزادی کی پکار ہے۔ نہایت مبارک جذبہ ہے لیکن سیاسی غلامی سے بدتر ذہنی غلامی ہے۔ اگر کسی حقیقت کو عقل سلیم تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہو تو محض تعصبات اور خواہشات کی بنا پر اس کا انکار کردینا عقلی غلامی کہلاتا ہے۔ یہ ذہنیت غلامی کی بدترین صورت ہے۔ اسلام دنیا میں مادی اور ملکی فتوحات کیلئے نہیں آیا۔ بلکہ ذہنی اور عقلی تسخیر کے لئے بھیجا گیا۔ تاکہ انسان کو صحیح معنوں میں اشرف المخلوق بنایا جائے۔ مخلوق پرستی کی زنجیروں سے آزاد کر کے خالق پرستی کا خالص جذبہ پیدا کیا جائے۔

ذہنی غلامی کی کیا کیا صورتیں ہیں۔ بلا سوچے سمجھے دوسروں کی اندھی تقلید کرنا۔ دوسروں کی بات کو بالکل نہ سننا۔ اس خداداد جوہر عقل سے کام نہ لینا۔

اسلام نے اندھی تقلید کی مذمت کی ہے۔ اسلام بشارت دیتا ہے۔ ان لوگوں کو جو دوسروں کی بات کو توجہ سے سماعت فرماتے ہیں اور سماعت کرنے کے بعد یہ نہیں دیکھتے کہ کہنے والا کون ہے بلکہ یہ وزن کرتے ہیں کہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اگر اس کے کلام میں کوئی اچھی بات معلوم ہوتی ہے تو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہدایت یافتہ اور صاحبانِ عقل کے القابات سے سرفراز فرمایا ہے۔ اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص یہ وطیرہ اختیار کرے کہ جب اس کے سامنے کوئی حقیقت پیش کی جائے تو اس کے سننے سے انکار کر دے یا سننے کے بعد اَن سنی کر دے۔

اسی ذہنی غلامی کے ہاتھوں امام حسینؑ علیہ السلام آج بھی ویسے ہی مظلوم ہیں جیسے کہ کربلا کے میدان میں مظلوم تھے۔ آج دنیا والے حسینؑ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور آپ حضرات بھی اسی ذکر کو سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ میدانِ کربلا میں اس شہیدِ اعظم کے پیکرِ جسمانی پر زخم لگائے جا رہے تھے۔ آج اس مظلوم کربلا کے پیکرِ روحانی پر زخم لگائے جا رہے ہیں۔ اس کے کارنامہ کی عظمت و اہمیت کو مٹانے کے لئے گوناگوں غلط

پروپیگنڈے کیئے جاتے ہیں۔ جسمانی زخموں سے یہ روحانی زخم زیادہ درد انگیز ہیں۔

دنیا والے کہیں یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ علیہ السلام نے عمداً اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر قرآنی آیت (لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) کی مخالفت کی۔ معاذ اللہ۔ اس شہید راہ خدا کی ہستی پر انتہائی ظلم روا رکھا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے الہامی دستور العمل میں دو قسم کی موت کا ذکر کیا ہے۔ ایک موت ہلاکت کے نام سے موسوم کی گئی ہے اسی سے (اس آیہ مبارکہ میں منع کیا گیا ہے۔ ایک وہ موت جسے حیاتِ ابدی کا پیش خیمہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی شہادت (لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء) یعنی جو لوگ راہِ خدا میں قتل کردیے جائیں اُن کو مردہ مت سمجھو (کہو) بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یہ وہ موت ہے۔ جس سے مرنے والا حیات جاودانی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر میدانِ کربلا میں امام حسینؑ علیہ السلام اپنا کارنامہ دنیا والوں کے سامنے پیش نہ کرتے تو یہ آیت تشنۂ تصدیق رہ جاتی۔ دنیا والوں پر اس بات کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا کہ واقعی راہِ خدا میں مرنے والا دائمی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ میں اس آیت کی تصدیق واقعات شہادت سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ مرنے کے بعد فطری طور پر بدنِ انسانی میں تعفن اور بوسیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور گرمی کے موسم میں یہ عمل زیادہ جلد ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن شہیدِ اعظم اور اس کے رفقا کے سرہائے مبارک مدتوں نوکِ سناں پر رہے۔ کسی تاریخ میں اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ بوسیدہ ہو گئے تھے یا ان میں سڑاند پیدا ہو گئی تھی۔ اس واقعہ میں مرنے والوں کی کیفیت کا پتہ ملتا ہے یا زندوں کا علاوہ ازیں یہی سر مبارک مختلف مقامات پر تازہ خون کے قطرات ٹپکاتا ہوا ملتا ہے۔ حالانکہ فطری طور پر سر و بدن میں جدائی ہو جانے کے بعد خون منجمد ہو کر رہ جاتا ہے۔

مزید براں یہی سرِ امام کوفہ و دمشق کے تماشائیوں کا ہجوم دیکھ کر کلام پاک کی آیتوں کی تلاوت شروع کر دیتا ہے۔ کہیں پر یہ ہوتا ہے کہ ہمشیرہ کی گود سے کسی بچہ کے علیٰحدہ ہو جانے پر یہ سر مبارک آگے بڑھنے سے رُک جاتا ہے اور جب تک وہ بچہ اپنی جگہ پر نہیں آجاتا رُکا رہتا ہے۔ شام میں ایک موقع پر اسی سرِ مبارک سے آنسوؤں کی قطار جاری ہو جاتی ہے ہمشیرہ یہ منظر دیکھ کر بے قرار ہو جاتی ہیں۔ اور وجہ گریہ دریافت فرماتی ہیں تو حلقوم بریدہ سے آواز آتی ہے۔ اے بہن زینب بددعا کے لئے ہاتھ اٹھانا اگر شمر دربار یزید میں لے جانے کے لئے اصرار کرے تو چلی جانا (لوگ رو دئے) ان تمام حقائق سے قرآنی آیت کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر زندہ ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ آج تیرہ سو سال گذرنے کے بعد بھی واقعۂ کربلا اسی طرح تازہ ہے۔ قیامت تک ایسا ہی تازہ رہے گا۔

کبھی یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ کربلا کی جنگ ایک سیاسی جنگ تھی جو دو شاہزادوں کے درمیان واقعہ ہوئی، ایک کو فتح دوسرے کو شکست ہوئی۔ میں تمام حاضرین سے انصاف طلب ہوں کہ کہیں کسی سیاسی یا ملک گیری کی جنگ میں یہ خصوصیات ملتی ہیں۔ جو اس واقعہ کربلا کے متعلق میں پیش کرنے والا ہوں ذہنی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو کر ان خصوصیات پر آپ غور فرمائیں تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

تاریخ سے ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ کو دربار شام سے حاکم مدینہ کے پاس ایک حکم پہنچتا ہے کہ امیر شام کا انتقال ہو گیا۔ اب میں اس کا جانشین

بن گیا ہوں۔ فرزندِ رسول سے بیعت لی جائے۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیجدیا جائے۔ آپ عبداللہ ابنِ زبیر کے ہمراہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے جبکہ حاکم مدینہ کا قاصد پہنچا۔ اس کے واپس جانے کے بعد دوران گفتگو میں آپ نے عبداللہ ابنِ زبیر سے ارشاد فرمایا کہ امیر شام کا انتقال ہوگیا۔ میں بیعت کے لئے طلب کیا جارہا ہوں ہم اہلبیتِ رسول ہیں۔ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم ایک فاسق و فاجر و شرابی کی بیعت کریں۔

مقصد کا اعلان اسی وقت شہید اعظم کی طرف سے ہوجاتا ہے۔ حاکم مدینہ سے ملاقات کے بعد مدینہ سے کوچ کی تیاری ہونے لگتی ہے۔ اس وقت آپ کی نانی اماں جناب ام سلمہ حرم رسول دریافت فرماتی ہیں۔ بیٹا کیا ارادہ ہے۔ فرزندِ رسول عرض کرتے ہیں۔ نانی اماں اب وہ وقت قریب آرہا ہے۔ جس کے متعلق نانا نے کچھ مٹی آپ کے سپرد فرمائی تھی۔ غور طلب امر ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پچاس سال بیشتر اپنی کئی بیویوں کی موجودگی میں اس مخدرہ کو انتخاب فرمایا تھا۔ جو سال ہا سال تک بقید حیات رہنے والی تھی۔ آج دنیا والے کہتے ہیں کہ رسول کو غیب کا علم نہیں تھا۔ رسول خدا اپنی اس زوجہ سے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب وقت یہ مٹی سرخ ہوجائے سمجھ لینا کہ میرا فرزند حسینؑ کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام حسینؑ نے عرض کیا کہ وہ وقت قریب آگیا ہے۔ نانی اماں دریافت فرماتی ہیں کہ اگر یہ ارادہ ہے۔ تو عورتوں اور بچوں کو کیوں ساتھ لئے جارہے ہو۔ جواب دیا۔ نانی اماں مشیت الٰہی میں یہی گذرا ہے۔ میرے مشن کی کامیابی اسی میں ہے۔ اس زمانہ میں بیسویں صدی جیسے ہی کے ذرائع پروپیگنڈا کے لئے موجود نہیں تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تقدیر الٰہی میں یہی ہے کہ ان مخدرات کو بحالت اسیری شہر بہ شہر اور دیار بدیار پھرایا جائے تاکہ دنیا والوں کو حقیقت حال سے کماحقہ آگاہی ہوسکے۔ فرزند رسول نے کہیں یہ اعلان نہیں فرمایا کہ میں کسی ملک کو فتح کرنے جارہا ہوں بلکہ اپنی شہادت کا حوالہ دیتے ہوئے گھر سے قدم باہر نکالتے ہیں۔ اس کے بعد مکہ تشریف لے جاتے ہیں۔ زائد از تین ماہ وہاں قیام فرماتے ہیں۔ دورانِ قیام میں کسی سیاسی جوڑ توڑ کا پتہ تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتا۔ پھر ایام حج میں بہترین سیاسی موقعہ تھا۔ اگر نواسہ رسول حاجیوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر طالب امداد ہوتا تو ضرور کچھ نہ کچھ لوگ ساتھ ہوجاتے۔ سیاسی جنگجو کبھی ایسا موقعہ ہاتھ سے نہ دیتا مگر فرزندِ رسول کیا کرتے ہیں دو روز قبل مکہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ حرم خدا کی حرمت میں فرق نہ آنے پائے اور آنے والی نسلوں کے اعتراضات کا سد باب ہوسکے۔ کہنے والے یہ نہ کہہ سکیں کہ حسینؑ علیہ السلام سیاسی جنگ کے لئے مدینہ سے نکلے تھے ہر چند فائدہ اٹھانے کے امکانات تھے مگر سب سے پہلو تہی کرتے ہیں بعض دوستوں کی جانب سے اصرار بھی ہوتا ہے کہ مکہ ہی میں قیام رہنا چاہئے۔ مگر حسینؑ علیہ السلام جانتے تھے کہ کیا ہونے والا ہے اور اکیں کیا کرنا ہے۔

آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ سیاسی لڑائیاں کن اصولوں پر لڑی جاتی ہیں۔ اتفاق سے آجکل ایک عالمگیر جنگ ہو رہی ہے۔ سیاسی نبرد آزماؤں کا سب پہلا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخالف کو اپنی کثرت سے مرعوب کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ سپاہی فوج میں بھرتی کئے جائیں۔

یعنی ہر فریق یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنی تعداد کو بڑھائے۔

لیکن حسینؑ کا طرزِ عمل اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ چونکہ یہ اصول مادی جنگ کرنے والوں کے ہوتے ہیں اور وہ روحانی جنگ کرنے والے تھے۔ ہر مرحلہ پر اپنی جمعیت کو کم کرتے رہے۔ ہر منزل پر ساتھیوں سے یہی ارشاد فرماتے رہے کہ ہم شہادت کے لئے جارہے ہیں۔ اگر کسی دوسرے ارادے سے آپ لوگ ہمارے ساتھ جارہے ہیں تو غلط فہمی ہے۔

سیاسی جنگ کے لئے جو سپاہی بھرتی کئے جاتے ہیں وہ بھی چند اصولوں کے ماتحت کئے جاتے ہیں۔ لیکن حسینؑ کی بھرتی کا حال بالکل نرالا ہے۔ سن و سال کی کوئی قید نہیں سیاسی جنگ کے لئے بھرتی کے وقت ڈاکٹری معائنہ ہوتا ہے ہٹے کٹے آدمیوں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں بالکل معیار ہی مختلف ہے۔ نوجوانوں کو پراگندہ کیا جاتا ہے۔ اور سن رسیدہ بوڑھوں کو پیغام بھیج بھیج کر بلایا جاتا ہے۔ روحانیت کے نقطۂ خیال سے انتخاب کیا جارہا ہے۔ مادیت کے نقطۂ نگاہ سے کمزور رہوں تو پرواہ نہیں لیکن روحانیت میں کمزور نہ ہوں۔ حبیب ابنِ مظاہر۔ زہیر ابن قین۔ مسلم ابن عوسجہ جیسے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں نابالغ اور بچے بھی اس روحانی جنگ میں شرکت کے لئے ساتھ ہیں۔ وہ بچہ بھی مجاہد بننے والا ہے جو عاشورِ محرم میں چھ ماہ کے سن کو پہنچے گا۔ آپ حساب لگائیں کہ جب یہ بچہ مدینہ سے چلا تھا تو کے روز کا تھا۔ آج اس شہید اعظم کی آپ تیرہ صد سالہ یادگار منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ جس نے اپنے انتخاب میں عورتوں کو بھی شامل کیا۔ کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ آجکل بھی مرہم پٹی وغیرہ کے لئے عورتیں شریک کی جاتی ہیں۔ لیکن حسینؑ کا مشن اور تھا۔ وہ ایسی مخدرات کو ہمراہ لائے تھے۔ جنھوں نے کبھی اپنا قدم گھر سے باہر نہیں نکالا تھا۔ اسی صورت سے آپ منزل بہ منزل جانب کوفہ تشریف لے جارہے ہیں۔ منزل ثعلبیہ پہ آپ کی آنکھ لگ جاتی ہے۔ دفعتہً چونک پڑتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) جوان بیٹا ہمشکلِ پیغمبر آگے بڑھ کر دریافت کرتا ہے۔ اے والدِ گرامی۔ اس وقت اس ارشاد کی کیا ضرورت پیش آئی۔ آپ غور فرمائیں حق و باطل کی جنگ لڑنے والے حسینؑ کیا فرماتے ہیں۔ بیٹا ابھی ابھی بحالت خواب میں نے ہاتف کی آواز سنی ہے کہ حسینؑ تم میدانِ کارزار کی طرف جارہے ہو اور موت تمہارے تعاقب میں جارہی ہے۔ اس پہ اس روحانی نبرد آزما کا فرزند پوچھتا ہے۔ بابا جان کیا ہم حق پہ نہیں ہیں؟ کیا سوال ہے۔ ارشاد فرمایا۔ بیٹا ہم ضرور حق پر ہیں۔ پھر بیٹا عرض کرتا ہے۔ جب ہم حق پہ ہیں تو کیا پرواہ ہے اگر موت ہمارے پیچھے ہے۔ باپ کے دل سے پوچھئے کس قدر اس جواب پہ خوش ہوئے۔ بیٹے کو اپنے نقش قدم پہ چلتے ہوئے دیکھ کر عالمِ وجد میں ارشاد فرماتے ہیں۔ بیٹا مبارک ہو۔ بیٹا خدا تمہارے اس ارادہ کو پروان چڑھائے۔ کیا سیاسی جنگ میں ایسی خصوصیات پیش کی جاسکتی ہیں۔

اس کے بعد آگے بڑھتے ہیں۔ ایک مقام پہ پہنچتے ہیں۔ آجکل سنگاپور کی لڑائی کے حالات آپ اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں۔ کس طرح پانی کے وسائل کو اپنے قبضہ میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حسین علیہ السلام کے سامنے مخالف فوج کا ایک دستہ آتا ہے۔ جس کا سردار حُر ابن یزید ریاحی تھا۔ یہ ایک ہزار سوار لے کر آپ کا راستہ روکنے کے لئے آیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ سب سپاہی پیاس کے مارے جاں بلب ہیں۔

اپنے رفقا کو حکم دیا کہ ان سب کو سیراب کر دو۔ جانوروں تک کو سیرو سیراب کیا گیا۔ اس کی پرواہ نہیں کی کہ بعد میں ہمیں پانی میسر آئے گا یا نہیں۔ کسی سیاسی جنگ میں ایسی دریا دلی کی مثال نہیں ملے گی۔ وارد کربلا ہونے پر امام حسینؑ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں ہمارے خون کی ندیاں بہائی جائیں گی۔ یہی ہماری آخری آرام گاہ ہے۔ پھر بھائی سے ارشاد فرماتے ہیں کہ قوم بنی اسد کو بلایا جائے۔ کیونکہ وہ اس سرزمین کے مالک ہیں۔ ان لوگوں کے آنے پر ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس جنگل میں قیامت تک کے لئے قیام کرنے والا ہوں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ایک حصہ زمین میرے ہاتھ فروخت کر دیا جائے۔ وہ لوگ دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ یہ زمین بزرگوں کے وقت سے آج تک کسی کو راس نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا۔ چونکہ یہ سرزمین میرے ہی لئے مخصوص ہے۔ دوسروں کو راس نہیں آسکتی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ہماری طرف سے یہ زمین ویسے ہی آپ کی نذر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ بلا قیمت نہیں لوں گا۔ مظلوم کربلا کی وسیع النظری جانتی تھی کہ آئندہ کیا کیا اعتراضات ہوں گے۔ پیش بندی کرنا چاہتے تھے۔ ملک گیری کی ہوس میں گھر سے نکلنے والے اس طرح دام دے کر زمین نہیں خریدا کرتے۔ حسینؑ نہیں چاہتے کہ اپنی قبر بھی غصبی جگہ میں بنائی جائیں۔ چنانچہ ساٹھ ہزار درہم کے عوض وہ زمین خریدی جاتی ہے۔ اور چند ایک وصیتوں کے ماتحت وہ زمین پھر انہی لوگوں کو ہبہ کر دی جاتی ہے۔

لبِ فرات آپ خیمہ زن ہوتے ہیں۔ لیکن دشمن یہ چاہتے ہیں کہ فرات سے خیمے ہٹا دئے جائیں۔ ملک گیری کی جنگ لڑنے والے ایسے ضروری موقعہ کو آسانی ہاتھ سے نہیں چھوڑا کرتے۔ آپ خاموشی سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں حالانکہ آپ کے ساتھیوں کو وہیں قیام کرنے پر اصرار تھا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ چاہتے تھے کہ دشمن ابھی قلیل تعداد میں ہیں۔ اگر وہ جنگ بھی کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں میرا نصب العین اور مقصد کچھ اور ہے۔ مادی فتح درکار نہیں ہے۔ دنیا والوں کی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے اٹھانا مطلوب ہے۔ انہیں ذہنی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانا ہے۔ ساتویں محرم کو پانی بند ہو جاتا ہے۔

نویں محرم کو حملہ ہوتا ہے۔ تاجدار روحانیت کیا کرتا ہے یقین ہو گیا تھا کہ جنگ ہو کر رہے گی۔ دنیاوی نقطۂ خیال سے عرض کر رہا ہوں۔ دو روز کے بھوکے پیاسے تھے۔ کیوں آج نسبتاً تازہ دم اپنے ساتھیوں کو برسرپیکار نہیں ہونے دیتے۔ ایک شب کی مہلت کیوں مانگ رہے ہیں جانتے ہیں کہ نہ کھانے کے لئے کچھ موجود ہے۔ نہ پینے کیلئے یہ ساتھی اور زیادہ کمزور ہو جائیں گے۔ مادیت کے پرستار اسکی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں حسینؑ مادیت کے مقابلہ میں روحانیت پیش کرنا چاہتے ہیں جس پیمانہ پر دشمنوں نے مادی نقطۂ نظر سے تیاری کر رکھی تھی اسی پیمانہ پر آپ روحانی نقطۂ خیال سے تیاری میں مصروف تھے چاہتے ہیں کہ اپنے رفقاء میں رہی سہی مادیت بھی فنا کر دی جائے سبحان اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شب کی مہلت دیدی جائے تاکہ عبادت کر سکیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم تیاری کر لیں۔ تاکہ مخالفین کچھ اور نہ سمجھ لیں۔ اس شب میں آپ اپنے لشکر کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ چراغ گل کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ کل ضرور جنگ ہو گی۔ میری شہادت ہو گی۔ ان لوگوں کو آپ سے کوئی پرخاش نہیں۔ میں اپنی بیعت کا

جُوا تمہاری گردنوں سے نکالے لیتا ہوں۔ تمہیں آزاد کرتا ہوں
شب کی تاریکی میں جدھر جی چاہے چلے جاؤ۔ کوئی مزاحم نہیں
ہوگا۔ میرے اعزّا کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ ٹریننگ دینا چاہتے ہیں
معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ روحانیت کی کس منزل تک پہنچ چکے ہیں۔
امتحان کرنا چاہتے ہیں کہ آیا میرے معیار پر پورے اترتے ہیں۔
یا نہیں۔ وہ روحانیت کے پروانے بے چین ہو جاتے ہیں۔
تفصیل عرض کرنا نہیں چاہتا کہ شمع امامت کے پروانوں
نے کیا جواب دئے۔ بہرکیف امتحان لینے کے بعد وہ قدر شناس
اپنے رفقار کو ایسی سند عطا فرماتا ہے جو کسی یونیورسٹی میں
نہ پہلے کسی کو ملی نہ قیامت تک ملے گی۔ آپ فرماتے ہیں کہ
جیسے انصار مجھے ملے ہیں ویسے آج تک کسی نبی کو بھی نہیں ملے
اسی مظلوم کربلا کی اولاد میں سے ایک دوسرے معصوم نے
ان پروانوں کی قدر کرتے ہوئے دوسرا ڈپلومہ عطا فرمایا
ہے۔ شہدائے کربلا کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے
ہیں "میرے ماں باپ اُن پر فدا ہوں" یہ معمولی بات نہیں ہے
شبِ عاشورہ یہ امتحان امام حسینؑ السلام نے اپنے رفقار کی
روحانیت کو جلا دینے کی خاطر کیا تھا۔ شب بھر عبادت میں مصروف
رہے تاکہ رہی سہی مادیت ختم ہو جائے۔ جب سپیدۂ صبح نمودار
ہوا۔ تو حق و باطل کی اس فیصلہ کن جنگ کے لئے شہیدِ کربلا
اپنے اعزّا و انصار کا جائزہ لے کر ہمشکلِ پیغمبر کا انتخاب فرماتے
ہیں اور ارشاد کرتے ہیں۔ بیٹا آج حق و باطل کی آخری آویزش
ہے۔ قیامت تک کے لئے صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرنے
کے لئے اس روحانی جنگ کی ابتدا رخدا کے نام سے کی
جائے گی۔ لہذا آج تم اذان کہو۔ علی اکبر اللّٰہُ اکبر کی آواز
بلند کرتے ہیں۔ صفحۂ ہستی پر تاریخ عالم کا مطالعہ کر جائیے۔
کہیں کسی سیاسی جنگ کی ابتدا اس انداز سے ہوتی ہوئی نہ ملیگی
بیٹے نے اللّٰہ اکبر سے اس روحانی جنگ کی ابتدا کی۔ باپ نے
سجدہ میں تہ تیغ سبحانَ ربی الاعلیٰ وبحمدہٖ کہہ کر اس کو ختم کیا
کہیں آپ کو ایسا منظر دکھائی نہیں دے گا۔

اذان کے بعد شہید اعظم کو اپنی زندگی ہی میں فتح کے آثار
دکھائی دینے لگ گئے۔ کسی سیاسی چپقلش میں ایسی مثال
نہ ملے گی۔ فوجِ مخالف کا وہ سردار جس نے ابتداً راستہ روکا تھا
اپنی ذاتی تمکنت اور مادی مفاد کو ٹھکراتے ہوئے مظلومِ کربلا
کی جانب آجاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ حسینؑ کے پاس پانی تک
موجود نہیں۔ نہ کوئی اور دنیوی سامان دعوت ہے۔ کیا ہوا تھا
صرف روحانیت کے زور نے اس پر حقیقت منکشف کر دی
تھی۔ اپنا سر پروانہ وار شمع روحانیت پر فدا کرنے کے لئے
حاضر ہو رہا تھا۔ اسی روحانیت کا اثر تھا کہ دربارِ شام میں
یزید سے جرأت نہ ہو سکی کہ اپنے حریف مظلومِ کربلا کے فرزند
سے اسیر ہونے کے باوجود بیعت طلب کرتا۔ اسی حقیقت کو
کسی شاعر نے کیا خوب پیش کیا ہے ؎

کسی امام سے پھر یہ سوال ہی نہ ہوا
حسینؑ قصۂ بیعت تمام کر کے گئے

اسی روحانیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کہ اس یزید کا
فرزند معاویہ باپ کی وفات کے بعد بھرے مجمع میں برملا امام
حسینؑ علیہ السلام کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔

سید الشہدا علیہ السلام کے کارناموں کا اگر بغور مطالعہ
کیا جائے تو ایک نہایت عجیب بات نظر آتی ہے۔ بروز عاشورہ
آپ نے خیام کے گرد خندق کھدوائی جس میں آگ روشن
کی گئی تاکہ دشمن خیموں کے پس پشت سے حملہ آور نہ ہوں۔

لشکرِ یزید کا ایک سوار بڑھ کر قریب آتا ہے اور ساقیٔ کوثر کے فرزند کو مخاطب کر کے بے ادبی کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اے حسینؑ دوزخ کی آگ میں جانے سے پہلے دنیا ہی میں اپنے لئے آگ روشن کر لی ہے۔ ایک دوسرے موقع پر ایک سپاہی آگے بڑھ کر کہتا ہے۔ حسینؑ تمہیں خالق سے کیا واسطہ ہے: تیسرے موقعہ پر ایک اور شقی فرات کی جانب متوجہ کر کے کہتا ہے کہ دریا کیسی موجیں مار رہا ہے۔ آپ کو اس کا ایک بھی قطرہ پینے کو نہیں دیا جائے گا۔

نہ معلوم مظلومِ کربلا نے کس مصلحت سے ان تین شخصوں کے لئے دعا فرمائی تھی۔ جس شقی نے خندق کی آگ کا ذکر کیا تھا اس کو فوراً آگ کی سزا ملی۔ اس کا گھوڑا بدک گیا اور وہ اسی خندق میں گر کر واصل جہنم ہوا۔ جس نے آبِ فرات کا ذکر کیا تھا اس کو پیاس کی سزا ملی۔ پانی پیتا رہتا تھا مگر پیاس نہیں بجھتی تھی۔ تیسرا شخص پاگل ہو کر مر جاتا ہے۔ بہرکیف ان واقعات کا تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ رہنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ جنگ مادی یا سیاسی یا ملک گیری کی جنگ نہ تھی بلکہ اس کا ہر دو آزما ایسی روحانیت کا مالک تھا کہ جو زبان سے کہہ دیتا اسی وقت ہو جاتا تھا۔

آخر میں جب یہ روحانیت کا شہنشاہ یکہ و تنہا رہ جاتا ہے تو دنیا والوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے سجدۂ معبود میں سر رکھ دیتا ہے اور زبانِ حال سے گویا ہوتا ہے ؎

منزلِ عشقِ الٰہی دھار ہے تلوار کی
وہ قدم اس راہ میں رکھے جو سر والا نہ ہو

ان الحق کہنے والو یوں فنا فی اللہ ہوتے ہیں
اٹھا سجدے سے سر شبیر کا تن سے جدا ہو کر

اس حقیقت کو عارفانِ ربانی نے دیکھا اور بے ساختہ پکار اٹھے
آج ہندوستان میں ایسے ہی ایک عارف کے حلقہ بگوش لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں انھیں بالخصوص متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ جناب خواجہ معین الدین اجمیری فرماتے ہیں۔

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ
دین ہست حسینؑ دین پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

جب دینِ اسلام کو بچانے والا اس زمانہ میں کوئی نہ ملا تو حسینؑ کے قدموں سے آ کر لپٹ گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یزید جو اپنے کو جانشینِ رسول کہلوانا چاہتا تھا۔ جلسۂ عام میں یوں اظہارِ عقیدت کیا کرتا تھا۔ بنو ہاشم نے مذہب کا ایک ڈھکوسلا بنایا تھا۔ کسی وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا۔ جب اس کا یہ اعتقاد تھا تو دینِ اسلام بھلا کیسے قائم رہ سکتا تھا۔ اس لئے خواجہ صاحب سیدالشہدا علیہ السلام کو بانیٔ اسلام فرماتے ہیں۔ اگر حسینؑ یہ قربانی پیش نہ کرتے تو نانا کا دین ختم ہو جاتا۔ آج جو دین اسلام موجود ہے۔ وہ محض سیدالشہدا علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے ہے۔

آج اسی کے ضمن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مظلومِ کربلا کریم ابنِ کریم تھے۔ رحمۃ للعالمین کے دربار سے فیض پائے ہوئے تھے انھیں دینے میں بخل نہیں ہے البتہ لینے والوں میں صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اپنا فیض اپنے زمانے والوں ہی کے لئے محدود کر دیں۔ بلکہ ۱۳۶۱ھ میں آنیوالی مخلوق کو بھی اسی روز مخاطب فرماتے ہیں۔ جب کہ تمام عزیز و ناصر داغِ مفارقت دے گئے۔ آپ نے صدائے استغاثہ بلند فرمائی (ھل من ناصر ینصرنا۔ ھل من مغیث یغیثنا) کوئی ہے مددگار

جو ہماری مدد کرے۔ کوئی ہے فریاد رس جو ہماری فریاد کو پہنچے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کیا مظلوم کربلا علی اکبر کی شہادت کے بعد زندہ رہنا چاہتے تھے۔ کیا جناب عباس کی شہادت کے بعد زندگی میں کوئی لطف باقی رہ گیا تھا۔ اس استغاثہ سے کیا غرض تھی۔ وہ اپنا فیض عام کرنا چاہتے ہیں تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں میرے اس استغاثہ کو مدنظر رکھیں قیامت تک کے لئے فیض عام جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میری نصرت کرنا چاہتے ہو تو وہی سند حاصل ہوگی جو میں نے ساتھ والوں کو عطا کی ہے۔ جو ان کی سیرت پر عمل کرے گا وہ انھیں میں شمار ہوگا۔ غور کریں۔ حسینی سیرت کیسے پیدا کی جاسکتی ہے۔ جو پروانہ وار کربلا والوں کے نقش قدم پر چلے گا وہی ناصر حسینؑ ہوگا۔ اگر تیر آتے تھے تو وہ لوگ اپنے سینے آگے کرتے تھے۔ اگر آج حسینؑ کے پیکر روحانی پر کوئی زخم کسی شکل سے لگانا چاہے تو کیا کرنا چاہئے۔ بڑھ کر اس کی لاعلمی کو دور کیا جائے۔ اگر عمداً غلط پروپیگنڈا کیا جا رہا ہو تو دنیا والوں پر حقیقت کو آشکار کیا جائے۔ اور حسینی کارنامہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ نصرت حق وصداقت وہ زرین اصول ہے جو قرآن پاک میں واضح طور پر موجود ہے (تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان) آج دنیائے ہندوستان نے عدم تعاون کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے تیرہ سو سال پہلے بتایا تھا۔ جہاں نیکی اور تقویٰ کے کام ہو رہے ہوں شرکت کرو۔ جہاں گناہ اور زیادتی کا ارتکاب ہو رہا ہو۔ عدم تعاون کرو۔ علیحدہ ہو جاؤ۔

حق پر مٹنا سیکھو۔ استغاثہ ہے کہ میرے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ سر کٹ جائے۔ گھر لٹ جائے اولاد تباہ ہو جائے۔ پروا نہ کرو مگر حق کا ساتھ نہ چھوٹے۔ اس لئے میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آج صحیح معنوں میں اس شہید کی یادگار قائم کرنے کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ دنیا والوں کو حسینؑ سے روشناس کرایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ کربلا والوں کی سیرت اپنے میں پیدا کریں اور ان کے نقش قدم پر گامزن ہو کر اپنی نصرت کا ثبوت دیں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کر کے دکھایا جائے حسینؑ کی سیرت اگر آپ نے پیدا کر لی تو کسی اور یادگار کی ضرورت نہیں۔ آداب عرض (جیرز دیرنگ)

رباعی

مشہور زمانہ ہے حکایت تیری — اسلام کے کام آئی سیاست تیری
جان دیدی نہ کی بیعتِ فاسق شبیرؑ — ہے کتبِ حریت شہادت تیری

(حسن اکبر آبادی)

رباعی

راسخ دلِ مومن میں محبت تیری — مشکور سعی ہے فی الحقیقت تیری
امت پہ فدا کر دئے انصار و عزیز — ممنون ہے تا ابد رسالت تیری

احسن اکبر آبادی

تقریر جناب حاجی سید علی متقی صاحب جعفری پھپھری بی اے ایل ایل بی سیشن جج

(کھنڈوہ۔ سی۔ پی)

نشست چہارم ۱۴ر فروری ۱۹۴۲ء

جناب صدر محترم و معزز سامعین!

مستحق حمد و ثنا ہے ذات پروردگارِ عالم جس نے مٹی سے انسان کو پیدا کیا اور انسان کو خلعت اشرف مخلوقات عنایت فرما کر بہترین ذریعہ اپنی معرفت کا قرار دیا۔ پس انسان کا فرض اوّلین ہے اپنے خالق کو پہچاننا۔ لیکن پہچاننا خداوند عالم کو نہایت دشوار امر ہے۔ عقل میں آنا، فہم میں آنا، سمجھ میں آنا حق تو یہ ہے کہ بیحد دشوار ہے ؎

اے برتر از گمان و خیال و قیاس و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ماہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

بیحد دشوار ہے۔ لیکن اس کو پہچاننا انسان کا فرض ہے۔ اس فرض کو ادا کئے بغیر آپ یہاں سے تشریف لے گئے۔ تو عبث ہوگا آپ کا یہاں آنا جانا۔ ضرورت ہے۔ اور ایک ہی ہے۔ اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے۔ اگرچہ زبانیں مختلف ہیں۔ لیکن حقیقت کو اگر دیکھئے تو ماننے والے خدا کے سوائے لامذہب کے بہت سے ہیں۔ اگر آپ پارسی بھائیوں کی کتابیں غیر جانبداری سے دیکھیں تو وہ بھی خدا کو مانتے ہیں۔ راماین میں سب سے فرما دیا ہے۔ داکل ابنہ۔ انام روپا۔ انمنبو گم اکھنڈ انوپا) سنسکرت کے الفاظ ہیں۔ وہ کون ہے۔ اکیلا ہے۔ کوئی فرزند اس کے نہیں۔ اس کی ماں نہ اس کا باپ نہ اس کے بھائی نہ بہن۔ نہ وہ سن سکتا ہے جیسے ہم اور آپ۔ یہ ہی مضمون قرآن شریف میں اس طرح آیا ہے "لم یلد و لم یولد" اس کی شان یہ ہے کہ جیسی چاہتا ہے۔ ماں کے پیٹ کے اندر تصویر کھینچ دیتا ہے۔ بہترین مصور بہترین مقام پر اگر تصویر کھینچتا ہے تو اس کو لازم ہوتا ہے کہ کچھ روشنی رہے۔ اس قادر مطلق کو دیکھئے کہ اس مقام پر تصویر کھینچی کہ جہاں مطلق روشنی نہیں ہے۔ کسی شے پر تصویر کھینچنا آسان ہے لیکن پانی پر نقش کھینچنا دشوار ہے۔ بلکہ محال ہے لیکن آپ اور ہم وہ شکلیں ہیں۔ جو پانی پر کھینچی ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے جو ایسا کام کرتا ہے۔ جس کو دنیا کا آدمی نہیں کر سکتا ہے۔

تلسی داس کہتے ہیں . . . . اس کا کوئی نام نہیں ہے اور اس کی کوئی شکل نہیں۔ کہتے ہیں۔ اکھانڈ ہے اس کے کھانڈ نہیں ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے ہندو صاحبان کی کتاب میں کہ خداوند عالم وہ چیز ہے۔ جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اگر کھنڈ کیا تو کھنڈت ہو جاتا ہے۔ بہرطور اسکی ایک شان نظر آتی ہے بعض حضرات کہنے لگے جس کی حقیقت ایسی ہے۔ اس کی تہہ تک پہونچنا ناممکن ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں . . .

جس کا ان بھو جس کا احساس ہو سکتا ہے۔

(Realised though not under-stood) تو دل میں تو آتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔

بس جان گئے ہم تیری پہچان یہی ہے

جب اس مقصد کو سمجھ گئے تو ڈھونڈتا ہے۔ کسی رہبر کو

جو صاحب اصول ہو۔ حضرات تاریخ یہ کہتی ہے کہ پیغمبر اب تک ایک لاکھ چوبیس ہزار گذر چکے ہیں جو اصول کا راستہ بتانے والے تھے سب سے پہلے جناب آدم سب سے آخر حدیث یہ کہتی ہے کہ جناب رسول اللہ کو سب کے بعد بھیجا۔ ایسے محبوب تھے کہ سب سے پہلے اُن کے نور کو بنایا۔ نہ زمین ہوتی نہ آسمان اگر یہ نہ ہوتے۔ غرض یہ ہے کہ خداوند عالم نے پیدا کیا زمین و آسمان کو۔ حور و غلمان کو۔ کوثر و جنت کو انسان کو۔ حیوانات کو نباتات کو جمادات کو اور خود بن بیٹھا رب العالمین اور اُن کو بنا دیا رحمت" للعالمین چونکہ دین دنیا کا خداوند عالم رب ہے۔ آپ نہیں دنیاؤں کے لئے رسول رحمت ہیں۔ لہٰذا مسلمان یہ نہ کہیں کہ رسول صرف ہمارے ہیں۔ حضرات علماء سے پوچھئے کہ عالمین کیا ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ وہ ایک مسلمانوں کے نبی نہیں ہیں بلکہ اٹھارہ ہزار عالمین کے لئے نبی ہیں۔ جنت میں درخت لگائے۔ دوزخ پیدا کی۔ دوزخ میں آگ رکھی ... روزِ محشر مالکِ حوضِ کوثر۔ جس کو چاہیں جنت میں رکھیں جس کو چاہیں دوزخ سے نکال لائیں ....

چلتے وقت انھوں نے دو گرانقدر چیزیں چھوڑیں۔ ایک، قرآن دوسرے اہلبیت۔ اہلبیت کی جو کچھ قدر دنیا نے اور دنیا والوں نے کی اُس پر بحث کرتے تیرہ سو برس کا زمانہ گذر چکا۔ قرآن پاک سے اگر کوئی ہدایت نہ پائے تو قرآن کا قصور نہیں ہے۔ قرآن پاک ہے خاموش اگر اس کو بند کر کے رکھ دیا جائے تو بند رہے گا۔ کبھی آپ سے بولے گا نہیں آجکل کا زمانہ یہ ہو گیا ہے کہ اگر رجوع نہ کیا جائے معصومینؑ کی جانب تو جس کا جو جی چاہتا ہے۔ اس کے معنی نکال لیتا ہے

آجکل جو ترجمے ملتے ہیں اُن کو دیکھ لیجئے۔ ایک صاحب معترض ہوتے ہیں کہ کلام پاک تکمیل کو پہونچی ہوئی کتاب ہے کوئی خشک و تر نہیں ہے کہ اسکے اندر موجود نہ ہو کلام پاک مسلمانوں کی کتاب ہے۔ اور بالکل (exhaustive) ہے۔ ایک انگریزی داں اعتراض کرتا ہے کہ سب چیزیں اس کے اندر موجود ہیں۔ تو اس میں انگریزی کہاں ہے۔ اُن سے کہا کہ جناب آپ کا یہ سوال غلط ہے یہ کتاب تو عربی میں ہے۔ اس میں انگریزی کے الفاظ کیسے ہو سکتے ہیں اُس نے کہا کہ آپ کا دعوےٰ غلط ہے کہ اس میں سب موجود ہے انگریزی دانوں کے سوال ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ جواب بھی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ کہا کہ میں ایمان نہیں لاؤں گا۔ جب تک کہ یہ دعوےٰ پورا نہ ہو جائے کہ قرآن شریف کے اندر انگریزی موجود ہے ایک لفظ ہی دکھلا دیں۔ تب میں جانوں کہ قرآن سچا ہے صاحبانِ علماء موجود ہیں۔ اور قرآن شریف پڑھنے والے موجود ہیں۔ میں نے کہا قل ہو اللہ پڑھو . . . . . کفوًا احد۔ دیکھئے وَن موجود ہے اور اس کا ترجمہ احد موجود ہے (چیرز) (سبحان اللہ) اس سے آگے سنئے چار، پانچ سو برس ہوئے کہ امریکہ ظاہر ہوئی۔ رسولِ عرب کے خطہ میں پیدا ہوئے۔ وہاں کی باتیں اس خیال سے انھوں نے کہا اگر آپ یہ بتلا دیں کہ امریکہ کا ذکر ہے تب جانوں کہ آپ کا قرآن شریف کامل ہے۔ بڑے ٹیڑھے سوال کرنے والے ہوتے ہیں۔ امریکہ کا ذکر قرآن شریف میں! اس کا جواب میں عرض کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ سورۂ رحمٰن میں فرمایا ہے۔ رب المشرقین و المغربین دو مشرق

اور دو مغرب۔ ایک طرف تو سورج نکلتا ہے۔ دوسری طرف
رات ہوتی ہے۔ جغرافیہ داں یہ کہتے ہیں کہ یہاں دن ہوتا ہے
تو وہاں رات ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں رات ہوتی ہے۔ تو
وہاں دن ہوتا ہے۔ اس لئے دو مشرق اور دو مغرب دونوں
کا ذکر ہے۔ نئی دنیا اور پرانی دنیا (سبحان اللہ) حضرات
آگے بتاؤں گا۔ تو نہ معلوم آپ کیا کہیں گے۔ ایک صاحب نے
اعتراض کیا۔ بڑے آپ تقریر کرنے والے ہیں۔ بڑے قرآن
کے سمجھنے والے ہیں۔ اگر قرآن شریف میں سب چیزوں کا ذکر
ہے تو بتلائیے۔ شارٹ ہینڈ کا ذکر کہاں ہے۔ اگر آپ کا قرآن
پاک کامل ہے تو جواب دینا مشکل نہیں ہے۔ لیکن آپ نہایت
آسانی سے سمجھ لیں گے۔ سورۂ حمد تو دو مرتبہ نازل ہوا۔ آگے
قرآن شریف پڑھئے۔ الم۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ الخ۔ جتنے
قرآن شریف آپ دیکھیں گے۔ اگر ترجمہ کیا ہے تو ذالک الکتاب
سے۔ الف۔ لام۔ میم کا نہیں کیا۔ یہ شارٹ ہینڈ ہے جیسے
سمجھے یا محبوب سمجھے (چیز) یہ بھید کی بات ہے بھیجنے والا
سمجھے یا جس کے پاس بھیجا گیا ہے وہ سمجھے۔ جو نہ آپ جانیں
نہ ہم سمجھیں۔ پھر آنے سے فائدہ۔ اس کے نافذ کرنے سے
کیا فائدہ ہوا۔ معاف کیجئے۔ ان کو علم حاصل کرتے ہوئے
عمر گذر گئی۔ پھر بھی یہ اس کے مطلب کو نہیں سمجھے۔ کسی سے
پوچھتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ ایک صاحب عبا۔ قبا
جُبّہ پہنے ہوئے ایران سے تشریف لائے۔ پہلے زمانہ میں
گجرات تک موٹر تھی۔ وہاں سے ریل تھی۔ وہاں آکر انھوں
کہا کہ ہم کو ٹکٹ دیجئے ہم ہندوستان کو جانا چاہتے ہیں۔
اس میں لکھا تھا۔ این۔ ڈبلو۔ آر (N. W. R.) سوچا
کہ یہ کیا چیز ہے۔ عبا اور قبا پہنے ہوئے تھے۔ ہمت نہ ہوئی
کہ کسی سے پوچھیں۔ کہا کہ اپنی عقل سے اور (قیاس سے)
معنی نکالیں۔ تھوڑی دیر میں ریل آئی۔ ہر ڈبہ پر لکھا تھا
این۔ ڈبلو۔ آر۔ انجن پر این۔ ڈبلو آر۔ ریل تھی لمبی اور وسیع
سوچا کہ اس سے مطلب ہے "نہایت وسیع ریلوے"
کیونکہ مولانا کے وسیع خیال تھے۔ پھر سوچا کہ کہیں غلطی نہ
ہو کسی چھوٹے بابو سے پوچھیں مگر شرم کی وجہ سے نہ پوچھا
آخر ایک سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہاں کے مقام کے
لحاظ سے رکھا ہے۔ نارتھ ویسٹرن ریلوے (North
Western Railway) کہنے لگے۔ کہ جس گھر کی بات
ہوتی ہے۔ وہ ہی جانتا ہے۔ معمولی قلی بتا دے۔ مولانا
سمجھے نہایت وسیع ریلوے۔ ہندوستان تشریف لائے۔ چھوٹی
لائن ملی۔ اس پر لکھا تھا جی۔ بی۔ آر (J. B. R.)
انھوں نے کہا کہ جوار باجرہ ریلوے۔ جدھر دیکھتے ہیں۔
جوار، باجرہ ریلوے۔ پھر خیال ہوا کہ غلطی تو نہیں ہوئی۔
بابو سے پوچھتے ہیں تو اس نے کہا کہ جودھپور۔ بیکانیر ریلوے
حضرات! اگر دل سے معنی لگائے جائیں تو آپ کا جو جی
چاہے۔ معنی لگائیں۔ حق تو یہ ہے کہ قرآن کے معنی وہ جانیں
جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا۔ چاہے بڑے ہوں
چاہے چھوٹے ہوں۔ وہ بتلا سکتے ہیں کہ دن میں نازل
ہوا یا رات میں۔ صبح نازل ہوا یا شام کو۔ میں آپ سے
پوچھتا ہوں کہ قبلہ کس طرف ہے۔ اس کونے کی طرف ہے
(ایک آواز) مولانا ادھر کو قبلہ فرماتے ہیں۔ آپ غسل کیجئے
پاک ہو جائیے۔ پاک کپڑے پہنئے۔ وضو کیجئے اور یہاں
مصلے بچھا لیجئے۔ اور نہایت خضوع خشوع اور رجوع قلب
سے نماز پڑھئے۔ ادھر کو (قبلہ کی طرف) منہ کر کے نہیں

اُدھر کو منہ کر کے نماز پڑھئے۔ کیا نماز ہو جائے گی؟ نہیں ہو گی۔ کیونکہ قبلہ غلط ہو گیا۔ قبلہ کیا معنی؟ خانۂ کعبہ۔ آپ فرماتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی۔ چونکہ بیت اللہ کی طرف سے منہ پھیر دیا۔ اگر اللہ کے بیت کی طرف سے منہ پھیرنے سے نماز نہیں ہوتی تو اہلِ بیتؑ سے منہ پھیرنے سے نماز کیسے ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ اپنی زبان وحی ترجمان سے فرما گئے ہیں کہ یہ دو چیزیں میں چھوڑتا ہوں۔ قرآن اور اہلِ بیتؑ۔ یہ دونوں چیزیں علیحدہ نہیں ہوں گی۔ ان دونوں چیزوں سے تمسک کرنا۔ ان کو چھوڑنا نہیں۔ آپ بہت دیر سے یادگار کی باتیں سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ تیرہ سو برس ہو گئے۔ جناب یحییٰ بھی قتل ہو گئے۔ ایک زانی فاحشہ کی وجہ سے۔ اس کے بطن سے جو لڑکی تھی اوسکو چاہتی تھی کہ بادشاہ کے عقد میں آ جائے۔ اُنھوں نے کہا کہ اوسی کی لڑکی ہے حرام ہے بادشاہ کو شراب پلائی گئی۔ اور یحییٰ کو قتل کر دیا گیا۔ اُن کا قتل ہونا تھا کہ خون جاری ہو گیا۔ سو برس تک اُس خون نے جوش مارا۔ جس وقت تک اُس ملعون کے خاندان میں ایک شخص رہا تو خون بند نہیں ہوا۔ جب وہ خاندان ختم ہو گیا تو خون بند ہو گیا۔ یہ خونِ ناحق کیسا بہایا گیا کہ تیرہ سو برس ہو گئے۔ لیکن اب تک مسلمانوں کے قلب میں اس کا جوش کم نہیں ہوتا۔ سید مظلوم کی یہ لڑائی ملک گیری کے واسطے نہ تھی حسینؑ کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی۔ مدینہ میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یا تو بیعت کر دو۔ یا اپنے سر کو دو۔ آپ حضرات سن چکے ہیں۔ نہایت پُر اثر تقریریں ہو چکی ہیں۔ کل کے جلسے میں کہا تھا کہ امام حسینؑ نے بچپن میں وعدہ کیا تھا اُس کو پورا کرنے کے لئے آئے تھے۔

پوچھا احمدؐ نے کہ پھر کیا کہو تم دو گے حسینؑ — تم کو تو ہدیۂ امت میں میں دلبر دونگا
مسکرا کر کہا شبیرؑ نے ہاں ہم سمجھے — میرا سر ہدیہ تمہارا یہ میں کیونکر دونگا
میرے دینے کو بہت ہے مجھے خالق نے دیا — بھائی بچے دونگا پسر دونگا برادر دونگا
مجھ سے کیا پوچھتے ہو آپ میں دونگا کیا کیا — ایک ہدیہ دیا تم نے میں بہتر دونگا
اور بدل دینے کو سب گھر لئے جائیگا حسینؑ — جو جو امت پہ پڑے گا وہ مقرر دونگا
آپ رو دیں نہ تو تفصیل کر دوں دینے کی — یہاں تلک دونگا کہ وسعت بھی باہر دونگا
بالیاں بالی سکینہ کی کرتے یا قرکے — طوق تک بچوں کی منت کے بڑھا کر دونگا

بیعت کرنے کے لئے گورنر یزید بلواتا ہے۔ یہ انکار کرتے ہیں۔ کہاں جاتے ہیں حرم خدا میں شاید اللہ کے گھر میں پناہ مل سکے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ سید الشہدا نے حج کو عمرہ سے بدل دیا دو روز قبل تشریف لے گئے۔ اگر امام حسینؑ کو ملک گیری کی خواہش ہوتی تو مکہ میں دنیا بھر کے مسلمان جمع تھے۔ امام حسینؑ کو اتنے آدمی مل جاتے کہ بہت زیادہ ہوتے۔ کیونکہ مسلمان امام حسینؑ کے مرتبہ کو بخوبی جانتے تھے کیونکہ رسول اللہ مختلف طریقوں سے بتلا گئے تھے۔ کیا شان تھی امام حسینؑ کی۔ سید الشہدا کو معلوم ہوا کہ حاجیوں کی شکل میں کچھ لوگ یزید نے بھیجے ہیں کہ جس وقت طواف میں امام حسینؑ ہوں تو قتل کر دئے جائیں۔ حسینؑ نے گوارا نہیں کیا کہ میرے خون سے حرمت کعبہ میں فرق آئے شعائر اللہ کی عزت کرنے والے تشریف لے جاتے ہیں وہ مقام آتا ہے کہ حرؑ کا لشکر آتا ہے۔ جناب کی لگام پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ عباسؑ کو جوش آ جاتا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں۔

برچھیاں تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے ‏ ‏ نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کماندار بڑھے ‏ ‏ بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

اے عباس یہ لڑنے کا موقع نہیں ہے۔ حر کے لشکر کی یہ حالت ہے کہ سخت گرمی کی فصل ہے۔ گرم ہوا چل رہی ہے۔ سب لشکر پیاسا ہے۔

تھا یہ بپھرا ہوا عباس مرا شیر جواں ‏ ‏ سینۂ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ لے بھائی جاں ‏ ‏ رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امام دو جہاں

کچھ تردد نہیں سر تن سے اتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہل سخا کے شایاں ‏ ‏ کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو حر تو ہے موجود عیاں را چہ بیاں ‏ ‏ اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں

شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ سے باہر نکل آئیں تھیں زبانیں سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے سمجھو کہ بشر ‏ ‏ مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباس دلاور سے کہا گھبرا کر ‏ ‏ مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر

کرم ساقیٔ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب ‏ ‏ چھاگلیں جلد منگا دو مرا دل ہے بیتاب
تھے جو مشکیزوں کے منہ کھول کے آئے ہو شتاب ‏ ‏ متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کار ثواب

چین آیا نہ مجھے سب کو آرام دئے
تھا جو اک جام کا پیاسا اسے دو جام دئے

عرض کرتے ہیں کہ مولا پانی ہمارے پاس کم ہے۔ بچوں کا ساتھ ہے۔ تکلیف ہوگی۔ جناب امام فرماتے ہیں کہ مجھ سے جانوروں کی

پیاس بھی نہیں دیکھی جاتی۔ یہ خدا کے خاص بندے اور ولی اللہ تھے۔ کہ آج تک انکی یادگار قائم ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا گذر چکے۔ لیکن کسی کی یادگار ایسی نہیں ہوئی۔ اس کے طفیل میں دوسرے انبیا کے بھی اذکار ہو جاتے ہیں جب آگے تشریف لے جاتے ہیں۔ کربلا پہونچتے ہیں۔ بنی اسد کو بلاتے ہیں۔ اور زمین کا معاملہ طے کرتے ہیں۔ یہ بتلانا چاہتے تھے کہ کاشتکاروں کے حقوق کیا ہوتے ہیں۔ اس لئے زمین خریدی ہیں بچپن میں شعر پڑھا کرتا تھا۔

زمیں مول لی ہے مزاروں کی خاطر
شہ دیں زمیں پر نشاں کھینچتے ہیں

صلح کے پیغام ہوتے ہیں۔ جس وقت سید الشہدا نے فرمایا کہ میں مدینہ یا ہندوستان جاؤں عمر ابن سعد نے خط بھیجا کہ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ تو جواب آیا کہ تم کو معزول کیا جائیگا۔ یا بیعت لو یا سر بھیجدو۔ جب امام حسینؑ کو یقین ہو گیا کہ کل جنگ ہو گی۔ علم امامت سے جانتے تھے کہ یہ بہتر تن شہید ہو جائیں گے۔ "قلادہ بیعت کو جناب امام نے اٹھا لیا ہے اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو تم جا سکتے ہو۔ ایک صاحب کا قول عرض کروں گا۔

جناب حافظ شیرازی ایک شعر میں کہتے ہیں۔

آنچہ جاں عاشقاں از دست ہجرت می کشد
کس نہ دیدہ در جہاں جز کشتگان کربلا

جینے پہ مرے عشق خدا جس کو نہیں ہے
پتھر ہے محبت کا مزا جس کو نہیں ہے
خاک اس زر و گوہر پہ تمنا جس کو نہیں ہے
اصلی ہے وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہے۔

ڈوبے گا جو حیدر کے سفینہ میں نہیں ہے
نام اُس کا شفاعت کے نگینہ میں نہیں ہے

دل مردہ ہے گر درد بھی سینہ میں نہیں ہے
مرنے میں جو لذت ہے وہ جینے میں نہیں ہے

سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے
زخموں کا مزا اُس کے نگہداروں سے پوچھے

ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ ہو گدا ہو کہ غنی ہو
قصہ یہ اُسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہو

زمانہ آگیا کہ سر دے دیا۔ اب میں آپ سے کہہ دوں۔

اس وقت ظہر کا وقت ہو رہا ہے۔ اس وقت بہت سے شہید ہو چکے تھے۔ ایک شش ماہہ بچہ کو سید الشہدا نے آخر وقت میں پیش کیا ہے۔

میں نے جو کچھ تیری سرکار سے پایا مولا
سب تری راہ میں خوش ہو کے لٹایا مولا

اہل حرم کے متعلق میں ایک شعر سنانا چاہتا ہوں۔ آپ کے قلب ایسے نہیں ہیں کہ آپ اُس کو سن سکیں۔ جناب زینب اپنے ساتھ کیا لائیں بیٹوں کو لائیں ایک چادر تھی اور بھائی تھا۔

بولی زینب چھن گئی چادر میری، اب تو نا بخشش امت کا ساماں ہو گیا۔

(سبحان اللہ)

مصنفہ سید محمد اسمٰعیل تمنا۔ روپباس۔ ریاست بھرتپور

اقتضائے وقت ہے کچھ ہو بیانِ حریت ... آج ہے یاں مجمع دلدادگانِ حریت
جھولیاں دادِ سخن سے آج بھر ہم کیوں نہ لیں ... زینتِ محفل ہیں جب کہ قدردانِ حریت
یاد ہے وہ وقت جب آزادیاں پابند تھیں ... رہ گئی تھی سل کے ہونٹوں سے زبانِ حریت
کوئی بھی پرساں نہ تھا وہ دور نا ہنجار تھا ... کوئی بھی دیتا نہ تھا دادِ فغانِ حریت
سانس تک لینا کٹھن تھا اب فضا مسموم تھی ... اُف بھی کر سکتی نہ تھی اُس دم زبانِ حریت
دیکھ کر یہ کس مپرسی ایک مردِ با خدا ... ہو گیا اک دم کھڑا لے کر نشانِ حریت
کون وہ مردِ خدا دیباچۂ انوارِ حق ... وہ حسینؑ باوفا غمخوارِ جانِ حریت
ساتھ سب کنبے کو لے کر آ گیا میدان میں ... تاکہ دنیا میں کرے اونچا نشانِ حریت
حریت کا کام تھا آغاز بھی حر سے کیا ... تا نہ ہلکی ہو کسی پہلو سے شانِ حریت
ہمتِ مردانہ اُس کے ساتھیوں کے ساتھ تھی ... اس لئے دیتے تھے وہ داد فغانِ حریت
آئی پھر نوبت کیا جامِ شہادت نوش جاں ... دیدیا انصار نے بھی امتحانِ حریت
دیکھ شش ماہہ پسر ہاتھوں سے اپنی رکھ ہی لی ... گو بہت جھنگی رہی تھی اُس کی شانِ حریت
آخرش سر دیدیا اور ہو گیا ذبح عظیم ... ہے اُسی کا فیض یہ نام و نشانِ حریت
آج ہے جو کار فرما دہر میں جذبۂ جہد ... اس میں کچھ کچھ ملتا ہے ہم کو نشانِ حریت

فیض ہے خلاق عالم کا تمناؔ کس قدر
ذرۂ ناچیز ہو تم مدح خوانِ حریت

صدر: جناب حاجی سید ناصر علی صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ شہر آگرہ

تقریر جناب سید مجتبیٰ احسن صاحب قبلہ کامونپوری پی۔ ایچ۔ ڈی۔ جامعۂ ازہر (مصر)

نشست پنجم

بیکر باغ آگرہ۔ ۱۴ر فروری سنہ ۴۲ء

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ الخ

قرآن مجید کی ایک آیت ہے کہ اگر حق لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرے اگر حق دوسروں کے ذاتی جذب اور میلان کیطرف مڑ جائے۔ اس کا اثر انفرادی نہیں ہوتا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ باتیں جو کسی خاص ماحول میں پیدا ہوتی ہیں۔ کسی خاص ماحول میں ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ لیکن خیالات کی پرواز ہماری ان محدود نگاہوں سے بلند ہوا کرتی ہے۔ قرآن مجید اس نقطۂ نظر کو پیش کر رہا ہے۔ لو اتبع الحق الخ۔ اگر حق دوسرونکی طاقت کی پیروی کرنے لگے۔ تو آسمان و زمین اور اس میں جو کچھ بھی ہے وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہم نے اپنا نظام زندگی ہم نے اپنا نقطۂ نظر ہم نے اپنا نقطۂ حیات اس لئے نہیں پیش کیا تھا کہ کسی خاص قوم، کسی خاص قبیلے کسی خاص ملک کو عروج دے دیا جا سکے۔ بلکہ آج سے پہلے یہ ہوا کیا ہے کہ جو نظام زندگی پیش کیا گیا ہے۔ اس میں کبھی فرد کو جماعت پر چھوڑ دیا گیا ہے کبھی جماعت کو فرد پر چھوڑا گیا ہے۔ ہم جو پیش کرنا چاہتے ہیں اس میں فرد اور جماعت کے درمیان توازن پیش کیا جائے گا۔ ہم اس لئے نہیں آئے ہیں کہ خاص جماعتوں کی زندگی سے روشناس کر دیا جائے اور دوسروں کی زندگی چھین لی جائیں۔ بلکہ ہم اس لئے اپنا نظام زندگی پیش کرتے ہیں کہ ایک بین الاقوامی مذہب کی بنیاد ڈالی جائے گی۔ جس کی عمارت انسانیت پر بلند ہو۔

اسلام نے اپنا آخری مقصد پیش کر دیا ہے۔ جو نظام بھی پیش کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ امارت کے لباس میں پیش کیا جاتا ہے۔ خواہ جمہوریت کے لباس میں پیش کیا جاتا ہے اس کے اندر اپنی ذاتی افادیت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جو نظام پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھنے میں خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کا منظر نہایت ہیبت ناک ہوتا ہے۔ کیا اسلام کا نظام بھی اس اقتصادی نقطۂ نظر سے پیش کیا گیا کہ جو لوگ اس نظام کو پیش کر کے اپنے قوم کی اپنے قبیلہ کی اپنے ملک کی اپنی زبان بولنے والوں کی زندگی کو سنوار دیں اور دوسروں کی زندگی کے کندھوں پر انکو سوار کر دیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے کیا تمہارے نظام زندگی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم دوسروں سے ٹیکس وصول کرو۔ دوسروں سے مالگذاری لو اور تم اقتصادی فائدہ اٹھاؤ۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ قدرت نے جو اقتصادی نظام بنا دیا ہے۔ اگر اس کو صحیح معنوں میں روبکار لایا جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سب کا

رازق ہو۔ یہ نظامِ زندگی جو پیش کیا جا رہا ہے اُس کے اندر کوئی اقتصادی جھگڑا نہیں ہے۔ دنیا میں اسلام کے پہلے بھی اور مذاہب آتے رہے ہیں۔ حق شناس لوگ آتے رہے ہیں۔ لیکن اسلام نے جو نظامِ زندگی پیش کیا ہے۔ وہ صحیح معنی میں بین الاقوامی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اسلام کے اصول سے ایک بڑا اصول یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے۔ کوئی طبقہ زمین نہیں ہے۔ جہاں اسلام کی تعریف نہیں کر رہے ہوں۔

یہ اسلام کی وسعت ہے۔ یہ اُس کی ہمہ گیری ہے۔ یہ اس کی رواداری ہے کہ دنیا کے تمام اچھے آدمیوں کی قدر کرتا ہے۔ اور اُنکی عزت کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے پہلے دنیا کی حالت نہایت خراب ہو چکی تھی۔ جس طرح سے آج یورپ تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ روم اور فارس تمام دنیا پر اپنے تکلفات پھیلائے ہوئے تھے۔ اور وہ آپس کے قتل اور لڑائیاں کیا کرتے تھے۔ دوسرے انسانوں کا خون بہایا کرتے تھے۔

اسلام نے اپنا نام صلح اور امن رکھا اور شانتی رکھا دنیا کے جو مذاہب کہنا چاہتے تھے اسلام نے اپنے نام سے پیش کر دیا دنیا کے تمام مذاہب کی باتیں اور اُن کا خلاصہ بھی بتانا چاہتا ہوں ایک بات یہ ہے کہ انسان کا تعلق خاص کیا ہے۔ اسکو معلوم ہو جائے اور دوسرے وہ تعلق جو ایک انسان سے ہے وہ معلوم کیا جائے اسلام کے معنی کیا ہیں۔ لغت میں اسلام کے معنی ہیں سر خم کردن و باہم آشتی نمودن یعنی سر جھکانا اور صلح کرنا اُس نے اپنے نام سے ہمہ گیری سے اتنے معنی بھر دیے ہیں کہ وہ دنیا کے مذاہب کی نمائندگی کرتا ہے۔ یعنی خدا کے سامنے سر جھکاؤ اور ایک دوسرے سے امن و امان کے ساتھ پیش آؤ۔ میں آپ کے سامنے اسلام کے معنی بیان کروں گا تاکہ جو اسلام کے ساتھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ہٹ جائے۔ آپ شاید ہم لوگوں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم اسلام کے نمائندے ہیں۔ آپ کو اسلام والوں کے عمل کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ تو آپ کو غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا حق ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا چاہتا ہوں اسلام کی تاریخ کو پیش کر کے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ تاکہ آپ سفید لباسوں کو دیکھ کر اسلام سے بیزار نہ ہو جائیں۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ مسلمان وہ ہے جو تمام کائنات کو تمام بنی نوع کو اپنے تمام اعضاء جوارح سے امن کا پیام دیتا ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کہ اسلام اور مسلمان کے معنی کیا ہیں۔ اگر آپ ہم سے ڈرتے ہیں۔ اگر آپ کے دل پر ہماری بیجا ہیبت طاری کی گئی ہے تو آپ سمجھ لیں کہ ہم میں اسلام کم ہے۔ اسلام نے جو ایک دوسرے کے حقوق بتائے ہیں۔ ایک دوسرے کے احسانات کی جو زنجیریں پیش کی ہیں۔ اگر ہم اختیار کر لیں تو دنیا جنت بن سکتی ہے۔ اسلام نے تمام چیزوں کو چار قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان چار قسموں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں آتی ان چار قسموں کو ہم مضبوط رکھیں تو کوئی آدمی ایسا ہو سکتا ہے۔ جو اسلام کے دائرہ محبت سے خارج ہو۔ اسلام نے دنیا کے تمام انسانوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ انسان ہے جو اسلام کے نظامِ زندگی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اسلام کا نظامِ زندگی سچا ہے ایک وہ انسان ہے جو اسلام کے نظامِ زندگی کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن وہ اسلام کے اس نظامِ زندگی کے اندر ہے

جہاں اُس نے اپنی حکومت قائم کر دی ہے۔ وہ ایک معمولی سا ٹیکس ادا کرتا ہے۔ بطور اسباب کے اعتراف کے کہ ہم تم سے کسی قسم کی مخالفت نہیں رکھتے۔ ایک وہ جماعت ہے۔ ایک وہ انسان ہے جو اسلامی حکومت کے دائرہ میں نہیں ہے لیکن اُس نے اسلام سے معاہدہ کر لیا ہے کہ ہم تمہاری زندگی کے راستہ میں رکاوٹیں نہیں پیدا کریں گے۔ ہم تم سے اختلاف نہیں کریں گے۔ ایک وہ جماعت ہے جو اسلام سے اور اُس کے نظامِ زندگی سے اور مسلمانوں سے جھگڑتا ہے۔ یہ وہ شدید ترین جماعت ہے جس کے متعلق جو کچھ بھی کہا جا سکے۔ وہ کہا جا سکتا تھا لیکن اسلام نے ان چاروں جماعت کے متعلق کیا احکام رکھے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسا مذہب ہے۔ اُس کو صحیح معنی میں صحیح مذہب کہا جا سکتا ہے۔ یہ صحیح فطری مذہب ہے لوگ اسلام سے بے کھٹکے رہ سکتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے اُس صنف کے متعلق جس نے اسلام کے نظامِ زندگی کا اعتراف تو نہیں کیا ہے۔ لیکن وہ اسلامی حکومت کے دائرہ میں رہتا ہے وہ لوگ جو اسلامی حکومت کے دائرہ میں رہتے ہیں۔ معمولی سا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے اُن کو دھوکا دیا۔ کسی نے اُن کو تکلیف دی۔ کسی نے اُن کو ستایا تو پیغمبرِ اسلام فرماتے ہیں کہ میں قیامت میں اُنکا دامن پکڑوں گا۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ جب اسلام پر ایسا وقت آ جائے اپنی جان و مال سے مدد کریں۔ اُن غیر مسلم کی جن پہ ٹیکس لگے ہوئے ہیں۔ لیکن اُس شاخ پہ جو اسلام کی زندگی کو مانتا ہے۔ اُس پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی ہے۔ کوئی دوسری قوم حملہ کرے گی۔ تو مسلمان اپنی جان سے اپنے مال سے اپنی دولت سے اُسکی حفاظت کریں گے۔ اسی طریقہ سے وہ جماعت جس کا اسلام سے معاہدہ ہو چکا ہے اُس کے متعلق بھی اسی قسم کی احادیثیں ہیں کہ اگر کوئی اُس سے مخالفت کرے گا۔ تو وہ اسلام کا دشمن ہوگا۔ آخر جماعت جس کو شدید ترین جماعت کہا جا سکتا ہے۔ جو اسلام سے جھگڑتی ہے۔ اُن کو حربی کہا گیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو اسلام سے برسرِ پیکار ہوتی ہے۔ اسلام سے مخالفت کرتی ہے۔ اُس کے متعلق اسلام کو چاہیئے تھا کہ وہ اُن لوگوں کی طرح سے جو اپنے دشمنوں کے لباس کو فخر یہ رکھتے ہیں شدید سے شدید تدبیر کو اختیار کر لیا ہوتا۔ لیکن اتنی شدید جماعت کے لیئے جو اسلام سے مقابلہ کرتی ہے۔ اسلام کو ٹھکراتی ہے۔ اسلام نے کہا ہے کہ جو تمہاری مخالفت کرتے ہیں۔ جو تمہارے مال و اسباب کو لوٹتے ہیں۔ جب تم کو قابو ہو جائے تو ایسا نہ ہو کہ تم اُن کے ساتھ مقابلہ میں بدلہ لینے میں پستی کے ساتھ پیش آ کر مجرم نہ بن جاؤ۔ جو جو خون کے اختلافات کی وجہ سے اُنکی دشمنی کی وجہ سے تم کو تکلیفیں پہونچی ہیں۔ کبھی تم کو کامیابی ہو جائے تو ایسا نہ کرنا کہ تم اُن کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آؤ۔ تم عدل و انصاف کو اپنا نقطۂ نظر بنائے رکھنا۔ یہ چار جماعتیں ہیں۔ جس میں انسانوں کو اسلام نے تقسیم کر دیا ہے۔ اس وقت اگر اسلام کے تمام مصالح نمایاں کر دیئے جائیں۔ اور جیسا نظام بنتا ہے۔ اُس نظام کو بروئے کار لایا جائے تو کیا صحیح معنی میں اسلام سے کسی کو اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ کوئی دشمن ہو سکتا ہے۔ اسلام سے کسی کو بیزاری کا موقعہ مل سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسلام نے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو پیش رکھا۔ اس نے اُن تمام چیزوں کو جو انسان کو محدود نقطۂ نظر میں پیش کرتا ہے اُٹھا دیا۔

جھگڑے نسل۔ زبان اور اقوام کے نقطۂ نظر سے ہوا کئے ہیں اسلام نہ کسی قومیت کا قائل ہے نہ کسی زبان اور نہ کسی رنگ کا محتاج ہو سکتا ہے۔ تمام چیزیں جو انسان کو انسان سے جدا کرتی تھیں۔ اسلام کے راستہ سے ہٹادی گئی ہیں۔ اسلام نے ایک ایسا بین الاقوامی مذہب پیش کر دیا جس کی بنیاد انسانیت پر رکھی تھی۔ ایک ایسے پیغمبر کو ایسے نمایاں طور پر پیش کیا جس نے تاریخ میں اسلام کے آنے سے پہلے بین الاقوامی شخصیت حاصل کر لی تھی۔ اسلام نے اپنے نقطۂ نظر کو بین الاقوامی حیثیت سے پیش کرنے کے لئے۔ بین الاقوامی پیغمبر کو برابر قرآن میں پیش کیا ہے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا قرآن کا مطالعہ کرتے وقت قرآن میں اس قدر حضرت ابراہیم کا ذکر کیا ہے کہ کم کسی پیغمبر کا اس طرح ذکر کیا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب ابراہیم تمام صلحاء اور انبیاء میں جامع حیثیت رکھتے تھے اور دنیا کے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی حیثیت سے اُنکی بین الاقوامی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ ایک فرقہ جو برش کہلاتا ہے وہ اپنی نسبت جناب ابراہیم کی طرف دیتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہودی اور نصارا جناب ابراہیم کو اپنا پیشوا اپنا مرکزی انسان تسلیم کرتا ہے اسی طریقہ سے دوسرے ہندوستانی مورخین نے کہا ہے کہ ہندوستان میں برہمن طبقہ اُن کے نام کا ایک جزء بھی ہو جاتا ہے وہ جناب ابراہیم سے اپنی نسبت سمجھتا تھا۔ لوگ بھول گئے ہوں گے۔ لیکن قدیم تاریخ سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ یہ بین الاقوامی پیغمبر جس کا رشتہ تمام مذاہب سے جڑا ہوا ہے اس نے جو اصول زندگی پیش کیا اسلام نے اُس کو پیش کیا اور ہزاروں احکاموں میں لپیٹ کر اس میں جو رموز انسانیت پیش کئے ہیں اسکو اسلام نے زیادہ نمایاں کر کے پیش کر دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قدیم تاریخ میں ہے کہ غلط طور پر مذہب کو

زندگی کے خلاف استعمال کیا جانے لگا تھا یہ سوال در پیش تھا کہ زندگی مذہب کے لئے ہے یا مذہب زندگی کے لئے ہے۔ اکثر اس کو لوگ بھول جاتے ہیں۔ جو کسی مذہب پر قائم ہو جاتے ہیں۔ اس کے صحیح جاننے والے نہیں ہوتے ہیں تو ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں یہ کہا جاتا تھا زندگی مذہب کے لئے ہے۔ مذہب زندگی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا اثر انسان کی عبادت اور طرز زندگی پر پڑنے لگا۔ اور معبدوں میں اور عبادت خانوں میں جہاں خدا کا نام لیا جاتا تھا بطور عبادت کے انسان کا خون بہایا جاتا تھا۔ انسان کی قربانی دنیا کے ہر حصہ میں پیش کی جاتی تھی۔ اس کو بڑا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔ یہ بین الاقوامی پیغمبر جس کی ہستی کو تمام مذاہب کے لوگ بطور مثال سمجھتے تھے اور تمام مذاہب کے لوگ اُن کو اپنا پیشوا سمجھنے لگے تھے۔ اُنھوں نے بہت سے انقلابات پیش کئے۔ ایک بہت بڑی چیز جو مذہب کی بنیاد یعنی انسانیت اُس کو خطرہ سے بچا لیا۔ جیسا کہ میں نے آپ سے بیان کیا کہ عبادت خانوں میں مذہبی نقطۂ نظر سے انسان کا خون بہایا جاتا تھا، اس کو بہت بڑی عبادت سمجھتے تھے۔ جناب ابراہیم کے دماغ پر قدرت نے القا کیا۔ حکمت ربانی اس پر مقتضی ہوئی کہ اس بدترین اور فرسودہ رواج کو کہ خدا کے نام پر انسان کا خون بہایا جائے۔ اس رسم کو ایک ایسے حسین انداز میں مٹایا جائے خوبصورت طریقہ سے مٹایا جائے کہ لوگوں کی نگاہیں موڑ جائیں اُن کے مشرکانہ دماغ پر ایک ایسی بجلی گرادی جائے کہ وہ نہ اس روگ کو مٹا دے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ رسم دنیا سے

مٹ جائے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا
جو بین الاقوامی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ جب وہ خواب
دیکھتے ہیں اس انقطاع کے انسانوں کو حیرت ہوتی ہے
کہ ابراہیم نے خواب دیکھا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے
بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ وہ ابراہیم جس نے ہماری زندگی
کے مختلف شعبوں میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ آج وہ اس
پرانی رسم پر مُہر کرے گا اور وہ رسم کو مذہبی حیثیت دیدیگا
چنانچہ ابراہیم کئی دفعہ خواب دیکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
دور دور تک پھیل گیا تاکہ اس کے اثرات دور دور
تک پھیل جائیں۔ جناب ابراہیم کا خواب دور دور تک پھیلا
اور جگہ جگہ کے لوگ اس مقام پر آنا شروع ہو گئے جس
مقام پر یہ قربانی پیش کی جانے والی ہے کہ ایسا انقلاب انگیز
واقعہ ہونے والا ہے کہ جو دنیا کے لئے انقلاب پیدا کر دیگا
جب وہ دن آیا کہ خواب کی تعبیر جناب ابراہیم نے پیش
کرنا چاہی وہ عجیب و غریب دن تھا۔ کہ آپ کو معلوم ہے
اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ انسانیت میں اس کے مقصدِ تخلیق کو
نہ سمجھنے کی وجہ سے کیا کیا فسادات پیدا ہو رہے ہیں۔ اور
ہوتے رہے ہیں۔ انسان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے بڑی
بڑی چیزیں قربان کر دیتا ہے۔ اور صحیح توازن نہیں کر سکتا
جناب ابراہیم اس قربانی کو پیش کر کے بالکل ایک نیا
نقطۂ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے
اپنے بیٹے کو ذبح کرنے جا رہے ہیں۔ آپ نے تاریخ میں
پڑھا ہے کہ جناب ابراہیم نے جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے
کو لٹایا تو اپنی آنکھوں سے پٹی باندھ لی۔ کیا آپ باور
کرتے ہیں کہ جس نے ایسے اہم امر کا ارادہ کیا۔ اتنا بے صبر
اور بے قابو ہو جائے گا کہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔
جناب ابراہیم نے اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی تھی
بلکہ دوسروں کی آنکھوں سے پٹی اتاری تھی وہ دکھانا
چاہتے تھے اور اس بات کو بتانا چاہتے تھے کہ انسانیت
کتنی بلند اور برتر ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا
تم اس کے لئے تھوڑے تھوڑے زمین کے لئے انسان
کو قتل کرتے ہو۔ تم درختوں کے لئے انسان کو قتل کرتے
ہو تم جانوروں کے لئے انسان کو قتل کرتے ہو۔ حالانکہ تم
کو معلوم ہے کہ جمادات سے نباتات کا مرتبہ بلند اور بالا ہے
آپ کو معلوم ہے کہ نباتات سے حیوانات کا مرتبہ بالا ہے۔
سب سے بالا مرتبہ بنی نوع انسان کا ہے۔ لہذا تمام چیزیں
ایسی ہیں کہ جو انسان کے لئے پیدا کی گئی ان سب کا مطلب
یہ ہے کہ ایک خاص توازن کے ساتھ ان چیزوں سے
مستفید ہو۔ جناب ابراہیم کو دکھانا تھا کہ باپ بیٹے کے جو
تعلقات ہیں ان کو قطع نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ آنکھوں میں پٹی
باندھ کر بتانا چاہتے ہیں کہ باپ بیٹے کے تعلقات بالکل
فطری ہیں نہ مذہبی۔ جناب ابراہیم نے جب قربانی
کو پیش کیا تو دنبہ بطور حیوان کے آگیا یہ ایک رمز تھا جو
جانور کی شکل میں پیش کیا گیا۔ تھا۔ جس کو انسان کا فدیہ
قرار دیا گیا تھا۔ اور وہ یہ کہ حیوانات کے نباتات اور
نباتات کے جمادات فدیہ ہیں اور حیوانات سب کے سب
انسان کا فدیہ ہیں (سبحان اللہ) مذاہب نے اپنے احکام
کو ایسے لباس میں پیش کیا ہے کہ ہر شخص اپنی حسب قابلیت
اور اپنی حسب استعداد فائدہ اٹھائے۔ اسلام نے یا دنیا کے مذاہب
نے اپنے احکام کو فلسفیانہ صورت سے نہیں پیش کیا۔ اس لئے کہ

ان مذاہب کا نقطہ نظر یہ نہیں ہوتا تھا کہ چند مخصوص قابلیت کے آدمی فائدہ اٹھالیں۔ جانوروں کا خاصہ اکل و شرب ہوتا ہے اسی طریقہ سے انسان کا خاصہ اور ہے۔ انسانوں میں خاص درجہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ بڑے آدمی اور بڑی صلاحیت کے لئے ایک خاص خاصہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر مذہب نے جب وقت ایک نظام پیش کیا۔ اس میں ایک ایسی لچک رکھی کہ ایک عام آدمی اپنی قابلیت کے اعتبار سے فائدہ اٹھائے۔ ایک اوسط درجہ کا آدمی اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھائے ایک اعلیٰ فلسفی اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھائے جناب ابراہیم نے جو یہ نقطہ نظر پیش کیا۔ اگر پہلے سے کہتے کہ آج سے انسانی قربانی کی رسم اٹھاتے ہیں تو باطل مذہب کے فرد اپنے لئے بڑا دھکا سمجھتے۔ اور کبھی جناب ابراہیم کے اس قول کی جلد سے جلد تعمیل نہیں کرتے۔ انھوں نے ایک انداز میں ایک ہی بات کی اور عقل کی نگاہ سے دیکھ کر ایسا حاذق عمل اختیار کیا کہ دنیا سے انسانی قربانی کی رسم اٹھ گئی۔ حضرات جب کبھی انسانیت پر برا وقت آتا ہے۔ جب کبھی انسانیت کو تباہ و برباد کیا جانے لگتا ہے۔ جب کبھی انسانیت پر ظلم و ستم بڑھ جاتا ہے تو خدا کی رحمت پھر موجزن ہوتی ہے۔ کبھی ابراہیم کے لباس میں نمودار ہوتی ہے۔ کبھی اسمٰعیل کے لباس میں نظر آتی ہے۔ کبھی محمدؐ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کبھی حسینؑ کا لباس اختیار کر لیتی ہے (سبحان اللہ، چیرز)

حضرات! اسلام کے ساتھ بنی امیہ نے اپنا نقطہ نظر پیش کر کے اسلام کو بدنام کرنا شروع کر دیا یعنی وہ مذہب جو دنیا میں انسان کے حقوق فطری کو برابر تقسیم کرنے آیا تھا۔ اور تمام امتیازات مٹا دئے تھے۔ وہ امتیازات بنی امیہ نے بڑھا کر پیش کئے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انسانیت کراہ رہی تھی۔ اور بندگان خدا ایسی مصیبتوں سے سانس لے رہے تھے کہ اتنا ظلم انسانوں پر کبھی نہیں ہوا۔ آپ نے بہت سے مظالم کی تاریخ پڑھی ہوگی۔ لیکن بنی امیہ کے دور میں جو مظالم ہوگئے ہیں۔ جو تکلیفیں بنی نوع انسان کو پہونچ گئی ہیں۔ اسکی یاد میں جگہ نہیں ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دیکھا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام امتیازات کو ہٹا کر انسان کو اس کے فطری حقوق سے آشنا سا کرتا ہے۔ اس لئے انھوں نے اسلام کے خلاف اسلامی لباس اختیار کر کے ایک شدید ترین بغاوت شروع کر دی۔

حضرات! اگر اسلام کے خلاف کوئی جماعت اسلام کے سامنے آتی تو اسلام کو اتنا سخت مقابلہ نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن چونکہ اسلام کے لباس میں یہ جماعت نمودار ہوگئی تھی اس لئے اسلام کے پیش نظر واقعی جانگسل وقت آگیا تھا جو دنیا کی تاریخ میں اس سے پہلے نہ کسی نبی کی طرف آیا نہ کسی عارف کے سامنے پیش ہوا۔ وہ اسلام جس نے اپنا نام امن وامان کا مذہب رکھا۔ اس مذہب کو لوٹیروں کا مذہب بنادیا گیا تھا ڈاکوؤں کا مذہب بنا دیا تھا۔ وہ اسلام جس نے دولت کو ٹھکرا دیا۔ جس نے ہمیشہ امن کے اصول پر نظر ڈالی۔ اس کو حریص بنا دیا۔ آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا۔ اول بڑی تاریخ سب سے پہلے لیٹن (Latin) میں چھپی ہے۔ تاریخ میں لکھا ہوا ہے۔ کہ بنی امیہ نے جنگ میں اپنے دشمن کے خلاف یہ قسم کھائی تھی کہ ہم کو دشمن پر فتح ہو جائے گی۔ تو ہم چین نہیں لیں گے۔ جب تک دشمن کے خون سے ایک نہر نہ بہا دیں۔ ایسی نہر جاری کرنے کے لئے جسم انسانی کا

خون بہایا جا رہا ہے۔ کتنے انسانوں کے قتل کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب دشمن پر کامیابی ہوگئی تو وہ نہر کھودی گئی۔ جس میں قسم پوری کی جائے۔ اور ہزاروں آدمی کاٹ ڈالے گئے لیکن اتنا خون مہیا نہ ہو سکا کہ نہر جاری ہو سکے۔ جب اس میں پانی ملایا گیا ہے۔ تو نہر رواں کی گئی تو انھوں نے محسوس کیا کہ اُن کی قسم پوری ہوگئی۔ اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا وہ چاہتا تھا کہ ایک جماعت ہے جو انقلاب سے شکست ہو کر مغلوب ہوگئی ہے۔ جس کو منافق کی جماعت کہتے ہیں۔ اُس کا بروئے عمل آنا بہت ممکن ہے جو اس وقت ہماری طاقتوں کے مقابلے میں دب گئی ہے ممکن ہے کہ وہ چھپی ہوئی چنگاری کی طرح کبھی شعلہ ور ہو جائے۔ یہ اسلام کے پیشِ نظر تھا۔ دُنیا کے اور مذاہب نے جو اصولِ زندگی پیش کئے ہیں کیا وجہ ہے کہ وہ ناکام ہوتے رہے ہیں فرائیوں کی وہ جمہوریت اسلام کے پیشِ نظر تھی۔ جس میں زندگی کی تجلیاں پیش کی گئیں ہیں۔ قبر کھودی گئی ہے اور وہ بروئے کار نہ آسکی۔ اس کا کیا سبب کیا راز ہے۔ کیا وہ نظام زندگی جو پہلے پیش کئے گئے تھے۔ اچھے نہیں تھے؟ اسلام کہتا ہے کہ مذاہب جو مختلف اوقات میں آتے رہے ہیں وہ حق پر تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُن حکیموں اُن فلسفیوں اور اُن قائدِ کاطرزِ حکومت ایسا مرتبہ نہ حاصل کر سکا۔ کیسا ہی انقلاب پرور نظام زندگی ہو کیسا ہی عمدہ نظام زندگی ہو وہ مستقل طور پر زندگی بخشنے کو کافی نہیں ہوتا جب تک اُس نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی جماعت نہ ہو۔ اسلام سے پہلے نظامِ زندگی پیش کیا گیا۔ بہتر سے بہتر طریقہ نظامِ زندگی پیش کیا گیا۔ لیکن اُس قانون کو عملی لباس پہنانے کیلئے جتنا انتظام ہونا چاہئیے جتنی مدت حاصل ہونا چاہئیے اتنی مدت چلانے کے لئے اتنی مدت تک نظامِ زندگی پر عمل کرانے کے لئے کوئی جماعت پیدا نہیں ہوئی۔ دنیا کی تاریخ میں اسلام وہ پہلا مذہب ہے۔ جس نے حکمار اور صلحار کی اس کمزوری کو محسوس کیا کہ زمانہ میں اُن کو موقعہ نہیں مل سکا۔ کہ وہ ایسی جماعت صلحار کی پیدا کر سکیں۔ کہ اُوس قانون پر عمل کر کے دکھائے اس کے بعد اُنھوں نے بسترِ بیماری پر لیٹے ہوئے۔ جب دم توڑ رہے تھے۔ انھوں نے بتادیا کہ اگرچہ میرا نظامِ زندگی مکمل ہے۔ جو تم کو حیات بخش سکتا ہے۔ اور کبھی نہیں مر سکتا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں نے اور میرے پروردگار نے وعدہ کیا ہے کہ یہ نظامِ زندگی آخر تک کامیاب ہوگا۔ یہ کس بھروسہ پر کہا۔ آج تک اکثر نظام زندگی پیش کئے گئے۔ اُس نظام زندگی کے لئے کوئی جماعت صلحا نہیں پیش کی گئی۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اطمینان ہے کہ میرا نظامِ زندگی کامیاب ہو کر رہے گا۔ ایک ہاتھ میں میں نے قرآن آپ لوگوں کو پیش کیا ہے۔ اور ایک طرف ایک جماعت صلحار پیش کی ہے جو اُس پر عمل کرے گی۔

(سبحان اللہ۔ چیرز)

حضرات! اسلام کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کا ماحصل دماغ ہو۔ جو دماغ کے لئے بنا ہو شاعرانہ طور پر ختم ہو جاتا ہو۔ اسلام نے نظام زندگی اور اصولِ حیات ایسا پیش کیا کہ ایک عام آدمی کو ایک عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک ایسی چیز معلوم ہوتی ہے جس کے اندر حرکت محسوس کرتا ہے۔ لیکن اگر عمل کرتے ہیں تو غیر محسوس

طور پر اپنی زندگی میں ایک حرکت محسوس کرتا ہے۔ ایک
انقلاب محسوس کرتا ہے۔ میں آپ کے سامنے کیا بتا سکتا ہوں
کیا پیش کر سکتا ہوں۔ اس بات کو کہ اگر صرف چند چیزیں اسلام
کی آپ کے سامنے آجائیں تو آپ معلوم کریں گے کہ حقیقتاً اسلامی
زندگی ایسی ہی ہے۔ یا واقعی ایسی نہیں ہے۔ اسلام نے اپنا
نام نور رکھا ہے صلح و آشتی کا مذہب۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ کمزوروں کی
بزدلوں کی صلح و آشتی زیادہ قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ جانتا ہے کہ ایک
وقت ایسا آسکتا ہے کہ ہٹلر کی زبان سے یا جنگی قوموں کی
زبان سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ رحم و کرم اور ایسے الفاظ بزدلوں نے
اپنی حمایت کے لئے بنا رکھے ہیں۔ اس لئے اسلام نے اگر کہا
ہوتا کہ تم عبادت خانہ میں زندگی گذارو۔ تو وہ صحیح معنوں
میں زندگی کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قاعدہ بنایا اس میں
تجلیاں بھر دیں۔ اگرچہ اُن کے بموجب قاعدہ کو استعمال کیا
جائے گا۔ لیکن چونکہ اس میں زندگی کی اسپرٹ ہے، اسرار
بھرے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے اندر زندگی چلتی جاتی
ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نماز کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے
اس کا فلسفہ کیا ہے؟ داؤد میں لکھا ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام
جب جنگ میں جاتے تھے۔ جب بلند مقام ہوتا تھا۔ تو
آپ رکوع میں جاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ سبحان ربی العظیم
وبحمدہٖ۔ اور جب آپ نشیب میں اپنی فوج کو لے جاتے
تھے تو وہ سجدہ میں گرتے تھے۔ سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ
کہتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ نماز کی بنیاد لڑائیوں
میں شروع ہوئی جنگ میں نماز کی بنیاد شروع ہوئی ہے
آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے نماز سے متعلق کیا احکام رکھے
ہیں۔ گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ مسجد میں پڑھی جائے۔
مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ کسی جماعت کے
ساتھ نماز پڑھی جائے۔ پانچ وقت ایک امام اور قائد کے
پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کاموں کا ایک توازن
کرتے ہیں۔ جس کام کو پہلے کرنا چاہئے۔ پہلے کرتے ہیں
جس کو بعد میں کرنا چاہئے۔ اُس کو بعد میں کرتے ہیں۔
آپ اپنے کام کو امام اور رہبر کے اشاروں پر کرتے
ہیں۔ جب گرتا ہے تو گر پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو
تصورات اُس کے دل کے اندر کھنچتے ہیں۔ وہ تصورات
آپ کے دل کے اندر کھنچتے ہیں۔ اُس کے بعد یہ ہوتا
ہے کہ ہفتہ میں ایک دن آتا ہے۔ جمعہ کا تمام شہر کے
لوگ ایک جامع مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک ایسے
قائد ایک ایسے جنرل کے ماتحت اپنی فوجی مشقیں کرتے
ہیں۔ محلہ کا امام زیادہ قانون زندگی سے واقف ہوتا
ہے۔ آپ اپنی چھوٹے چھوٹے شہروں میں ہر روز
پانچ مرتبہ جنگی مشقیں کرتے ہیں۔ اور اپنے نظام زندگی
کو دوہرایا کرتے ہیں۔ یہ سورتے جو آپ پڑھتے ہیں۔
یہ دعائیں جو آپ پڑھتے ہیں۔ اُن کے معنی پر آپ نے
غور نہیں کیا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس لئے ہیں کہ ایک
صلح و آشتی کے پیغام کو طاقت کے ساتھ پیش کیا جائے
تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ صلح و آشتی کی بھیک مانگنے
والے کمزور ہیں اُن کے پاس طاقت نہیں ہے۔ اس لئے
کمزوری کے ساتھ چاہتے ہیں کہ صلح و آشتی کے حیلہ سے
بچ رہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگی زندگی کے لئے میدان
جنگ میں جانے کے لئے جو چیزیں رکاوٹ پیدا کرتی
ہیں۔ ان میں سے مال کا خیال ہوتا ہے کہ ہم میدان جنگ

میں چلے گئے۔ لڑنے کے بعد مارے گئے تو ہمارا گھر بار لوٹ
لے جائیں گے۔ ہم اپنی جائداد کی حفاظت نہیں کر سکیں گے
اس لئے اسلام نے نماز کے بعد جس چیز کو پیش کیا ہے
وہ زکوٰۃ ہے۔ یعنی مالی جذبات پر آپ قابو پا جائیں
آپ کو میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت ہو تو دو منزلیں
آپ طے کر چکے ہیں۔ یعنی فوجی مشق اس کے بعد مالی محبت
تیس دن روزہ رکھوائے ہیں وہ آن کی زندگی
پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب میدان جنگ میں آپ آتے
ہیں۔ آپ کو نظام زندگی کے مختلف احوال ملتے ہیں۔
کھانے کی دشواریاں پینے کی دشواریاں اور سینکڑوں باتیں
جن کے آپ غلام ہوتے ہیں۔ وہ تمام باتیں درپیش
ہوتی ہیں۔ ایک طرف دشمن مقابلہ کرتا ہے۔ دوسری
طرف یہ باتیں آپ کو پسپا کرتی ہیں۔ تیس دن کے
روزہ کے بعد آپ میں توانائی ہو جاتی ہے۔ اور آپ
زیادہ استعداد پاتے ہیں۔ اس دن کے لئے جس دن
زندگی کی لڑائی چھیڑی جا رہی ہے۔ اس کے بعد زندگی
میں ایک مرتبہ آپ کو حج کرنے کو دیا جاتا ہے تاکہ
وطنی زنجیریں جو انسان کو میدانِ جنگ میں آنے سے
روکتی ہیں۔ اور وطن کی محبت جو مانع ہوتی ہے۔ ایک
بڑے جہاد میں شرکت کرنے سے اس پر بھی قابو پا لیا جائے
آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ حج کے لئے جاتے ہیں۔
تو اس میں آپ کیا کرتے ہیں۔ وہ قربانی جو بھیڑ اور اونٹ
کی شکل میں آپ پیش کرتے ہیں۔ اس کو اسلام نے
بطور ایک رمز کے پیش کیا ہے۔ وہ چونکہ صلح و آشتی
کا مذہب ہے وہ چونکہ امن و امان کا مذہب ہے۔ لیکن وہ
چاہتا ہے کہ امن و امان و صلح و آشتی کو ایسے لباس میں پیش نہ کیا
جائے کہ لوگوں میں بزدلی پیدا ہو جائے۔ اس لئے مذہب
کی بنیاد فوجی اسپرٹ پر رکھی ہے۔ آپ حج کو جاتے ہیں۔
بھیڑ یا اونٹ ذبح کر کے آپ خون بہاتے ہیں۔ آپ
مشق کے طور پر چھری چلاتے ہیں تاکہ آپ بھیڑ، بکری
اونٹ کا خون بہا کر اس بات کے لئے تیار ہو جائیں کہ
آپ خون کو بہتے ہوئے دیکھ کر کبھی ڈر نہ جائیں۔ نہ بیوی
بچوں کی محبت نہ بھوک پیاس کا خوف نہ مال کی محبت
کوئی چیز ایسی نہ ہو جو رکاوٹ ڈالتی ہو۔ ایسے موقعہ پر
آپ کو حیرت ہوگی کہ کربلا کی لڑائی میں جس میں چند آدمیوں
کو ہزاروں آدمیوں سے لڑا دیا گیا تھا۔ انھوں نے کیا فوجی
مشقیں کی تھیں۔ ان کے اندر اسلامی اسپرٹ موجود
تھی۔ وہ صحیح معنی میں اسلامی زندگی کے عارف تھے
اس لئے انھوں نے وہ زندگی پائی تھی جو اسلام نے پیدا کر دی تھی انکو جنگی
مشق کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اسلام کی گود میں پیدا ہوئے
تھے اور اسلام کے ساتھ ساتھ جوان ہوئے۔
انھوں نے دیکھا تھا کہ اسلام کا اصل مقصد کیا ہے جب
وہ وقت آ گیا کہ اسلام پر ڈاکہ ڈالا گیا تو فوجی مشق
کا اثر زیادہ ہو گیا۔ آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا۔ کہ
بنی امیہ نے تمام حقوق کو چھین لیا۔ مورخ کامل نے ایک
کتاب تاریخ کی جو لکھی ہے اس میں لکھا کہ بنی امیہ کے زمانہ میں اس
قدر عصبیت پھیل چکی تھی۔ اس قدر حکومت کا نقطۂ نظر
خاص جماعت کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ
زندگی کا حق اپنے لئے سمجھتے تھے۔ اور تمام انسانوں کو
اپنا طفیلی سمجھتے تھے۔ تاریخ کامل میں لکھا ہوا ہے۔ کہ

بنی اُمیّہ نے تمام لوگوں سے جو عرب نہیں تھے اس بات کو مخصوص کیا کہ وہ عربوں کی مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ آپ سب بہت سی جماعتوں پر ہنستے ہوں گے کہ وہاں پر یہ تفریق ہے کہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی مسجد میں نہیں جا سکتا۔ بنی اُمیّہ نے یہ نظریہ پیش کر دیا کہ رنگ نسل اور قوم کے امتیاز کی وجہ سے خدا بھی بٹ جاتا ہے۔ خدا بھی تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جس عبادت خانہ میں سفید رنگ کے لوگ عربی نسل کے لوگ عربی خون کے لوگ نماز پڑھیں اسمیں دوسرے لوگوں کی جماعت کو حکم نہیں تھا۔ بنی اُمیّہ نے یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ عربوں کے سوا کسی کو حق نہیں ہے کہ گھوڑوں پر سوار ہوں۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ یہ کیسے انسان تھے کہ بین الاقوامی جماعت کی باتوں کو محدود کر دیا تھا۔ بنی اُمیہ اور عربوں کے مفاد میں استعمال ہونے لگا تھا۔ اسلام کو ایسی ہیبت ناک اور بدشکل لباس میں پیش کر دیا گیا۔ کہ اُس کا چہرہ بدنما اور بدشکل دکھائی دینے لگا تھا۔ اُس کا حسن غائب ہو گیا۔ بنی اُمیہ اور اُن کے ڈکٹیٹر یزید کی تاریخ کا مطالعہ صحیح معنی میں نہیں کیا ہے۔ یہ یادگار جو منائی جا رہی ہے۔ اس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ یزید کو تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ یزید کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ وہ اسلام کا دین جس نے جمعیت کے ساتھ زندگی کی نباضی کی ہے۔ اس کو شکست دینے کے لئے ایک ایسے جامع نظام کی ضرورت تھی۔ اس لئے اُس نے دنیا کے (لذات) کے فلسفہ کو اپنی گہری نظر سے پڑھا ہوگا۔ کہ اس سے پہلے اس نظم کے ساتھ بینٹم کا فلسفہ کسی نے نہیں پڑھا ہوگا۔ میں آپ سے سفارش کروں گا۔ میں آپ سے فرمائش کروں گا کہ

آپ یزید کے نظام زندگی کو پڑھنا چاہتے ہیں تو یزید کے پیشواؤں کا مطالعہ کیجئے۔ اُس نے اپنی زندگی کا رمز اپنے لائحہ عمل میں بھر دیا ہے۔ بیروت میں عیسائیوں نے ایک کتاب چھاپی تھی۔ اُس سے معلوم ہو گا۔ یزید کا نظام زندگی کیا تھا۔ اُس کا نظامِ زندگی تھا فلسفہ لذات۔ اُس نے اوروں سے اس فلسفہ لذات کو سیکھا تھا۔ مانی اور مزدق کے فلسفہ کو گہری نظر سے پڑھا تھا۔ اُس کے دربار میں اروکٹر وغیرہ حکیم جو فلسفۂ لذات کے بڑے ماہر تھے۔ جنھوں نے دنیا کے مختلف قانون پڑھے تھے۔ جو رات دن مذہب کی شکل دے کر فلسفۂ لذات کو پیش کر رہے تھے یزید کا مقصد یہ تھا کہ سب سے بڑا خوش نصیب انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ لذات کو حاصل کر سکتا ہے۔ اُس کے پیش نظر انسان کی سعادت اور نیک بختی کی معراج یہ تھی کہ انسان اتنی لذات استعمال کرے کہ لذات پر اُس کا خاتمہ ہو جائے۔ یعنی شراب پیتے پیتے۔ یعنی جس طرح سے آپ کہتے ہیں کہ اللہ کا نام لیتے لیتے جو مر جائے وہ نیک انسان ہے اسی طرح بنی اُمیّہ کے ڈکٹیٹر یزید کے نقطۂ نظر سے قابل پرستش انسان وہ تھا جو لذات کو ان اصولوں پر استعمال کرے۔ یعنی اگر دو چار جام پیئں یا دو چار بار زنا کریں۔ دو چار فعل بدکوئی کرے۔ تو وہ اُس کو زیادہ خوش نصیب نہیں مانتے نہایت درجہ خوش نصیب وہ ہے کہ خُمّوں پر خُم لنڈھایا جائے۔ نہایت درجہ خوش نصیب انسان وہ ہے کہ شراب پیتے پیتے اپنی جان دیدے یہ ایک یزید کا نقطۂ نظر تھا جو اُس نے اپنی زندگی میں پیش کرنا چاہا اور عملی طور پر پیش بھی کرتا تھا۔ وہ رنگیلا انسان وہ نہیں

ہوا کہ ہوس تخت پر بیٹھ کر اور خلیفۃ المسلمین کی قبا پہن کر مانی اور مزدق کے فلسفہ کو اسلام کے لباس میں پیش کرتا تھا۔ یہ چیز ایسی تھی کہ اس سے پہلے دنیا میں نہیں پیش ہوئی۔ لوگوں نے انفرادی طور پر برائیاں کی ہیں۔ لیکن کبھی برائی اور بدی کو مذہب کے لباس میں اتنی اہمیت کے ساتھ کہ اس کو ایک خاص نظام کی شکل دے دی گئی ہو۔ اس سے پہلے نہیں ہوا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس کے نظام کو غور سے دیکھا جائے اور اس کے ہر حرف کو پڑھا جائے۔ اس نے انسانوں کی زندگی کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور تمام حقوق انسانی کو چھین لیا تھا میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ عبادت خانوں کے لئے خاص پہرے تھے میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ شرع بنی امیہ کی بن چکی تھی۔ انسانی حقوق تمام ضبط ہو چکے تھے۔ آبرو۔ عزت اور حرمت تمام کی تمام بنی امیہ کی ملکیت تھی۔ کوئی عورت اپنی آبرو کی مالک نہیں تھی۔ کوئی بیٹا کوئی باپ کوئی بیوی۔ کوئی بہن وہ اپنی عزت و آبرو کی مالک نہیں تھی۔ بلکہ بنی امیہ اور یزید اس کا وارث ہوتا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے سینکڑوں ایسے واقعات ہوئے کہ جس نے حسینؑ کو کھڑا کر دیا تھا۔ یہ وہ ذمہ داریاں تھیں جو حسینؑ کے سامنے تھیں۔ انسانیت کے حقوق چھینے جا چکے تھے اور انسان پر تباہی اور بربادی آ گئی تھی۔ اس لئے حسینؑ نے ایک ایسا نظام زندگی عملی طور سے پیش کر دیا اور انھوں نے اپنی جنگ کو ایک خاص نقطۂ نظر سے پیش کرنا چاہا جس کو میں بیان کرنا چاہتا تھا۔ اور بتاتا کہ وہ کیا فلسفہ تھا۔ جس کو انھوں نے بتایا۔ آزادی کے مقابلہ میں پیش کیا اور کس طریقہ سے ایسے فلسفہ کو جس کے اتنی پیچیدگی پیدا کر دی گئی تھی۔ وہ کیونکر پست کر دیا۔ لیکن وقت بھی ہو گیا ہے اس لئے میں تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ (تحسین و نعرہ سبحان اللہ)

از سید محمد رضی صاحب عالی بی اے (علیگ)

رباعی

روزِ اوّل بہ محمدؐ چو نبوت دادند
ہم زہرِ قربا حکم مودّت دادند
آہ در کرب و بلا آلِ نبی را کشتند
اہلِ اسلام چہ خوش اجرِ رسالت دادند

دورِ ابتلا

روزِ ازل چو نوبتِ قالوبلیٰ رسید — اول بلا بہ آدم حق آشنا رسید
چوں بعد از عتاب شدہ توبہش قبول — اینک خطاب تا بہ دگر انبیا رسید
یونس برفت در دہنِ حوت زیرِ آب — در آتش غضب چو خلیل خدا رسید
یحییٰ چو طے نمود رہِ عشق را بسر — ایوب تا بمنزلِ صبر و رضا رسید
یعقوب در فراق چو از گریہ کور شد — یوسف بہ قید خانۂ زلیخا رسید
موسیٰ ز دست جور اگر راحتے نیافت — عیسیٰ بجبر تا سر دارِ فنا رسید
تا زیست خود رسول عربؐ اماں نماند — زاں بعد ایں بلا بہ شہ لافتی رسید
حالا تمام نا شدہ ایں دورِ ابتلا — تا آنکہ نوبتش بہ شہِ کربلا رسید

عالی ہمہ مصائب دنیا کہ ماندہ بود
آخر تمام شد چو بہ آلِ عبا رسید

حسین علیہ السلام

قنبر سید شوکت علی العابدی - بریلوی - ہیڈ مولوی ریلوے ہائی اسکول ٹونڈلہ

حسینؑ وہ جو ہیں عالم میں سبطِ پیغمبر　　حسینؑ وہ کہ علیؑ کی ہے جانِ دل شبر
حسینؑ جسکی کہ پروا نہ رہتی تھی مادر　　جسے جھلاتے تھے جھولا ملائکہ آکر
نبی نے لحمک لحمی جسے کہا اکثر　　پہ انقلاب زمانہ تو دیکھئے کہ ادھر
اُٹھے بتولؑ وحسنؑ اور علیؑ و پیغمبر　　زمانہ آلِ نبیؐ سے پھر گیا یکسر
رہا نہ کوئی شناسائے دلبرِ حیدر　　یزید شوم کے ہونے لگے مطیع بشر
یہ چاہتا تھا مٹا دے لعیں نبیؐ کا گھر　　گیا حسینؑ کی خاطر ہر ایک جا لشکر
سمجھ کے یہ کہ ملے گی نہ اب کہیں پہ مفر　　ہوا وہ عورتوں بچوں سمیت گرمِ سفر

دُر یگانہ دریائے مجمع البحرین
بجوں طیبہ کرب وبلا امام حسینؑ

حسینؑ جس کی شجاعت کنیز فتح غلام　　حسینؑ وہ کہ خدا کا حبیب جنّت کا امام
حسینؑ جس کے کہ منقاد سب خواص وعوام　　حسینؑ وہ کہ شریعت ھُدٰی کی جس کا پیام
حسینؑ بھرتی ہے دم خلق جس کا صبح و شام　　حسینؑ مالکِ تسلیم اور رضا سے ہے کام
حسینؑ جس نے کہ پایا نہ کوئی پانی کا جام　　بلا کے جس کو رکھا تین روز تشنہ کام
حسینؑ جس کا ہوا کنبہ دو پہر میں تمام　　رہا نہ یاد رونا صبر بھی جس کا وہ تا کام
قتیلِ راہِ الٰہی وکشتۂ صمصام　　بوقتِ عصر گلا جس کا تھا بزیرِ حسام
یہ دقتیں یہ مصیبت یہ رنج یہ آلام　　پھر اس پہ طرّہ کہ زخموں سے چور کل اندام

روایت است کہ بر پیکرش زِ تیر و سنان
ہزار و نہصد و پنجاہ و یک جراحت بود

کربلا

اے زمین ہمدوش عرش و ہم جوابِ آسماں　　خاک بھی تیری قسم ایماں کی ہے ایماں کی جاں
سجدہ گاہِ جن و انسان و ملائک بیگماں　　توتیائے چشمِ بینا ہے تو انوں کی توانائی

اے زمین کربلا تیرا ہے کیا پایہ بلند
خاک پہ تیری جھکا دیتے ہیں سر سب ارجمند

سرفروشانِ محبت کی ہے تو مامن بالیقین　　مر مٹے چھوڑا نہ لیکن جادۂ حق الیقیں
تیری عظمت دیکھ کر احباب کرتے ہیں یقین　　قبلہ گاہِ اہلِ ایماں کعبۂ اہلِ یقیں

خانہ زاد لم یلد کا دفن یاں فرزند ہے
صاحبِ قبلہ کا تجھ میں اے زمیں دلبند ہے

جس کے دم سے ہو گئی مٹی عزیز اس خاک کی　　رفتہ رفتہ آج ٹکر عرش سے لینے لگی
تو ہے آدم کی زینت نوح کی مامن بنی　　تجھ پہ وارد ہوتے آئے خلق کے سارے نبی

کیوں ہر اک ذی قدر پر ہوتا نہ لازم احترام
تھی خبر آرام فرما وقت کا ہوگا امام

تو زمیں یوں تو زمیں ہے خاک تیری خاک ہے　　پھر بھی ذرّہ ذرّہ تیرا زینتِ افلاک ہے
جانبِ حق سے جو طینت میں اپنی پاک ہے　　تیرے دامن میں مکیں ابنِ شہِ لولاک ہے

خاک روبی کیلئے حاضر سدا کرّوبیاں
عرشی و فرشی بچھایا کرتے ہیں آنکھیں یہاں

تو زمینِ کربلا گہوارۂ شبیر ہے　　تیری تہ میں جلوہ گر ان کا جوانِ پیر ہے
تیری گودی میں کہیں شبیر کا بے شیر ہے　　اور کسی جا پہ نہاں پیغمبری تصویر ہے

ایک ہی رشتہ میں ہے تسبیح زہرا کا نظام
کوئی دانہ ہے کوئی شمسہ ہے اور کوئی امام

اے زمینِ کربلا پایا ہے کیا تو نے نصیب　　پارہ ہائے لختِ زہرا سے ملی زینت عجیب
دلبرِ محبوبِ حق یعنی حبیب ابن حبیب　　جنت الفردوس سے تیرا ہوا پایہ قریب
لیکے دامن میں شہیدوں کو اٹھے گی خود زمیں
پل سے اُٹھ کر ان کو جانے کی ضرورت ہی نہیں

تیری وقعت کو ہے کافی اے زمینِ کربلا تو بنی دار الشفا، اور خاک ہے خاکِ شفا
قابلِ سجدہ ہوئی مٹی تری صد مرحبا تیری سمرن باعثِ خوشنودیٔ ربِ علا
ذکرِ حق سے ہو گئی تسبیح بن کر سرفراز
حد یہ ہے قنبر کہ آخر بن گئی مُہرِ نماز

درسِ حُرّیت

جناب مولوی خادم علیخاں صاحب اختر میونسپل کمشنر آگرہ

دامنِ زخم سے ایسی بھی ہوا آئے گی عرش کے قلبِ منور کو ہلا آئے گی
شامِ غربت میری پیغامِ سحر لائی ہے پھر اذانِ علی اکبر کی صدا آئے گی
پھر ہے آئینِ حیاتِ ابدی کا اعلان زندگی ڈھونڈنے گھر گھر میں قضا آئے گی
خاک سے داغِ جبین نور بداماں ہوگا اگلے وقتوں کی ہی سجدوں میں ادا آئیگی
دلِ بیمار میں ہے جوشش دعائے سجاد حمد کی سینۂ مومن سے صدا آئیگی
غم کو پھر انتسابِ ندامت کی ہوتی ہے توفیق جن میں شوخی تھی اُن آنکھوں میں حیا آئیگی
جادہ افروز ہے شبیر کا ہر نقشِ قدم اب تو لبیک کی منزل سے صدا آئے گی
کھول دو زخمِ جگر نام علیؑ کا لے کر فال یہ ہے کہ نمکداں میں دوا آئے گی
توڑ کر پھینک غلامی کی طلائی زنجیر حریت تیرے غلاموں پہ فدا آئے گی
خشک ڈھانچہ میں ذرا جوشِ عمل پیدا کر صدقہ ہونے کے لئے نشو ونما آئے گی
فاقہ کرنا تجھے آجائے تو صبر آئے گا تشنگی درس ہو تیرا تو دعا آئے گی
اب فضا یہ ہے کہ دنیا میں ہوا اور چلے اب ہوا یہ ہے کہ زنداں میں ہوا آئے گی
اے جواں شیوۂ قاسم کو بنا لے دستور خشک پتوں میں تجھے بوئے حنا آئے گی
اے مسلمان مسلمان ہے تو میداں میں آ کب حرارت تجھے لے مردِ خدا آئے گی
تیرے بچوں میں نہیں عون و محمد کی امنگ تجھ میں خو جعفرِ طیار کی کیا آئے گی
جب تک عباس سا بھائی نہ تڑپتا دیکھے سر میں کیا خاک اُخوت کی ہوا آئے گی
زد پہ نیزہ کی نہ جب تک ہو تیرا لختِ جگر موت کیونکر تجھے اکبر کی رُلا آئے گی
کوئی بے شیر تیری گود میں تڑپا ہی نہیں کیوں تجھے فدیۂ اصغر کی ادا آئے گی
تیری ناموس نہ کھولے نہ تری آنکھیں جھپک کب ترے ذہن میں زینب کی ردا آئے گی
ہے اگر سجدۂ تکبیر پہ ایمان تیرا تہ خنجر بھی نکل جائے گا ارمان تیرا

تقریر جناب پنڈت راج ناتھ کنزرو صاحب منیجر وکٹوریہ ہائی اسکول و رئیس۔ آگرہ

ممبر ڈلیگیس آف انڈیا پارلیمنٹ دہلی

جناب صدر مولانا حسن نظامی صاحب اور معزز حاضرین

قبل اس کے کہ میں آپ لوگوں کے سامنے کچھ عرض کروں میں صاف طور سے کہنا چاہتا ہوں۔ آج میں نہ معلوم کس وجہ سے مرعوب سا معلوم ہوتا ہوں۔ آج مسلمانوں کے بڑے علماء موجود ہیں۔ جن لوگوں کو ان واقعات پر پورا عبور ہے۔ اُن میں مولانا حسن نظامی صاحب بھی موجود ہیں جنہوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ تاریخی لحاظ سے دیکھا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہاں لغزش ہو جاوے اور کہاں میں پکڑا جاؤں۔ گذارش یہ ہے کہ اگر فی الواقعی لغزش ہو تو آپ براہِ کرم یہ سمجھ کر کہ میں غیر مسلم ہوں مجھے معاف فرمائیں گے (چیرز) یہ سانحہ معمولی بات نہیں ہے۔ جتنا کربلا کے واقعہ کو میں نے پڑھا ہے یا جتنا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جو احساسات مجھ پر پیدا ہوئے ہیں اور میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں وہ آپ لوگوں سے قطعی جداگانہ نہیں ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں ایسا دردناک و جگرخراش واقعہ شاید ہی دوسرا ہوا ہو۔ (لوگ روئے) میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس واقعہ کے اندر اتنی شقاوت بھری ہوئی ہے کہ مجھے تو کوئی ایسا واقعہ ذہن میں اس وقت نہیں آتا۔ جس میں دنیا کی اتنی بُرائیاں کسی شخص نے جمع کر دی ہوں جیسے کہ اس واقعہ میں ہوئیں ہیں واقعہ کو میں تفصیل سے عرض نہیں کروں گا مگر ایک بات اس کے متعلق عرض کرنا ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اگر حسینؓ علیہ السلام شاید مسلمان نہ ہوتے اور نبی کے نواسے نہ ہوتے تو شاید اُن کے اوپر یہ مصیبت کبھی نہیں آتی اُن کی مصیبت کا باعث یہ تھا کہ نبی کے نواسہ تھے اور جو مذہب اُنھوں نے جاری کیا تھا اس کے فدائی تھے۔ فدائی کے لئے دنیا میں اور دوسری چیز ہی کیا ہے۔ بجز اسکے کہ فدا ہو جائے اور فنا ہو جائے۔ حضرت امام حسینؑ جس چیز کے شیدا تھے اور فدائی تھے۔ اُس پر فدا ہو گئے اور فنا ہو گئے (جزاک اللہ) ملاحظہ فرمائیے بعض معترضین کا یہ خیال کہ آخر امام حسینؑ کے پاس آدمی نہیں تھے تو لڑنے کو کیوں پہونچ گئے۔ اُنھوں نے صلح کیوں نہیں کر لی۔ میں مسلمانوں کے جواب سے واقف نہیں ہوں۔ غیر مسلم کی حیثیت سے میں جس نتیجہ پر پہونچا ہوں اُس کو عرض کرتا ہوں۔ میری ناچیز رائے میں حضرت حسینؓ کی ایسی ہستی نہ تھی یا حضرت امام حسینؑ کوئی ایسے معمولی آدمی نہ تھے کہ وہ دنیاوی لحاظ سے ایک بڑے اصول کو نظر انداز کر کے صلح کر لیتے (جزاک اللہ) ملاحظہ فرمائیے ابھی مجھ سے بیشتر جو صاحب تقریر فرما رہے تھے (مولانا حسن مجتبی صاحب کامونپوری) اُنھوں نے اُس زمانہ کے فسق و فجور کی تصویر کھینچی ہے۔ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام نے اس کو پیش نظر رکھا۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال چھوڑ دیجئے کہ حضرت امام حسینؑ نبی کے نواسے تھے اور اُن کے پیش نظر ایک مذہب تھا اُس کو ذہن سے نکال دیجئے مگر اتنا اپنے ذہن میں خیال رکھئے کہ آزادی حُرّیت اور خودداری اور دانائی کے لحاظ سے کیا ایسا کوئی شخص یزید جیسے آدمی سے جسکے قول و فعل کا قطعی کسی طور سے اعتبار نہیں ہو سکتا کیا دنیاوی لحاظ سے بھی عہد و پیما کر سکتا تھا (چیرز) اگر عہد و پیماں کر لیتے تو جیسا کہ مقرر سابق صاحب نے ابھی بتایا حضرت امام حسینؓ کے منصب کے خلاف ہوتا۔

دیکھئے کہ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تھی۔مصلحتاً یہ بات
تھی کہ جو کچھ مصیبت ہے معاویہ کی عمر تک ہے خیال تھا کہ معاویہ
کے بعد پھر شاید معاملات درست ہو جائیں گے اور راہِ راست پر
آجائیں گے۔کیوں لاکھوں بندۂ خدا کا خون کیا جائے۔میں آپ سے
دریافت کرتا ہوں کیا اس میں کامیابی ہوئی۔اگر کامیابی ہوتی
تو کربلا کا منظر کیوں آپ کے سامنے آتا۔اس صلحنامہ کا کیا نتیجہ ہوا
کہ جو خاص بات اس میں تھی اُس کی پابندی نہیں کی گئی اور
یزید کو تخت پر بٹھایا گیا۔اور یزید کو تخت پر بٹھلانے کے بعد
مطالبہ کیا جاتا ہے اور کس سے وہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام
سے کہ دستِ بیعت دو اور کون طلب کرتا ہے۔ایک فاسق و
فاجر یزید جیسا۔کیا یہ ممکن تھا۔میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں
مسلمان تو جواب دیں گے میں جانتا ہوں لیکن کیا کوئی غیر مسلم
بھی کہہ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں حضرت حسینؑ علیہ السلام
کبھی اس کو نظرانداز کر سکتے تھے کہ عہدنامہ کا نتیجہ کیا ہوا کیا اُن کے
واسطے کوئی دوسری شکل تھی بجز اس کے کہ جو اُنھوں نے کیا دنیاوی
آدمی دنیا کے لحاظ سے چاہے جو کرتا مگر حضرت حسینؑ یہ نہیں کر سکتے تھے آج
حسینؑ نے محض مصلحتاً ہی یہ مطالبہ قبول کر لیا ہوتا تو اسلام کا کوئی ذکر آج دنیا
میں قطعی باقی نہیں رہ جاتا اور اگر اسلام کے نام سے کوئی چیز
باقی رہ جاتی تو وہ کوئی اور چیز ہوتی۔بہرحال یہ اسلام جو آپ کے
نبیؐ کا مذہب ہے وہ قطعی نہیں رہتا۔(چیرز) اگر بیعت ہو جاتی
جس کا ذکر ابھی مولانا نے کیا تو اسلام کبھی باقی نہیں رہتا لڑائی
کا ارادہ کبھی حضرت حسینؑ نے نہیں کیا کوئی شخص یا حضرت
حسینؑ ۷۱۔آدمی لے کر یا ۱۱۰ آدمی لے کر ۳۵ ہزار فوج کا
مقابلہ کرتے۔ہرگز نہیں۔ان بیچاروں نے کیا کیا پہلے آگر بیت اللہ
میں پناہ لی۔وہاں بھی دشمن پہونچ گئے۔کربلا گئے۔وہاں پناہ
نہ ملی۔حضرت نے پھر کہا کہ میں عرب کو چھوڑ دوں جہاں کہو چلا
جاؤں اجازت عطا نہیں کی۔یہ ضرور ہے کہ سپہ سالار عمر سعد
تھا۔مگر ابنِ زیاد خون کا پیاسا تھا۔اس کی ضد تھی کہ یا تو
سر دو یا دستِ بیعت دو۔یہ غیر ممکن تھا۔آپ نے سر دے دیا
اور کہا کہ بیعت کے لئے یہ ہاتھ ہرگز نہ بڑھے گا۔فاتح و مفتوح
دنیا میں ہوئے ہیں۔اس لڑائی میں یزید فاتح تھا اُس کو اسکی
بڑی خوشی تھی کہ میرا مطلب حاصل ہو گیا۔میں آپ سے دریافت
کرتا ہوں کہ آج کوئی متنفس ہے۔جو یزید کی حمایت میں
کسی قسم کی آواز نکالنے کو فخر سمجھتا ہو اگر خدانخواستہ کوئی
یزید کی نسل سے بچا بھی ہو اور اگر آپ اس سے دریافت
فرمادیں گے تو صاف انکار کر دے گا (چیرز) حضرت حسینؑ
مفتوح تھے اور مقتول تھے بے حرمتی ہوئی بے عزتی ہوئی تمام بربادی ہوئی
اولاد کے گلے اپنے سامنے کٹوائے اپنا خون دیا۔لیکن اگر
زندہ ہیں تو آج حضرت حسینؑ علیہ السلام ہیں اور مردہ ہے
تو یزید (چیرز) غرض حضرت حسینؑ علیہ السلام درحقیقت زندہ
ہیں۔اس لئے کہ وہ ایک اسپرٹ پیدا کر گئے ہیں۔وہ ایک
حمیت اور کیفیت پیدا کر گئے ہیں۔وہ ایک نظیر
پیدا کر گئے۔جو ہر قوم و ہر مذہب کے
لئے قابلِ فخر ہو سکتی ہے۔(چیرز) جس قوم اور جس دین میں
اس قسم کی خوبیاں ہوں وہ دنیا میں بہت کام کر سکتا ہے
دنیا اسی کا نام لیا کرتی ہے۔ملاحظہ کیجئے۔کہ حضرت حسین علیہ السلام
نے کیا کیا۔اگر آپ دیکھیں تو حضرت حسین میں بڑی بات
یہ تھی۔حضرت حسینؑ میں اور یزید میں کتنی باتوں کا مقابلہ تھا۔
(۱) ایک طرف صداقت تھی اور ایک طرف کذب
Truth against Falsehood.

(۲) شرافت کا مقابلہ رذالت سے تھا۔

Nobility against meanness.

(۳) حسن کا مقابلہ ذم سے تھا اور کیا تھا۔

Beauty against ugliness.

(۴) یعنی اللہ کی خدمت کا مقابلہ خود غرضی سے غرض یہ ہے
کہ حسینؑ زندہ تھے۔ قوم کے لئے اور امت کے لئے۔ اور یزید زندہ
تھا اپنی ذات کے لئے اور کیا مقابلہ تھا۔

Service against Selfishness.

یعنی محبت اور سعادت کا مقابلہ ظلم اور تعدی سے ہے پر یہ بھی
سوچئے کہ وہ اپنے عزیزوں کا اور پیاروں کا امتحان کرتا ہے۔ اور
جب اپنے اور اپنے پیارے امتحان میں پورے ہو جاتے ہیں
تو غیر بھی عزیز اور پیارے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حسینؑ علیہ السلام
اپنے امتحان میں پورے اُترے۔ اُنھوں نے میری دانست میں
تین باتوں کے لئے خاص طور سے مثال چھوڑی ہے جس کے
اوپر مسلمانوں کو تو کیا میں سمجھتا ہوں اور ہر سمجھدار آدمی کو غور کرنے کی
ضرورت ہے۔ یعنی ایک تو یہ کہ وہ شخص حاکم ہو سکتا ہے جسکی
زندگی جس کو انگریزی میں (Purity)
کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ تمام الائش سے ہر قسم کی الائش ہو یا مالی الائش
ہو کوئی الائش بھی ہو آدمی کو کمزور کر دیتی ہے۔ ان سب باتوں
سے آدمی پاک اور مبرا ہو اور اُس کو اپنے معبود پر پورا یقین
ہو اور وہ کامل آدمی ہو دوسرے کسی کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی
یا زیادتی ہو تو ہمت سے اُس کا مقابلہ کرے اور اُس کو دور
کرنے کی کوشش کرے۔ جس کو پروردگار نے یہ خوبی عطا
کی ہے۔ اگر کسی قسم کی بے انصافی یا زیادتی اُس کے ساتھ ہو
تو خدا پر بھروسہ رکھ کر اُس کا مقابلہ ہمت سے کرے کہ حق

ہمارے ساتھ ہے۔ کامیابی ہماری ہے۔ تیسری بات
جو دنیا میں کی ہے وہ یہ ہے (پبلک ڈکلریشن
آف فیتھ) یعنی یہ کہ جو عقیدہ ہے اُس کو دبایا چھپایا
نہ جاوے۔ ہر وقت ہمت سے اور وضاحت سے اُن کو بیان
کر دیا جائے بلکہ اعلان کر دیا جائے۔ اصول اور عقیدہ کو کسی
مصلحت سے یا کسی وجہ سے دبانا یا چھپانا کسی حالت میں کبھی
جائز نہیں ہو سکتا ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر لڑائی
میں دیکھئے کہ اُنھوں نے اس کی پابندی کتنی کی حضرت
امام حسینؑ نے کبھی یہ مناسب نہیں سمجھا لوگ محض اُن کے
کہنے سے محض اُن کے اعتماد کے اوپر اس لڑائی میں شریک
ہو جاویں۔ اُنھوں نے ہر شخص کو ضمیر کی آزادی دی۔
یہ تاریخی واقعہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے صاف
طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ صورت حال یہ ہے۔ جو لوگ ہمارے
ساتھ سر بیچنا چاہتے ہیں وہ ہمارے ساتھ آئیں اور جو
بیچنا نہیں چاہتے وہ آزاد ہیں اور وہ یہاں سے
تشریف لے جائیں۔ بلحاظ خیالات و ضمیر ہر طرح حضرت
حسینؑ آزادی کو پسند فرماتے تھے۔ میں عرض کرنا چاہتا
ہوں کہ ان تمام واقعات کو دیکھنے کے بعد اس میں
کوئی شک نہیں رہ سکتا کہ یزید نے اپنی شقاوت میں
کوئی کسر نہیں چھوڑی اور یہ اُس وقت تو ضرور زندہ رہا
مگر اب اُس کا کوئی نام لیوا بھی نہیں رہا اور حضرت حسینؑ
نے اپنی زندگی کو انسانوں کے واسطہ بے نظیر مثال
قائم کر دی ہے۔ اب ۱۳۰۰ سو برس ہو چکے ہیں۔ تیرہ ہزار یا تیرہ لاکھ
برس ہو جاویں تو حضرت حسینؑ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا (چیرز)
اور ہر شخص اُن کو تعظیم و تکریم سے یاد کرتا رہے گا۔ (دیر تک چیرز)

تقریر ہزہولی نس مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ دہلوی

جلسہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ۔ نشست پنجم

بتاریخ ۲۴ ر فروری ۱۹۴۲ء بوقت شام

حضرات وقت ختم ہوگیا ہے۔ میں کل انشا اللہ آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں گا۔ اس وقت مجھے جناب پنڈت جی صاحب (راج ناتھ کنزرو صاحب رئیس آگرہ) کی تقریر کی نسبت یہ عرض کرنا ہے کہ میں اتنی صعوبات کھینچتا ہوا آگرہ میں آیا۔ اور اس تقریر کو سننے کے بعد میں نے یہ سمجھا کہ میرا یہ سفر پورا ہوا اور میں اس میں کامیاب ہوا (چیرز) ایسے لایق ایسے انصاف پسند اور ایسے حق شناس شخص کے درشن مجھے ہوئے۔ جو حقیقی معنوں میں اپنے برہمن ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوؤں کے چار ورن ہیں اُن میں سب سے اعلیٰ برہمن اُن کے بعد چھتری اُن کے بعد ویش اُن کے بعد شُدر۔ برہمن برہما سے نکلا ہے۔ جس کے معنی محبت کے بھی ہیں۔ تو محبت اور ایمان اس روپ میں نظر آتا ہے (چیرز) جن کے بزرگوں کی تعلیم، جن کی کتابوں کی تعلیم ہم مسلمانوں کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے وہ قرآن مجید جو حسینؑ علیہ السلام کے گھر میں نازل ہوا اُن کے نانا پر وہ بلند آواز سے اعلان کرتا ہے ....(عربی) ایک کونہ بھی ایسا نہیں ہے جہاں ہم نے اپنا پیغمبر نہ بھیجا ہو اور ہر قوم کے واسطے ایک ہدایت کرنے والا ہم نے بھیجا اُسی قرآن میں یہ فرمایا۔ کچھ پیغمبروں کے نام ہم نے آپ کو بتا دیئے اور بہت سے پیغمبروں کے نام ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔ پس قرآن مجید کے اس اصول کے موافق یہ بر اعظم ہندوستان ناممکن ہے کہ ہادیوں سے اور پیغمبروں سے محروم رہا ہو۔ جس ملک کے پیغمبروں کے نام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوئے۔ اس واسطے ہم صفائی سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ کونسے بزرگ ہندوستان میں ایسے سکتے جن کی نسبت ہم یہ کہہ سکیں کہ وہ پیغمبر تھے۔ البتہ یہاں کی کتابوں سے یہاں کے بزرگوں اور اوتاروں کی تعلیم دیکھنے کی ضرورت ہے سری رام چندر جی اس ملک کے سب سے بڑے اور نامور اوتار تھے۔ اُن کے گرو وششٹ جی اپنی کتاب یوگ وشسٹ میں کہتے ہیں.... (سنسکرت اشلوک) سنتوش اور صبر میں بڑا نفع ہے۔ امام حسینؑ کا صبر اور شکر دنیا پر ظاہر ہے۔ اُنھوں نے رام چندر کے گرو وششٹ جی کی تعلیم پر عمل کیا جس میں اُنھوں نے فرمایا ہے کہ صبر میں بڑا نفع ہے (چیرز) وششٹ جی نے فرمایا (سنسکرت اشلوک)... سوچنا وچار کرنا بڑی عقل کی بات ہے پنڈت جی نے تاریخی اصول سے تاریخی نظریوں سے جس طرح سے امام حسینؑ کی زندگی پر غور کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وچار کی طاقت بھی بہت زیادہ ہے اور وہ طاقت اُن کو اپنے بزرگوں کی تعلیم سے حاصل ہوئی ہے۔ وششٹ جی نے فرمایا ..... (سنسکرت اشلوک) سب کو ایک نظر دیکھنے میں بڑا سکھ ہے۔

ہندوستان کے ایک انسان کی حیثیت سے پنڈت جی نے یزید کی زندگی کو اور امام حسینؑ علیہ السلام کی زندگی کو غور سے دیکھ کر فرق معلوم کیا اور اس سے جو نتیجہ نکالا اس کا اثر اس ہندوستان کی قوموں پر یہ پڑتا ہے کہ اگر پنڈت جی کے نقطۂ نظر کی تعمیل کریں اور پیروی کریں اور تقلید کریں تو وہ بھی سب کو ایک نگاہ سے دیکھا کریں۔ اچھائی اور خرابی کا حساب اُن کے دلوں سے دور ہو جائے (چیرز) پنڈت جی نے ہم کو سکھایا کہ ہم دیا سلائی کے بکس سے نصیحت حاصل کریں۔ جو ہر سگریٹ پینے والوں کے جیب میں رہتا ہے اور اس میں پچاس تنکے ہوتے ہیں اور ہر تنکا شعلہ جوالہ ہوتا ہے ایک تنکا گاؤں کے تمام چھپروں کو چند منٹ میں جلا کر خاک سیاہ بنا سکتا ہے لیکن وہ پچاس تنکے ایک بکس میں رہتے ہیں۔ آپس میں کسی کو نہیں جلاتے (چیرز) پنڈت جی نے رامچندر جی کے گرو کی تعلیم سے یہ سیکھا اور ہم کو سکھایا کہ سب کو ایک نظر سے ہم دیکھیں۔ اور کم از کم تفریق نہ رہے۔ ابھی علامہ مجتبیٰ حسنؑ صاحب نے فرمایا تھا کہ جمادات نباتات حیوانات سے انسان اعلیٰ اور افضل ہے تو پھر کیا انسان اس تنکے سے گیا گذرا ہے کہ دو آدمی اپنے گھر میں امن سے نہ رہیں اور پچاس تنکے جن کی سرشت میں جلانا ہے وہ ایک جگہ امن سے رہتے ہیں (سبحان اللہ۔ چیرز) میں آپ سب حضرات کی طرف سے جناب پنڈت جی کا شکریہ ادا کرتا کرتا ہوں کہ آپ نے شروع میں یہ فرمایا کہ وہ مرعوب ہوگئے ہیں۔ اپنی تقریر سے ہم کو بالکل مرعوب کر دیا لیکن یہ مرعوبیت ایسی نہیں ہے جو فاتح لوگوں کو مفتوحوں پر حاصل ہوتی ہے۔ موجودہ جنگ کا ذکر نہیں ہے۔ جہاں

لڑائی اس بات پر ہے کہ دوسروں کو گھبرا دیں اور پریشان کر دیں۔ اور مرعوب کر دیں بلکہ یہ مرعوبیت اس قسم کی ہے کہ جو نفسانیت جو حیوانیت یزید کی شیرازہ میں اس دنیا میں پھیلی ہوئی ہے وہ امام حسینؑ علیہ السلام کے ذکر سے فرو کر دی جائے جس طرح سے پنڈت جی نے بھی فرمایا کہ اب یزید کا نام لینے والا کوئی نہیں ہے اور آپ بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کون باقی رہ گیا تھا۔ جوان بیٹا تمام بھتیجے، بھانجے بھائی سب ہی تو ختم ہو گئے تھے صرف ایک مرد بیمار رہ گیا باقی رہ گیا تھا۔ لیکن آج دنیا میں فاطمی حضرات کتنی تعداد میں موجود ہیں۔ کتنی نسل بڑھی کتنی ترقی ہوئی۔ اس واسطے کہ حق کی حمایت کرنے والے حق پر قربان ہونے والے ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ جس طرح سے وہ دیا سلائی کا تنکا۔ جس کا ذکر میں نے ابھی کیا تھا جب اس کو بکس پر گھستے ہیں تو وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے۔ اس کو پھینک دیتے ہیں۔ لیکن وہ سب میں اوجالا کر دیتا ہے۔ آج بہت سے حسینؑ کے نام لینے والے تمام دنیا میں حسنؑ حسینؑ پکار رہے ہیں۔ یزید کی اولاد بھی شرما رہی ہے اور منہ چھپا رہی ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ شخص یزید کی اولاد میں ہے۔ ہم کو یقین ہے۔ بقول پنڈت جی کے کہ کوئی شاید ہوگا۔ یقین کرو کہ شاید ہوگا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں میں ایک آدمی کا نام تو یزید ہوتا۔ ایک آدمی کا نام تو شمر ہوتا ایک آدمی کا نام ابن زیاد ہوتا ایک آدمی کا نام

ابن سعد ہوتا گو یہ سب لوگ یزید کے حامی ہیں۔ اگر اسکی نسل میں بھی ہیں۔ اگر اُس کو پسند بھی کرتے ہیں۔ اگر اُس کی خلافت کو حق بھی مانتے ہیں۔ اگر یہ بھی کہتے ہیں کہ حسینؑ نے خروج کیا تھا۔ پھر بھی اُن کا ضمیر شرمندہ ہے اور اُن کا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم نے یزید کی نسل کی یا عقیدے کی پیروی کی ہے۔ ابھی جونپور میں مقدمہ ہوا کہ ہم یزید کا جلوس نکالنا چاہتے ہیں اُن کو سنیوں نے روک دیا۔ لیکن جو دستخط کرنے والے تھے اُن سب کے نام حسینؑ اور علیؓ پر تھے۔ میں نے مظفرپور میں ایک جلسہ میں کہا کہ کیا وجہ ہے کہ اُن مدعیان میں شمر اور یزید اور ابن زیاد نہیں ہیں۔ یہ کیسے اُن کے حامی ہیں کہ اپنے بزرگوں کے نام پر اُن کے نام نہیں رکھے گئے۔ ان

چند الفاظ پر ختم کرتا ہوں خدا نے چاہا تو کل نو بجے آپ کی خدمت میں کچھ اپنے خیالات عرض کرونگا۔ اس وقت میں پنڈت جی سے کہتا ہوں کہ میں آپ کا درشن کرنے سے آپ کے نہایت اعلیٰ خیالات سننے سے بے حد خوش ہوا۔ ایک ایسا درس تھا کہ جس میں خلوص تھا جس میں صفائی تھی (چیرز) کسی قسم کی ریاکاری نہ تھی جیسا کہ اس زمانہ میں کی جاتی ہے فیشن ہو گئی ہے میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا ایمان اور ضمیر یہ کہتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اس خاک کے پتلے نے جو کچھ کہا ہے دل سے کہا ہے۔ اس واسطے میرا دل شکرگذار ہے۔ (سبحان اللہ۔ چیرز)

حسینؑ کی کامیابی

از خواجہ محمد امیر صاحب صبا اکبرآبادی

نہ پوچھ مجھ سے جو ہے داستانِ کرب و بلا | کہ اُس زمین پہ تھا امتحانِ صبر و رضا
اُدھر تشدد و پیہم کی تھی فراوانی | اِدھر تھا ضبط تحمل اور حوصلہ افزا
اُدھر تھی لشکرِ افواج کی ستم خیزی | اِدھر تھا ایک مسافر کا خاندان تنہا
اُدھر غرور تھا دنیائے مادیت پر | اِدھر یقین حقیقت کا دور دورہ تھا
اُدھر استبدادیتِ مطلق کی حکمرانی تھی | اِدھر تھا جوہرِ ایثار کامیابِ وفا
اُدھر یہ ضد کہ رہے شان آمریت کی | اِدھر یہ آن کہ جمہوریت ہے سرِ بقا
اُدھر یہ فکر کہ حق کی زبان بند رہے | اِدھر یہ دھن کہ رہیں صرف حق لب گویا
اُدھر غلام بنانے کی روح کو تدبیر | اِدھر لبوں پہ تھی آزادیٔ جہاں کی صدا
اُدھر یہ خبط کہ قوت بنائے عالم ہے | اِدھر یقین کہ قوت ہے ذہن کا دھوکا
اُدھر خیال کہ انسانیت کچل جائے | اِدھر خیال میں انسانیت کی نشوونما
اُدھر جنون کہ شہنشاہیت ہی سب کچھ ہے | اِدھر حقوقِ رعایا نگاہ میں صدہا
اُدھر یہ وہم کہ آزادیٔ خیال ہے جرم | اِدھر غلامیٔ انسان ہے بدترین سزا
اُدھر ستم کی ہوا تند یاں جفا جوئی | اِدھر کرم کی ادائیں وفاؤں کی دنیا
اُدھر سپاہ کی تعداد پہ تھا استحکام | اِدھر حسینؑ کو توحید کا سہارا تھا
جہاں نے معرکۂ کربلا میں دیکھا ہے | یزید ظلم کی شدت سے نامراد رہا
حسینؑ صبر کی قوت کو آزما کے گئے

حسینؑ کی قربانی

تحریر جناب مسٹر جے۔ اے سیمن صاحب اسپیشل مجسٹریٹ آگرہ و آنریری سکریٹری انڈین کرسچین ایسوسی ایشن آگرہ

(مسٹر سیمن صاحب نے جلسہ میں تقریر کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن بسبب ناسازی مزاج تشریف نہ لاسکے اور تحریر مندرجہ ذیل بھیجدی تھی جو شائع کی جاتی ہے)

آج تیرہ سو سال بعد بھی ہم قربانی حسینؑ کو اتنا ہی مؤثر پاتے ہیں۔ جتنا کہ کسی زبردست جنگ کے فاتح پر میدانِ کارزار میں خونِ شہدا کی سرخی انسانی دلوں کو لرزا دیتی ہے تاریخ اسلام کی یہ جنگ تمام جنگوں پر فوقیت رکھتی ہے جنگ نینوا بظاہر آل رسول کی شہادت پر ختم ہوئی۔ انسانی خون کے قیمتی جوہر پانی سے زیادہ ارزاں ہوئے۔ صغیر و کبیر طفل شیرخوار۔ اور پردہ نشین مستورات۔ تین یوم تک بھوک پیاس اور صحرائی تکالیف کا شکار رہیں۔ بیرحمی۔ درندگی اور سفاکی کی تمام حدیں۔ ظلم و جبر کی تمام انتہائیں میدانِ کربلا میں تمام ہوئیں۔

امام عالی مقام صبر ایوب کو بھی شرمسار کر دینے والے صبر کے ساتھ سینہ سپر ہو کر ان تمام مظالم کا مقابلہ کرتے رہے اور سہتے ہی رہے لیکن جب کبر و ریا حد سے گذر گیا۔ باطل سر چڑھنے لگا۔ انسانیت کی جگہ درندگی نے لے لی۔ اور سب سے بڑھ کر اسلام کے ہرے بھرے باغ میں فسق و فجور کی آندھیاں چلنے لگیں تو حسینؑ نے محسوس کیا کہ اب اس باغ کو سینچنے کی ضرورت ہے۔ دینِ مصطفےٰ کی تکمیل ایک زبردست قربانی کی محتاج ہے۔

جرأت و بہادری۔ صبر و رضا۔ استقلال اور ہمتِ مردانہ کو لے کر حسینؑ میدانِ کارزار میں آئے۔ اپنی مٹھی بھر جماعت کے ساتھ لاکھوں کی فوج کے سامنے تن گئے۔ اور انسانوں کے روپ میں چھپے ہوئے درندوں کو بتا دیا کہ حق اور انصاف کی کبھی شکست نہیں ہوتی۔ مرد ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہے۔ مرد آزادی کو جان سے زیادہ پیارا رکھتا ہے۔ اور سب سے بڑا بہادر وہ ہے جو خود ہنستا ہوا مر کر اپنی قوم اور جماعت کو تباہی سے بچالے۔ جو حق و راستی کی راہ میں اپنے خون کی قیمت نہ سمجھے اور اپنے ضمیر اور اپنی آزادی کو دنیا کی کسی قیمت پر نہ بیچے۔

حسینؑ نے فرمایا۔ "یہ وہ دور کفر آگیا ہے کہ مومن کو مر جانے کی تمنا کرنا چاہئے۔"

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی؛ جو رہا تو نام حسینؑ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

واقعۂ کربلا آج بھی دنیا کے ہر انسان کو بلا لحاظ قوم و ملت یہ درس دیتا ہے کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت

بدرجہا بہتر ہے۔ جو راہِ حق و سچائی میں قربان ہوا وہ زندہ جاوید ہو گیا۔ بقا صرف سچی قربانی کو حاصل ہے ؎

مٹا ہے اب تک نہ مٹ سکے گا۔ رہا ہے اور حشر تک رہے گا
حسینؑ زندہ ہیں مٹ گئے وہ جو دینِ حق کو مٹا رہے تھے

حسینؑ کی قربانی قوموں کی بقا۔ اور جہادِ آزادی کیلئے ایک ایسی مشعل راہ ہے جو ابدآلاباد تک روشن رہے گی۔ حسینؑ کی قربانی صرف شور و شیون اور گریہ و بکا کے لئے ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہر سال زبانِ حال سے پکار پکار کر دنیا کے ہر انسان کو قربانی اور حق پرستی کی تعلیم دے رہی ہے حسینؑ کی شہادت شکست نہیں بلکہ اسلام کی کبھی نہ مٹنے والی فتح ہے۔ اسلام اس گرانقدر قربانی پر فخر کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ خوش بخت ہے وہ قوم جس میں ایسا جانباز مجاہد پیدا ہوا۔

کردیا خونِ شہادت سے زمیں کو لالہ رنگ
یوں ہی ملتی آئی ہیں اسلام کو آزادیاں

صدر جناب ڈاکٹر خواجہ اے۔ اے۔ انصاری ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ انجنیر آثار قدیمہ
بیکر باغ آگرہ۔ ۱۴؍ فروری سنہ ۱۹۴۲ء بوقتِ شب۔ اجلاس ششم

کربل نگری

از شاعرِ اہلبیت جناب نجم آفندی نجمی اکبرآبادی

سن ساٹھ تھا سنسار میں ڈالے ہوئے ڈیرا — چھایا ہوا تھا پاپ کے بادل کا اندھیرا
بھولا ہوا تھا پالنے والے کو زمانا — دھرتی پہ غریبوں کا نہ تھا کوئی ٹھکانا
اسلام تھا اک خون میں ڈوبا ہوا لاشا — روزوں کی ہنسی تھی تو نمازوں کا تماشا
شیطان کے بندوں نے مٹا رکھا تھا اسلام — تلوار کی شکتی کو بنا رکھا تھا اسلام
سکھ روگ کی اگنی میں تھیں پکی ہوئی نظریں — مایا کے چمتکار سے بھٹکی ہوئی نظریں
ہر بات میں کھوٹ تھی تو ہر کام میں کھوٹ — سینے کی ملاوٹ سے تھا جیون میں بڑا کھوٹ
انیاو کا تھا راج تو اپرادھ کی جے تھی — قرآن کے اپدیش کی ہلی ہوئی لے تھی
چھوڑے ہوئے ست دھرم کی چاہت کو یزیدی — سنگوائے ہوئے بیٹھے تھے دولت کو یزیدی
عزت کا غریبوں کے لئے کال پڑا تھا — مایا کا جو مالک تھا وہی سب میں بڑا تھا
دنیا کے مزے ظالم شامی کیلئے تھے — کمزور امیروں کی غلامی کیلئے تھا
ہاتھوں میں نہ کس بل تھا نہ تھی خون میں گرمی — دش بیچ جو دھرمی تھے ہزاروں تھے ادھرمی
کہلاتی تھی اچھی وہی جو بات بری تھی — سچائی کی گردن پہ حکومت کی چھری تھی
بے رحم نگاہیں یہ مزے لوٹ رہی تھیں — مزدور کے سینے کی رگیں ٹوٹ رہی تھیں
لائیں تھیں بہا پاپ کی برسات شرابیں — پانی کی طرح اڑتی تھی دن رات شرابیں
سنسار نظر آیا جو اپدیش کا پیاسا — کوفہ کو چلا گھر سے محمدؐ کا نواسا
اچھا تھی کہ گرتی ہوئی دیوار سنبھالے — اللہ کے بندوں کو برائی سے بچالے
تلوار نہ رستے میں اٹھائی تھی کسی پر — لڑنے کا تھا سامان نہ چڑھائی تھی کسی پر
لپٹے تھے وہ چرنوں سے جو تھے جاں ہونے والے — کچھ ساتھ کے کھیلے ہوئے کچھ گود کے پالے
ساتھی بھی وہ پائے جو رشی اور منی تھے — بچے بھی تو اس گھر کے گیانی تھے گنی تھے
بھارت کے بسیا نہ انھیں ہاتھ سے کھوتے — کہلاتے وہ اوتار جو اس دیس میں ہوتے
شبیرؑ کے قبضہ میں تھا لشکر نہ ریاست — سچائی کی پونجی تھی اور اولاد کی دولت
کرتار کی مایا تھی نہ اپنی نہ پرائی — بیٹا تھا برابر کا برابر کا تھا بھائی
بھائی کی کمائی تھی بہن کے تھے دلارے — دھرتی پہ چمکتے ہوئے آکاس کے تارے
سب چھوٹے بڑے مل کے تھے گنتی میں بہتّر — ننھے ابھی کمسن تھے کہ جھولے میں تھے اصغر
اٹھارہ برس والے تھے نانا کی نشانی — تھی روپ میں اکبر کے پیمبر کی جوانی
سب کہتے تھے ماں باپ کے سایہ میں بڑھیں گے — کنبہ کو یہ آشا تھی کہ پروان چڑھیں گے
پردے میں تھیں کچھ بی بیاں چہروں کو چھپائے — سہمے ہوئے بچوں کو کلیجوں سے لگائے
یثرب سے نکل کر کہیں آرام نہ پایا — رستہ وہ کٹھن جس میں نہ پانی تھا نہ سایا
وہ دھوپ کڑی اور وہ گرمی کا مہینہ — بہتا ہوا وہ چاند سے ماتھوں سے پسینہ
مرجھائے ہوئے دھوپ میں تھے ننھے سے چہرے — سنولائے ہوئے روپ میں تھے پھول سے چہرے
کوفہ بھی نہ پہنچے تھے ابھی سیّد والا — رستے میں ملا شام کے حاکم کا رسالا
تھی شہر میں شبیرؑ کے جانے کی مناہی — ناکہ پہ تھے یہ ایک ہزار ایک سپاہی
آپس میں مگر کوئی نہ چھوٹا نہ بڑا تھا — ایک ایک جواں موت کے چکر میں پڑا تھا
بپتا تھی کڑی دل کو نظر آتے تھے تارے — جنگل میں پڑے پھرتے تھے سب پیاس کے مارے
جانے کو تھیں پانی کے لئے ہاتھ جتائیں — گھبرا کے نکل آئی تھیں ہونٹوں پہ زبانیں
سردار بھی لشکر کا تھا جلتی سے نراسا — رحم آگیا سید کو انھیں دیکھ کے پیاسا

پن کر کے بھی شرمائے جو دانا ہو تو ایسا
دشمن پہ ترس کھائے جو دانا ہو تو ایسا

ہونٹ آ سکے پہ کھل گئے مشکوں کے دہانے
اک آن میں سب لٹ گئے پانی کے خزانے

برکھا کی جھڑی بن کے برسنا رہا پانی
سوکھے ہوئے جنگل کی زمیں ہو گئی پانی

کیا دل تھا کہ اپنے لئے قطرہ نہ بچایا
سب پی چکے جب گھوڑوں کو اونٹوں کو پلایا

جب پیاس بجھی بھول گئے موت کا آنا
گن ایک نے بھی جان بچانے کا نہ مانا

جان آ گئی دیہی میں یہ دو گھونٹ جو پی کے
پہنچا دیا مقتل میں نواسے کو نبی کے

پردیس میں دھوکے سے بلا کر اسے مارا
احسان کا یوں بھی کوئی کرتا ہے اتارا

جلتی ہوئی ریتی پہ بسے پیاس کے مارے
خیمے بھی نہ رہنے دیئے ندی کے کنارے

سب گھاٹ کو روکے ہوئے دشٹ کھڑے تھے
تپتے ہوئے میدان میں مہمان پڑے تھے

پھر فوج پہ فوج آنے لگی شام نگر سے
بصرے سے کبھی اور کبھی کوفے کے ڈگر سے

ایسی ہوئی جنگل میں ستمگاروں کی بھرتی
تلواروں کی جھنکار سے ہلنے لگی دھرتی

بھرمار تھی کوفے سے یہ کربل کی زمیں تک
چالیس ہزار آئے محرم کی نویں تک

بھرپور تھے ان جل سے ادھر دشمن جانی
یاں ساتویں تاریخ سے کھانا تھا نہ پانی

حاکم کا سندیسا تھا کہ مرنے کی نہ ٹھانو
جان اپنی ہے پیاری تو حکومت مری مانو

ستیہ طرح کی تکلیف تھی سو پھیر پڑے تھے
پر بات پہ اپنی یہ جواں مرد اڑے تھے

ساونتوں نے کس ٹھاٹھ سے یہ رات گزاری
سب موت کی سیوا میں رہے ست کے پجاری

ایک ایک کو تھی فکر کہ ہتھیار سنواریں
دیکھیں کبھی پرکھیں کبھی تلواروں کی دھاریں

سب کرتے تھے ست دھرم پہ مرنے کی دعائیں
بچوں کو ادھر خیموں میں سمجھاتی تھیں مائیں

دیکھو کہیں میدان میں عزت نہ گنوانا
دو جگ کو رہے یاد وہ تلوار چلانا

دشمن کی ہوئی صبح تو دولہا سا بنا کر
بھیجا انہیں ماں بہنوں نے ہتھیار سجا کر

کیا دیکھنے کا ذکر ہے سننے میں نہ آئی
چالیس ہزار اور بہتّر کی لڑائی

مولا کا سپاہی نہ بڑھا تھا کوئی صف سے
تیر آئے پہل ہو گئی دشمن کی طرف سے

شبیر نے پھر بڑھ کے یہ اپدیش سنایا
تم نے مجھے خط لکھ کے ہے مہمان بلایا

گردن پہ نہ لو خون یہ سودا نہیں سستا
میں ہند چلا جاؤں گا دیدو مجھے رستہ

اس فوج کے افسر نے سنی جب کہ یہ بانی
رستے میں جسے آپ نے لوٹایا تھا پانی

تھرا گیا کہنی پہ کہ ہردے میں دیا تھی
مرنے کیلئے ہو گیا شبیر کا ساتھی

اک بیٹا تھا، اک بھائی تھا اور ایک تھا چاکر
سب ساتھ ہوئے پریم ڈگر سامنے پا کر

اس فوج سے اللہ کے پیارے نکل آئے
بادل کو ہٹا کر یہ ستارے نکل آئے

سو روک پہ بے کام کہے رہ نہیں سکتی
سنسار سے کہدو کہ یہی ست کی ہے شکتی

سونے کی طرح ست کی کسوٹی پہ کھرے تھے
پہلے یہی رن بیر جوان لڑ کے مرے تھے

جب ٹھن گئی ایک ایک بھی دو دو کے بھی سد پہ بھاری
ایک ایک نے سو سو کو کیا گور کنارے

کس تھے جو بچے وہ بہت رن میں اڑے ہیں
دن کتنے کے جن کے تھے کیا کیا وہ لڑے ہیں

جب ماں کا گیا لال وہ دروازے پہ آئی
لکھا ہے کہ خود پردے سے دیکھی ہے لڑائی

سنتے چلے آتے ہیں کہ ایسا بھی تھا کوئی
شبیر کی انصار میں دولہا بھی تھا کوئی

اس عمر میں یوں موت بھلا کس نے ہے چاہی
سو سال کے بوڑھے بھی تھے آقا کے سپاہی

وقت آتے ہی ہونے لگیں جب نمازیں
پڑھنے لگے سب تیروں کی برکھا میں نمازیں

سینوں کو سپر کر دیا ہر تیر کے آگے
دو بیر کھڑے ہو گئے شبیر کے آگے

کانپی ہے زمیں بن کی رن ایسا پڑا ہے
جب گھاٹ پہ مشک اور علم لے کے کھڑا ہے

سر کاٹے تو اس ڈھب سے کوئی فوج کا ریلا
دریا کوئی چھینے تو ہزاروں سے اکیلا

دریا پہ جو پیاسا کوئی رہ جائے تو مانیں
پانی نہ پیئے پیاس میں دو دن کی تو جانیں

پانی کو وفادار نے منہ بھی نہ لگایا
بچوں کے لئے مشک بھری اور پلٹ آیا

پھر فوج سمٹ آئی علمدار کو گھیرا
تیر اتنے چلے چھا گیا جنگل میں اندھیرا

آس اس نے نہ دی ہاتھ سے ہاتھوں کو کٹا کر
ساونت بڑھا مشک کو دانتوں میں دبا کر

نکلا ہے کبھی اور کبھی فوجوں میں گھرا ہے
جب تیر پڑا مشک پہ گھوڑے سے گرا ہے

اکبر کا وہ روپ اور وہ مرجانے کا ارماں
خیمے سے نکل آیا تھا جنگل میں چندرماں

کس شوق سے ماں باپ نے دیکھی ہے لڑائی
بابا نے جواں بیٹے کی خود لاش اٹھائی

کیا دکھ سے بھری ہے علی اصغر کی کہانی
دو دن سے ملا تھا نہ جسے دودھ نہ پانی

شبیر نے خیمے سے اسے گود میں لا کر
سب فوج کو دکھلا دیا ہاتھوں پہ اٹھا کر

کارن تھا کہ شاید کوئی جاں اس کی بچا دے
دو گھونٹ سسکتے ہوئے بچہ کو پلا دے

سب نے کئے مرجھائے ہوئے پھول کے درشن
سنتے ہیں کہ منہ پھیر کے رونے لگے دشمن

پانی کی دیا ایک کے دل میں بھی نہ آئی
اک تیر سے بچہ کی ہوئی دودھ بڑھائی

دم توڑ دیا باپ کے ہاتھوں پہ اچھل کر
سنسار سے پیاسا ہی گیا خون اگل کر

ایسا کبھی اپرادھ نہ دنیا میں ہوا تھا
دیکھا تھا نہ آنکھوں نے نہ کانوں نے سنا تھا

بچے کی یہ تسبیح وضو تھی یہ سمرن تھی پتا کی
اتنا ہی کہا منہ سے جو مرضی ہو خدا کی

اب لڑنے کے قابل کوئی چھوٹا نہ بڑا تھا
اک چاند تھا بیمار جو خیمے میں پڑا تھا

زردوش کو ناچار کو پایا جو اکیلا
کھینچے ہوئے تلواریں بڑھا فوج کا ریلا

اب شیر نے انگڑائی لی اور باگ سنبھالی
بجلی سی چمکتی ہوئی تلوار نکالی

سر سینکڑوں ہر وار میں تلوار نے رولے
برکھا ہوئی لوہو کی برسنے لگے اولے

زخمی کئی، مسافر نے زمیں رن کی ہلا دی
پیاسے نے بڑی دور تلک فوج بھگا دی

وقت آیا عبادت کا تو بے خوف ٹھہر کر
سجدے میں جھکا خاک پہ گھوڑے سے اتر کر

بادل کی طرح چھا گئے بھاگے ہوئے مکار
بیکس پہ برسنے لگی تلوار پہ تلوار

مجبور اسے دیکھ کے بے بس اسے پا کے
سر کاٹ لیا شمر نے سجدے میں خدا کے

پھر لوٹ پڑی، آگ لگائی گئی گھر میں
آکاس تلے یوں نہ لٹا کوئی سفر میں

کچھ بی بیاں بچے کئی نازوں کے پلے تھے
سب ایک ہی رسی میں غریبوں کے گلے تھے

باندھا گیا اک اونٹ پہ بستر سے اٹھا کے
بیمار کو بھی لے گئے زنجیر پہنا کے

غم ہے اسی مظلوم کا، ماتم ہے اسی کا
تیرہ سو برس سے یہ محرم ہے اسی کا

شبیر نے اس دیس کو جب یاد کیا تھا
اسلام کا بھارت میں پتا تھا نہ سرا تھا

کوئی تو ہے اس دیس سے مظلوم کا بندھن
کیوں ورنہ حسینی ہیں یہ دت قوم کے باہمن

کچھ بھید ہے جو سوگ میں جوگی سے بنے ہیں
ہندو اسی دھرتی پہ عزادار گھنے ہیں

اتبک جو ہیں انجان کچھ ایسے بھی ہیں بھائی
ہو جاتی ہے مظلوم کے ماتم پہ لڑائی

بھول اپنی ہی ہردے میں جو یہ گردشی ہے
دوش ان کا نہیں اپنی ہی کوشش میں کمی ہے

جو حال سنانا تھا سنایا نہیں ان کو
مہمان کا جنازہ ہے بتایا نہیں ان کو

بھارت کے سپوتو اور اچھوتو ادھر آؤ
مہمان کے تابوت کو سب مل کے اٹھاؤ

خود اس نے کیا تھا ادھر آنے کا اشارہ
مہمان جو ہمارا ہے وہ پہلے ہے تمہارا

اک مر گیا ان میں کا مگر منہ کو نہ موڑا
دم توڑ دیا پریم کے بندھن کو نہ توڑا

عباس سا اب ایک بھی شیدائی نہ ہوگا
سوتیلا تھا ایسا کہ سگا بھائی نہ ہوگا

ہر سال وہ آتا ہے محبت کو بڑھانے
آپس میں گلے ہندو و مسلم کو ملانے

مہمان کا کیوں کرتے نہیں آدر یہ دکھا دو
شبیر کی جے بول کے دنیا کو ہلا دو

صدارتی تقریر جناب مستطاب معلی القاب مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی

اجلاس ہفتم۔ آل انڈیا مسالمہ

بسلسلۂ یادگارِ حسینی

بیگم باغ آگرہ۔ ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء

ضلع آگرہ کے ہندو مسلمان بھائیو! آج ہم سب اس شہر میں جمع ہیں جو مغلوں کی راجدھانی ہے۔ آج ہم اس وقت جمع ہوئے ہیں۔ جب تمام دنیا میں قتل و خونریزی کے ہنگامے گرم ہیں۔ آج ہم ایک خونی حادثہ اور سانحہ کی یاد میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اخبارات ہم کو سناتے ہیں کہ ایک فریق یعنی جاپان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کے مرنے والے زندہ رہتے ہیں۔ اس واسطے وہ اپنے واقعات جنگ کو اپنے مرے ہوئے لوگوں کی روحوں کو سنانے کے لئے روزانہ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں۔ اور اُن کو واقعات سناتے ہیں شہنشاہ سے لے کر رعایا تک۔ سب جو اس جلسہ میں شریک ہیں۔ اُن کا ایمان ہے قرآن مجید پر۔ جس نے دو جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ رجو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے اُن کو مردہ مت کہو مردہ مت سمجھو وہ زندہ ہیں اور خدا کے پاس سے رزق حاصل کرتے ہیں۔ (سبحان اللہ) پس ہم بھی اپنے اس ایمان کے اور اس عقیدے کے بموجب اپنے سب شہیدوں کو زندہ مانتے ہیں۔ اُن کی ارواح کو موجود مانتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ ان ارواح کی تجلیات اس مجلس میں بھی موجود ہیں۔ اور اس ایمان کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ روح امام امیر المومنین سیدنا علی علیہ السلام کی خدمت میں کہ آپ کے غلام آپ کے فداکار، آپ سے محبت رکھنے والے اس شامیانے کے نیچے جمع ہیں۔ اور یاد کر رہے ہیں۔ آپ کے فرزند کی اُس بیکسی کو جو آج سے تیرہ سو برس پہلے عراق کے ملک میں کربلا کے میدان میں پیش آئی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ تمام دنیا کی تاریخ میں بے مثل ہے۔ ہزاروں خونی حادثات پیش آ رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ لیکن ایسا دردناک قصہ ایسا دردناک افسانہ نہ پہلے کبھی پیش آیا نہ آجکل پیش آ رہا ہے نہ آئندہ اُمید ہے کہ پیش آئے چونکہ اس تحریک کے محرک علامہ سید علی نقی صاحب بھی یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ جنھوں نے ایک سال پہلے دہلی میں تشریف لاکر مجھ سے اس تحریک کا ذکر کیا تھا اور اُس کے بعد بھی وہ مسلسل یہ کام کرتے رہے اور تمام ہندوستان میں جو سرگرمی اس تاریخی یادگار سے پیدا ہوئی ہے اُس سب کی روح رواں وہ ہی ہیں اور یہاں اس وقت موجود ہیں اس واسطے میں روح مبارک کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے فرزند نے آپ کی یادگار کے لئے جو کچھ کام کیا ہے اُس کو قبول فرمائیے (آوازیں۔ آمین) حضرات یہ تاریخی دن ہے۔ یہ تاریخی یادگار ہے آپ ہر محرم میں اور درمیانی زمانہ میں، حسینؑ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ اہلبیتؑ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن اس مشغولیت اور اس مصروفیت میں تاریخ پر آپ کی نظر بہت کم جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ خواہ وہ جماعت اہل سنت میں ہوں۔ یا جماعت اہل تشیع میں ہوں تاریخی واقعات پر غور نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے بہت سی غلط فہمی پیدا

ہوجاتی ہیں لہذا آج میں مختصر طور سے اُن لوگوں کے سمجھانے کیلئے۔ اُن لوگوں کی یاداشت کیلئے جو تاریخی واقعات کو نہیں جانتے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں

آپ میں جو مسلمان ہیں وہ جانتے ہیں جو مسلمان نہیں ہیں اُن کو جاننا چاہیئے کہ عرب ملک میں جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم خدا کی طرف سے مامور ہو کر اسلام کو پیش کیا اور آن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا تو وہ بشارتیں پوری ہوئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس آنے والے مامور پیغمبر کے متعلق ارشاد فرمائی تھیں۔ وہ بشارتیں بھی پوری ہوئیں جو اس بھارت میں ہندوؤں کے بڑے اوتاروں نے یہاں کی مقدس کتابوں میں ارشاد فرمائیں تھیں۔ ۔ ۔ ۔ (سنسکرت) اس میں آں حضرت محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وصفات کا بیان ہے۔ چار ویدوں میں جو اتھروید آخری وید ہے۔ اسکی عبارت میں نے آپ کو سنائی۔ اسی طرح سے آخری زمانہ کا پران جو ہندوؤں میں اٹھارہ ان پران بھوشیہ آخری زمانہ کا جو پران ہے۔ جس میں آخر زمانہ کے حالات ہیں۔ اس میں فرماتے ہیں۔ (سنسکرت) کہ وہ آخر زمانہ کا اوتار سنگل دیپ میں جنم لے گا، سنگل دیپ سے بعض لوگوں نے سنبل مراد لیا ہے لیکن پروفیسر میکڈونل نے جو سنسکرت لغت لکھی ہے اس میں لفظِ سنگل دیپ کے معنی ملک عرب لکھے ہیں۔ (سبحان اللہ) وہ اوتار سنگل دیپ میں جنم لے گا۔ اور برہمن خاندان میں جنم لے گا۔ یہ میں کہہ چکا ہوں کہ برہمن ذاتوں میں سب سے اعلیٰ ذات مانی جاتی ہے۔ قبیلۂ قریش تمام قبیلِ عرب میں وہ ہی عزت اور عظمت رکھتا تھا۔ جو برہمنوں کی اس ملک میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ پیشن گوئی ٹھیک ثابت ہوتی ہے

کہ اس اوتار نے قبیلۂ قریش میں جنم لیا۔ اور اُس کے بعد کہا کہ اس اوتار کے پتا کا نام وشنو داس ہوگا۔ وشنو اسمِ ذات ہے۔ داس کے معنی غلام کے ہیں۔

حضرتؐ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا (سبحان اللہ۔ چیرز)

پھر کہا اُس کی ماں کا نام امتی ہوگا۔ یعنی نہایت امانت دار عورت۔ جس کو عربی زبان میں آمنہ کہتے ہیں (سبحان اللہ) پھر کہا کہ سب سے پہلے وہ اوتار پہاڑ کی کھو میں بیٹھ کر تپسیا کرے گا۔ غارِ حرا میں آپ کا تشریف لے جانا اور عبادت کرنا۔ وہاں ۔ ۔ ۔ آئیں گے اور اُس اوتار کو سبق پڑھائیں گے۔ روح الامین حضرت جبرئیل غارِ حرا میں آئے اور پہلی آیت جو خدا کے پاس سے آئی اُس کا انداز ایسا ہی تھا۔ جیسے اُستاد اپنے شاگرد کو پڑھاتا ہے۔ یعنی اقراباسم اس کے بعد کلنکی پران میں ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ میرٹھ کے چھاپہ خانہ میں چھپ چکا ہے۔ کہ اُس اوتار کو اپنے گھر میں کلیش اور تکلیف پہونچے گی۔ تو وہ شمالی پہاڑوں میں گھر چھوڑ کے چلا جائے گا۔ مکہ سے مدینہ شمال میں ہے۔ وہاں سے ہجرت ہوئی۔ یہ اُس طرف اشارہ ہے۔ کلنکی پران میں یہ بھی ہے کہ اُس اوتار کے ایک لاڈلے بچہ کو ایک گرم میدان میں بیگناہ قتل کیا جائے گا۔ جو تاریخ آپ کو اس خیمہ کے نیچے جمع کر رہی ہے۔ اُس تاریخ کی بابت اس بھارت ورش کے پران نے اور بزرگوں نے پہلے سے خبر دیدی تھی۔ میں اپنے آقا اپنے مرشدِ اعظم اپنے دادا علیؑ مرتضیٰ کی روحِ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر عرض کر رہا ہوں اور آن کو یہاں موجود سمجھ کر گذارش کر رہا ہوں کہ اس دورِ پُر آشوب میں سمندر کے کنارے اپنے تصور کو لے

جاتا ہوں تو یہ دیکھتا ہوں کہ سمندر کی لہریں دوڑ دوڑ کر
کنارے کے پاس آتی ہیں اور پھر واپس چلی جاتی ہیں۔
میں نے اُن لہروں سے پوچھا کہ تم کیوں آتی ہو۔ اور کیوں
چلی جاتی ہو۔ لہروں نے کہا کہ میں سمندر
اس زمین سے دور ہوں۔

لیکن مجھے بیچین کیا گیا۔ یہ کنارہ وادیٔ خاک ہے
اس کے اطمینان کو دیکھئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی لہروں
سے اس کنارے کے ذرّہ ہائے خاک کو پریشان کردوں اور
پامال کردوں اور برباد کردوں۔ اس واسطے میں اپنی لہروں
کو بھیج دیتا ہوں وہ جاتی ہیں اور چلی آتی ہیں کہ کنارے کے
امن و سکون اور اطمینان کو پاش پاش کردیں۔ وہاں ایک
کرۂ ہوا آتا ہے اور مجھے بھی ڈھکیل دیتا ہے اور کہتا ہے کہ
ہٹ اے سمندر کہ یہ مٹی ابوتراب کی نشانی ہے جو اس سکون
اور اطمینان میں مخفی ہے۔ کوئی طاقت، کوئی شیطانیت اس
سکون اور اس اطمینان کو برباد نہیں کرسکتی۔ اے مرشدِ اعظم
ابھی برما سے کچھ لوگ آئے اور اُنھوں نے وہاں کی بم باری
کے قصے سنائے کہا کہ بم جب گرتا ہے تو بڑی بڑی مضبوط چھتوں
کو پاش پاش کردیتا ہے۔ بڑی بڑی عمارتوں کو نیست و نابود
کردیتا ہے۔ لیکن ریت کے بورے جب رکھ لئے جاتے ہیں تو
اُن پر بم گرکر ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ ریت کے بوروں پر اُن گولوں
کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پوچھا کہ کتنے بوروں کی ضرورت ہوتی
ہے تو کہا جب تک پانچ بوروں کی تہ نہ ہو اُس وقت تک
گولوں کے اثر سے حفاظت نہیں ہوتی (سبحان اللہ چیرز)
پوچھا کہ جب وہ گولے زمین پر گرتے ہیں۔ تو کیا ہوتا ہے۔
کہا گیا۔ کہ ۲۵ فٹ تک زمین کے اندر گھس جاتے ہیں۔
سوال کیا کہ پھر زمین بھی ذرّاتِ خاک کا مجموعہ ہے۔ اس میں
بھی بہت استحکام ہے۔ اس کے اندر گولہ گھس جائے اور ریت
کے بورے پر گرکر پانچ بوریوں کی تہ پر گرکر کچھ اثر نہ ہو
اس کا جواب کیا ہے۔؟ ضمیر نے جواب دیا کہ ذرّات جب
الگ ہوکر مجتمع ہوجاتے ہیں۔ ایک بورے میں منظم ہوتے
ہیں۔ تب یہ اثر پیدا ہوتا ہے۔ اے مرشدِ اعظم! ہم آپ
کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ آپ کی محبّت میں ہم اپنے
آپس کے اختلافات کو دور کرکے منظم ہوتے ہیں (سبحان اللہ
چیرز) خدا ہم کو ابوترابی قوت سے ہم کو موجودہ مشکلات
میں امن و سکون، راحت اور حفاظت عطا فرمائے۔ آج کی
تاریخی دن میں کربلا کا واقعہ الیکشن کے باعث ہوا۔ اس
زمانہ میں بھی اس ہندوستان میں الیکشن نظر آتا ہے
اور وہ لوگوں کے دلوں میں تفریق پیدا کرتا ہے (لیکن
وہ الیکشن لوگوں کے دلوں میں محبّت پیدا کرتا تھا، ایک
روز آسمان سے آواز آئی۔ حسن نظامی، حسن نظامی! پوچھا
تو کون ہے۔ کہا میں ہوں راجہ بیربل۔ عالمِ علوی سے بولتا
ہوں۔ مسٹر ایڈیسن صاحب جب کہ مرکر آئے خدا کے سامنے
پیش ہوئے تو حکم ہوا کہ لے جاؤ۔ اُس کو دوزخ میں اُس نے
سینما ایجاد کرکے لوگوں کے دل خراب کردئے۔ اقتصادی
حالت لوگوں کی خراب کردی۔ اور اخلاقی حالت کمزور
کردی۔ ایڈیسن نے کہا کہ میری نیت نہ تھی کہ اس سینما،
بائیسکوپ سے لوگ بد اخلاق ہوں۔ بلکہ یہ نیت تھی کہ
اپنی معاش اور روزی کے لئے محنت کریں۔ اور کچھ راحت
حاصل کریں اور محمدؐ کی اُمّت جو بے عمل اور زیادہ لہو ولعب
میں مبتلا ہے۔ وہ عمل کرنے لگے۔ حکم ہوا کہ اس نے ہمارے

حبیب ؐ کا نام لیا۔ ہم نے اُس کو بخش دیا۔ اُس کو آزادی ہے
ایڈیسن کی روح نے کہا اے خداوند میں اُس قوم میں ہوں جو
ایک فائدہ حاصل کرنے کے بعد دوسرے فائدے کے لئے آگے
بڑھتی ہے۔ بس یہ آزادی حاصل کرنے کے بعد میں یہ التماس
کرتا ہوں کہ میں یہاں بیکار بیٹھا رہتا ہوں مجھے کچھ کام بتایا جائے
حکم ہوا کہ کیا چاہتا ہے۔ اُس نے کہا میں زمین پر بجلی کا کام
کرتا تھا۔ اب میں آسمان کی بجلی کا زمین کی بجلی سے کنیکشن ملائے
دیتا ہوں۔ چنانچہ اُنھوں نے کنیکشن ملا دیا۔ میں نے دیکھا اور
میں شہنشاہ اکبر کے پاس گیا۔ میں نے کہا ایڈیسن نے زمین
آسمان کو ایک کر دیا ہے۔ اکبر نے کہا کہ میرے ملک کا حال اور
میرے خاندان کا حال پوچھ لے حسن نظامی میں تجھ سے یہ حال پوچھنے
آیا ہوں کہ ہندوستان کے شہنشاہ اکبر کے خاندان کا کیا
حال ہے۔ ہ میں نے کہا کہ خاندان کا وہی حال ہے جو پچھلے
مفتوحوں کا ہوتا رہا ہے کہ بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ اور
بھیک نہیں ملتی ہے۔ اور ہندوستان کا یہ حال ہے کہ اب
الیکشن اور اسمبلی کے ذریعہ سے حکومت ہوتی ہے۔ راجہ بیربل
نے کہا الیکشن اور اسمبلی ہمارے زمانہ میں نہیں تھی یہ کیا چیز ہے
میں نے کہا تم یہ سمجھو! کہ آگرہ پایۂ تخت تھا۔ اور اب صوبہ
کا ایک شہر ہے۔ وہاں سے دو امیدوار کھڑے ہوئے ہیں
امر سنگھ اور طرّہ باز خاں اور دونوں نے ایک مشترکہ جلسہ
بلایا کہ ہم کو اسمبلی میں بھیجو تاکہ ہم تمہاری کچھ خدمت کرسکیں
ٹھاکر امر سنگھ نے کہا کہ میں خاندانی رئیس ہوں۔
میں ہمیشہ خدمت کرتا آیا ہوں۔ مجھے اسمبلی
میں بھیجو گے تو میں بہت کام کروں گا۔ طرّہ باز خاں نے کہا میں
اخبار کا ایڈیٹر ہوں۔ گھر کے کھدر کے کپڑے پہنتا ہوں۔ ایک
سال کی قید کاٹ چکا ہوں۔ مجھے بھیجو گے تو میں بہت کام
کروں گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ ہمیں دونوں کا اعتماد
نہیں ہے۔ امر سنگھ سرکاری آدمی ہے۔ سرکار کی خوشامد کیا
کریں گے۔ اور طرّہ باز طوائف کا لڑکا ہے۔ جب یہ ممبر ہو جائیں
تو ہم سب طعنہ دیں گے کہ ان کے باپ ہی نہیں ہے۔ جلسے
سے آوازیں آئیں کہ ہم کو دونوں منظور نہیں۔ جلسہ برخاست
ہو گیا۔ دوسرے دن طرّہ باز خاں ایک شخص یعنی مولابخش
کے پاس گئے اور کہا کہ یہ آپنے کیسے کہہ دیا کہ میرے باپ نہیں
ہیں۔ میرے باپ تو آپ ہیں۔ آپ جب تخلیہ میں گانا سننے
آیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے کہا یہ بات ہے! اس وقت مصلحت
کا تقاضا یہی تھا۔ اب میں کوشش کرتا ہوں۔ چنانچہ اُن کے
ساتھ ایک مسلمان کے پاس گئے۔ اور طرّہ باز خاں کا ووٹ
مانگا۔ اس نے کہا کہ یہ جو سڑک کے اوپر تار کے کھمبے لگے ہیں
اُن سے ہمارا پیڑ رکتا ہے۔ اس تار کو کٹوا دو تو ہم ووٹ
دیں گے۔ انھوں نے کہا یہ کون بات ہے۔ یہ ہو جائیگا ٹھاکر امر سنگھ
ووٹ کے لئے گئے۔ تو لوگوں نے کہا کہ مسجدوں کے سامنے
باجا بجانے کی اجازت دلواؤ تو ووٹ دیں گے۔ یہ سننے
کے بعد راجہ بیربل نے کہا کہ اب بہت بُری حالت ہو گئی
ہے۔ میں نے یہ ایک مثال سمجھانے کے لئے دی ہے۔ یہ
الیکشن تفریق پیدا کرتا ہے۔ محمدؐ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے زمانے میں جو طریقۂ انتخاب کا تھا۔ اُس سے اتحاد پیدا
ہوتا تھا۔ پہلا انتخاب بدر کے میدان میں ہوا جب دشمنوں
کے لشکر سے تین سو تیرہ مسلمانوں کا بدر کے میدان
میں مقابلہ تھا اور مغلوب کرنے کے لئے ایک ہزار آدمی
جمع ہوئے۔ جن میں ابوجہل۔ ابو سفیان کے خاندان کے

آدمی ولید وہب وغیرہ بھی تھے۔ اور صف آرائی ہوئی اور چند انصار مقابلے کے لئے میدان میں آئے۔ اس وقت ولید اور وہب وغیرہ سرداروں نے کہا کہ اے محمدؐ ہمارے خاندان والوں کو لڑنے کے لئے بھیجو۔ ہم ان مدینے والوں سے لڑنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے مقابلے کے نہیں ہیں اس وقت محمدؐ رسول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اے مرشدِ اعظم آپ کا الیکشن کیا۔ آپ کو منتخب کیا اور حضرت امیر حمزہ کو منتخب کیا اور ان کو منتخب کر کے دشمنوں کے مقابلے میں بھیجا۔ آپ نے ان تمام دشمنوں کو خاک میں ملا دیا اور قتل کر دیا۔ یہ بنیاد تھی کربلا کے واقعہ کی۔ اس دن ابو سفیان نے اور اس کے خاندان بنی امیہ نے عہد کیا کہ علیؑ سے اور اس کی اولاد سے آج کے دن کا بدلہ ہم ضرور لیں گے۔ یہ تاریخی بنیاد ہے (سبحان اللہ۔ چیرز) کیا علیؑ نے اپنی ذات کے واسطے قتل کیا تھا۔ نہیں؟ کیا علیؑ خود بخود میدانِ جنگ میں چلے گئے؟ نہیں۔ انتخاب سے گئے تھے اور کس کے انتخاب سے اس کے انتخاب سے جس کی بابت تمام دنیا کی بڑے بڑے پیغمبر اور اوتار پیشن گوئیاں کرتے آئے ہیں۔ اس کے انتخاب سے میدان میں گئے۔ اس کے دین کی حفاظت کے لئے انھوں نے تلوار اٹھائی۔ اس کے بعد دوسرا الیکشن خندق کی لڑائی میں ہوا۔ جب کہ بارہ ہزار فوج لیکر ابوسفیان مدینہ پر چڑھ کر آیا اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے خود خندق کھودی اس کے اندر محصور ہوئے اور صف بندی کی۔ دشمنوں کے لشکر سے ایک سردار عمر ابن عبدالود جو ایک ہزار سپاہیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ گھوڑے سے خندق پھلانگ کر آیا اور اس نے آواز دی کہ محمدؐ

میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اس وقت کے دستور کے موافق حضرت نے دونوں طرف دیکھا کہ کون اس کے مقابلے کے لئے جاتا ہے۔ داہنی طرف دیکھا پھر بائیں طرف دیکھا لیکن کوئی نہ نکلا لیکن اے مرشدِ اعظم آپ آگے بڑھے۔ حضرت جو اپنے بھائی کو چاہتے تھے اور جو اپنے بھائی کو پیار کرتے تھے انھوں نے بہ نظرِ بشریت یہ کہا کہ تم تجربہ نہیں رکھتے یہ ایک تجربہ کار سردار ہے۔ عبدالود نے دوسری بار آواز دی۔ حضرت نے دائیں بائیں دیکھا کوئی آگے نہ بڑھا۔ لیکن اے مرشدِ اعظم تم آگے بڑھے۔ پھر حضرت نے روک دیا۔ تیسری بار دشمن نے کہا کہ اگر کوئی آدمی میرے مقابلے کے لئے ہمت نہیں رکھتا تو ہتھیار ڈال دو اور شکست قبول کرو۔ اس وقت اے مرشدِ اعظم آپ برداشت نہ کر سکے اور آپ آگے بڑھے اپنے بھائی اور رسول سے گذارش کی کہ میں برداشت نہیں کر سکتا اجازت دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا میرا عمامہ منگاؤ اور میری تلوار منگاؤ۔ عمامہ اپنے دستِ مبارک سے سر پر باندھا اور تلوار عطا فرمائی اور وہ لفظ فرمائے جو لفظ تاریخ میں گونج رہے ہیں۔ اور گونجتے رہیں گے۔ مرشدِ اعظم تمہارا انتخاب کر کے ارشاد ہوا کہ جاؤ میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا اور عبدالود کو تمہارے سپرد کیا
تشریف لے گئے۔ عمر بن عبدالود کو علم تھا تو اس نے کہا کہ اے علیؑ تمہارے باپ ابو طالب میرے دوست تھے میں نہیں چاہتا کہ اپنے دوست کے لڑکے پر ہاتھ اٹھاؤں جاؤ کسی اور کو بھیجو تو مرشدِ اعظم آپ نے جواب دیا اسلام نے رشتے قطع کر دئے ہیں۔ تو دوستانہ کو یاد نہ کر حق کو یاد کر۔ اگر حق کا اقرار کرتا ہے تو حق کے سامنے آ۔

مجھے شرم آتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ تو باطل کے گروہ میں ہے
اُس نے اقرار نہیں کیا اور کہا کہ وار کر ورنہ تجھے حسرت رہ
جائے گی۔ اے مرشدِ اعظم آپ نے جواب دیا کہ ہم مسلمانوں
کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ ہم پہلے وار کریں تو وار کر۔ تو کہا کہ تیری قیمت
یہ کہہ کر اُس شخص نے جو تمام عرب میں ایک ہزار سپاہیوں
کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ تلوار میان سے کھینچی اور بولا تیار ہو جا۔
اے مرشدِ اعظم آپ کے سر مبارک پر تلوار چلائی۔ تلوار نے
پیشانی مبارک کو زخمی کیا اور اُس کے بعد وہ آگے نہ بڑھ سکا
پھر اے مرشدِ اعظم حضور نے للکار کر فرمایا کہ اے ابوطالب کے
فرزند کا وار (لوگوں نے درود پڑھا) یہ کہہ کر حضرت نے
تلوار اُس کافر کے سر پہ ماری جو کہ سر کو چیرتی ہوئی سینے کو
چیرتی ہوئی نیچے آگئی۔ اور اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے (آوازیں
سبحان اللہ) اے مرشدِ اعظم یہ آپ کا دوسرا الیکشن تھا اور
تیسرا الیکشن اس خیبر کے میدان میں ہوا۔ جس کو سب جانتے
ہیں۔ جس کی روایات یہ فدائی روزانہ جلسوں میں پڑھتے ہیں
چوتھا الیکشن وہ تھا کہ جب آپ کے بھائی اور آپ کے
رسول آخری حج کر کے واپس تشریف لائے اور ایک لاکھ
مسلمانوں کے سامنے اونٹ پر سوار ہو کر یہ ارشاد فرمایا۔
مَن کُنتُ مولاہُ فعلیٌ مولاہُ (چیرز) یعنی جس کا میں
مولا ہوں علیؑ بھی اُس کے مولا ہیں۔ اے مرشدِ اعظم میرا ایمان
ہے کہ آپ ہمارے مولا ہیں۔ اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم ہمارے مولا ہیں۔ ان انتخابات نے ایک نظم پیدا کر دیا
اور دلوں کو گرویدہ کر دیا۔ وہ دل جو آزاد تھے اور آزادی
پسند تھے اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ مرشدِ اعظم آپ نے
خدمت جو اسلام کے مشکل زمانوں میں انجام دی ہے، جیسا کہ
عمر ابن عبدِ ود کو قتل کر کے واپس تشریف لائے تو آقائے نامدار
اور محمدؐ رسول اللہ نے آپ کو گلے لگایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ
آج کا تمہارا یہ کام قیامت تک سب سے افضل رہے گا۔
کیونکہ تم نے اسلام کی بڑی مشکل وقت میں مدد کی ہے۔ اور
خدمت کی۔ اب اس الیکشن کے بعد حضرت کی وفات کے بعد انتخاب
ہوئے۔ میں آپس کی جنگ یہاں بیان کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن سُنی
ہونے کی وجہ سے اس بات کو مانتا ہوں کہ پہلا انتخاب بھی
صحیح تھا۔ اور دوسرا انتخاب بھی صحیح اور تیسرا بھی صحیح تھا
اور چوتھا بھی صحیح تھا۔ اور ہمارے حضرت امام حسنؑ علیہ السلام نے جو امن قائم
کرنے کے لئے معاہدہ کیا تھا وہ عہد نامہ بھی ٹھیک تھا۔ اور
اس عہد نامہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے
کہ بہت غلط تھا۔ اب وہ وقت آیا کہ حضرت امام حسنؑ کی شہادت
ہو گئی۔ اور عام چرچا ہوا کہ اُن کو زہر دیا گیا۔ اُس وقت عبد اللہ
ابن عباس دمشق میں تھے۔ جب وہ امیر معاویہ کے دربار میں
گئے تو پوچھا کہ مرنے کی خبر ملی۔ طبری میں اُس کا بیان ہے
جو ماخوذ ہے۔ طبری لکھتا ہے کہ ابن عباس نے جواب دیا کہ
تمہارے ہاتھ کیا آیا ابنِ رسول کو قتل کرنے سے۔ اُس وقت
امیر معاویہ نے بھرے دربار میں کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں
میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔ موت قریب ہے۔ حسنؑ سے وعدہ میں
کر چکا ہوں اور عہد کر چکا ہوں۔ اپنے بعد اپنی اولاد کو جانشین
نہیں کروں گا۔ مسلمان الیکشن اور انتخاب کے ذریعے جس کو چاہیں
منتخب کریں گے۔ چنانچہ آپ کو حکم دیتا ہوں کہ اپنی رائے
پیش کرو کہ میرے بعد کس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہو۔ یہ سن کر لوگوں
نے مختلف رائیں دیں۔ کسی نے عبد اللہ ابن زبیر کی رائے
دی کسی نے عبد الرحمٰن ابن خالد ابن ولید کی رائے دی کسی

کسی نے حسینؓ ابن علیؓ کی رائے دی کسی نے یزید ابن معاویہ کی دی
لیکن زیادہ رائے عبدالرحمٰن ابن خالد ابن ولید کے واسطے آئیں۔ یہ سنکر
امیر معاویہ نے کہا کہ کثرت رائے ایک ایسے شخص کے لئے ہے جو ایک
فاتح اور بہادر سپہ سالار کا بیٹا ہے۔ جس نے شام کو فتح کیا۔ اور وہ ملکی
انتظامات کی قابلیت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتا ہے۔ اس لئے میری طرف
سے مبارکباد کا خط لکھو۔ اور ایک شربت کا جام بطور تحفہ کے
بھیجو۔ چنانچہ شربت کا جام اور مبارکباد کا خط عبدالرحمٰن کے پاس
بھیجا گیا۔ وہ باہر آئے۔ خط پر بوسہ دیا گیا۔ اور کہا کہ تم گواہ رہنا
کہ میں تحفہ کو کھڑے ہو کر پیتا ہوں۔ اور وہ اسی وقت مر گیا۔
کہا گیا کہ شادیٔ مرگ ہوئی۔ خوشی برداشت نہ کر سکے۔ اسی وقت
حکم ہوا کہ اب دوسرے شخص کا الیکشن کیا جائے کل ظہر کی نماز کے بعد
سب جمع ہوں اور اپنی اپنی رائیں دیں۔ رات بھر حکومت کے
افسروں نے قبیلے کے سرداروں سے کیٹی کی اور الیکشن کے لئے
بات چیت کی۔ ظہر کی نماز کے بعد سب جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ وہاں
امیر معاویہ تھے۔ یزید تھے اور سب لوگ جنھوں نے رات میں وعدے
کئے تھے کہ یزید کی رائے دیں گے۔ لیکن کوئی ابن عباس کے لئے
کوئی حسینؓ کے لئے رائے دیتا تھا۔ لیکن یزید کے لئے کسی نے رائے
نہ دی۔ یہ دیکھ کر کمانڈر انچیف کی طرف دیکھا۔ وہ ممبر کی طرف گیا
اور کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا۔ امیر معاویہ کی طرف اشارہ کرکے کہ ہمارے
بادشاہ یہ ہیں۔ اور پھر یزید کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ان کے بعد
یہ ہیں۔ جو انکار کرے گا۔ اس کے لئے یہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان
سے کھینچ کر نکالی اور چمکائی۔ اس کے بعد سب دربار ووٹ دینے
والے کھڑے ہوئے اور ہر ایک یزید ابن معاویہ کے لئے
رائے دیتا تھا۔ یہاں کا الیکشن ختم ہوا۔ اور یزید کو کامیابی ہوئی
یہ چیز تھی۔ جس کو اس زمانے کے اصول کے موافق حسین علیہ السلام
نے اے مرشدِ اعظم آپ کے لاڈلے فرزند نے نامنظور کیا
یزید کے عمل کی وجہ سے اور اسلامی خلافت ورزی
کی وجہ سے بھی الیکشن صحیح نہیں ہوا۔ پس اے مرشدِ اعظم
آپ کے فرزند نے اپنی قربانی پیش کی اپنے بچوں کی قربانیاں
پیش کیں اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کی قربانیاں پیش
کیں۔ اور حق کو قائم رکھا۔ وہ قرآن جو آپ کے گھر میں نازل
ہوا تھا۔ آپ کے بھائی رسول پہ اس میں
والعصر ان الانسان لفی خسر۔ یعنی زمانے کی قسم ہے
کہ ہر انسان گھاٹے میں ہے۔ مگر وہ نہیں جو ایمان والا
ہے۔ کیونکہ وہ گھاٹے میں نہیں ہے۔ جنھوں نے اچھے
عمل بھی کئے۔ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور
ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔

اے مرشد اعظم! جو حق کے لئے آواز
بلند کرے گا۔ اور حق پر رہے گا۔ حق کے پیروؤں کو
صبر عطا کر۔ اے مرشدِ اعظم ہم سب حسینؓ ابن علیؓ سے
محبت رکھتے ہیں۔ آپ کے سارے خاندان سے ہم محبت رکھتے
ہیں اور اسی محبت کو ہم اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسواسطے
اس خیمہ میں جمع ہوکر آپ کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ والسلام
علیکم رحمۃ اللہ برکاتہٗ۔

تقریر مولانا سید علی نقی صاحب نقوی مجتہد العصر سکریٹری آل انڈیا تیرہ سوسالہ یادگار حسینی بمقام بکیر باغ آگرہ

بتاریخ ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء۔ بوقت دوپہر

حضرات! میں تمام ادارہ یادگار حسینی کی طرف سے عموماً اور بہ حیثیت ایک خادم یادگار حسینی کے خود اصالتاً اور یہاں آگرہ کی یادگار حسینی کے اُن جلسوں کے منتظمین کی جانب سے بھی جناب مصور فطرت حضرت خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس موقعہ پر شرکت فرمائی اور اس ضعف اور اس ناسازئ مزاج کے عالم میں جس کی وجہ سے مجھے معلوم ہے۔ باوجود ارادہ کرنے کے حیدرآباد تشریف نہ لے جا سکے۔ لیکن آپ نے آگرہ کے لئے چونکہ پہلے سے وعدہ فرما لیا تھا۔ اس لئے آپ نے یہاں تشریف لانا ضروری سمجھا۔ میں تمام حضرات کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ اس حیثیت سے میرا شکریہ ادا کرنا زیادہ خوشنما نہیں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے جو عقیدہ اور جو خصوصیت آپ کو حاصل ہے۔ اس کی بنا پر آپ کو بھی اس یادگار میں اتنا ہی حق ہے جتنا کہ کسی اور شخص کو ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ حب اہل بیت کی ترویج اور اشاعت میں آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ صرف کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ کام آپ کا ہی ہے۔ جیسا کہ مجھے خوب یاد ہے۔ میں نے سب سے پہلے جب آپ سے تذکرہ کیا یادگار حسینی کے متعلق تو آپ نے یہ ارشاد فرمائے اور یہ الفاظ منادی میں بھی شائع فرمائے کہ یہ کام تو خود میرا ہے۔ اس لئے میں پورے طور پر حصہ لونگا۔ (چیرز) اور جب یہ کام آپ کا ہے تو یقین کر لیجئے کہ میں خود آپ کی ہی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حضرات! میں آج ہی بجے پور سے حاضر ہوا ہوں اور مجھے یہ علم نہیں تھا کہ اب پھر مجھے اس یادگار حسینی کے آگرہ کے جلسہ میں کچھ تقریر کرنا پڑے گی۔ اس لئے کہ میں جس طرح کا وقت تھا اور جس طریقہ کا موقعہ تھا۔ آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں۔ مگر معلوم ہوا کہ بعض حضرات کا اس کے بارے میں اصرار ہے۔ اس لئے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں دنیا میں گفتار اور کردار دو مختلف چیزیں ہیں۔ قول اور عمل آپ کی اردو میں کہنا اور کرکے دکھانا یہ دو چیزیں جدا جدا ہیں۔ کہنا تو آسان ہے اور عمل کرکے پیش کرنا نہایت مشکل ہے۔ آپ روزمرہ کی باتوں میں جن چیزوں کا یقین رکھتے ہیں کہ وہ اچھے اوصاف ہیں۔ مثلاً سچ بولنا، مثلاً ظالم سے نفرت رکھنا کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو زبان سے ان باتوں کا اقرار نہ کرے۔ لیکن یہ کہ عمل میں کس حد تک پابندی ہوتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ پچھتر فی صدی یا اس سے زیادہ نفی کی برابر ہے۔ ایک بھی ایسا نہیں جو اس کا پابند رہے یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں جن کا مذہب و ملت کی تفریق سے

تعلق ہو۔ دنیا کے ہر مذہب میں بہت سے اچھائیاں ایسی ہیں
کہ جن میں تمام مذاہب متفق ہیں۔ بہت سی برائیاں ایسی ہیں
جن میں تمام مذاہب متفق ہیں۔ اگر دنیا والے صرف اس اصول
کے پابند ہو جائیں کہ اُن تمام باتوں کو چھوڑ دیں جس کے بُرا
ہونے پر تمام مذاہب متفق ہیں۔ تو یہ دنیا بہشت بن سکتی ہے
(چیرز) لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر دنیا میں جو بُرائیاں پیدا
ہوتی ہیں وہ اس وجہ سے کہ ہمارا قول ہمارے عمل سے مختلف
ہوتا ہے۔ قول اور عمل کے اختلاف کی بہت سی صورتیں ہیں
اور مختلف جماعتوں کی طرف سے اس کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے
مثلاً ایک جماعت کے قول و فعل کا اختلاف وہ اختلاف
ہے۔ جس کا شاعر نے دردناک طریقہ سے اشارہ کیا ہے۔ شعر۔

واعظاں کیں جلوہ در محراب و منبر می کنند

دوسری مثال دنیا کے زعمار اور سیاست دان لیڈروں
کے قول و فعل کا اختلاف جو سیاسی مصلحت سے ضروری سمجھا
جاتا ہے۔ اپنے ساتھ والوں سے بڑے بڑے وعدے کرنا فتح کی
توقعات پیدا کرنا اُن کے سامنے خطرات کا خیال نہ آنے دینا اور
اور ہر خوشگوار پہلو کو سامنے پیش کرتے رہنا۔ یہ وہ چیزیں
ہیں۔ جو سیاسی حیثیت سے ایک قائد کی جانب سے
اپنے ساتھ والوں کو گرد و پیش سمیٹے رہنے کے لئے ضروری
سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن قول و فعل کے اختلاف کا منظر آپ کی
آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اسی طرح سیاسی جدوجہد
میں اپنے مطالبات کو بڑھا کر رکھنا اس خیال کے
ساتھ کہ تھوڑے سے پورے ہو جائیں گے۔ تو ہم
اپنی جہد و جہد سے باز آئیں گے۔ لیکن شروع میں اس لئے
مطالبہ سے زیادہ پیش کرنا ضروری ہے۔

کہ از مرگ بگیر تا بہ تپ راضی شود

مطالبہ زیادہ پیش کرو۔ تھوڑا سا بھی ہو گیا۔ تو دوسرا
مطالبہ پھر پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے سامنے ان دو برس
کے واقعات میں برابر نمونے پیش آتے رہے ہیں۔ قائدین کی طرف
سے اور سپاہیوں کی جانب سے کون سپاہی ہے
جو اس بات کا دعویدار نہیں ہے۔ کہ ہم اپنے آخری قطرۂ
خون تک اپنے سردار کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن
نتیجہ مختلف ہوتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے کہ قول عمل سے
جداگانہ ہے۔ اخبارات آپ کے سامنے آتے رہتے ہیں
کوئی جماعت بھی ہو۔ کسی کے متعلق یہ نہیں سنا گیا کہ اس کا
محاذ طاقتور ہے۔ لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ توقع صحیح نہ تھی
اور غلط ثابت ہوئی۔ وہ قومیں جو اس وقت محکوم ہو چکیں
دو تین سال کی مدت میں جن لوگوں کی آزادی سلب
کی جا چکی۔ کون وہ جماعت تھی جس نے جنگ کے وقت یہ اعلان
نہ کیا ہو کہ ہم آخر قطرۂ خون گرنے تک دشمن کے غلام نہیں
ہوں گے۔ لیکن آپ میں سے کوئی دعویٰ کر سکتا ہے
کہ وہ ملک جو مفتوح ہوئے ہیں۔ اُن میں کوئی بھی شخص
قابل جنگ باقی نہیں رہا تھا۔ ؟۔ حقیقت یہ
ہے کہ اُن میں بہت بڑی جماعت ایسی پائی تھی کہ جو
قابل جنگ ہو سکتی تھی۔ لیکن مشکلات کے سامنے مجبور
ہونا پڑا اور اس کی حقیقت کھل گئی۔ کہ ہم
آخری قطرۂ خون گرنے تک مقابلہ کریں گے۔ (چیرز)
(سبحان اللہ) وہ کونسی جماعت ہے کہ جس نے ٹھیک کہا
ہو اور برابر کر کے دکھایا ہو۔ وہ گروہ جو اپنے آپ کو
ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہیں جو بڑے بڑے ارادوں کے مالک

سمجھے جاتے ہیں۔ اُن ہی پر غور کیجئے۔ اور اخبارات کو مشاہدہ کیجئے۔ اُن سے پتہ چلے گا کہ ایک تاریخ مقرر کر کے اعلان کیا کہ ہم اُس محاذ کو جیت لیں گے۔ لیکن وہ تاریخ آئی اور گذر گئی مگر اُن کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ صرف اب یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ تاریخ اور مہینہ کے ساتھ سال تھوڑی ہی مقرر کیا تھا کہ کس سال ایسا ہو گا۔ بہرحال ہمیں نہ کوئی سردار نظر آتا ہے کہ جس کا قول عمل سے مطابق ہو۔ اور نہ کوئی ہیرو ایسا نظر آتا ہے جس کا قول عمل سے مطابق ہو۔ لیکن اب تھوڑی دیر کے لئے کربلا کی طرف جایئے اور بہتر آدمیوں کی طرف نگاہ کیجئے تو آپ کو وہاں کا بچہ بچہ اپنے قول کی کسوٹی پر پورا اُترا ہوا دکھائی دے گا۔ اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس قافلے کے سردار اور اُس کے ساتھیوں نے جو کہا اُس کو کر دکھایا۔ اور حضور نے جب یہ فرمایا کہ میں بیعت نہ کروں گا۔ میں سچ کہتا ہوں اس وقت اس کا صحیح مفہوم دُنیا کو معلوم نہ تھا کیونکہ انسانی تخیل کے حدود اُن امکانات کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک واقعات کی رفتار پہونچ گئی۔ اس لئے جو اس پاکباز انسان نے کہا کہ میں بیعت نہیں کروں گا تو دنیا اس کو بالکل نہیں سمجھی۔ بلکہ اس "نہیں" میں کتنے واقعات و نتائج مضمر ہیں۔ لیکن وہ انسان جس وقت "نہیں" کی آواز بلند کر رہا تھا تو وہ دل کی گہرائیوں میں اپنے عزم و ارادہ کا جائزہ لے کر اور وقت کی نزاکت پر غور کر کے یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ شدائد اپنے امکانات کی آخری صورت تک پہونچ جائیں گے۔ لیکن میرے عزم کو نہیں بدلیں گے (چیرز) وقت نے تبلا دیا کہ اس "نہیں" میں کیا وزن تھا۔ یہ مقولہ ہر انسان کی زبان پر ہے۔ اور نہ معلوم حضرت حسینؑ ابن علیؑ سے پہلے کتنے لوگوں نے یہ الفاظ جاری کئے ہوں گے۔ الموت فی عزٍ خیرٌ من حیٰوۃٍ فی ذُلٍّ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے مگر یاد رکھئے کہ ان الفاظ میں روح پیدا ہو گئی حسینؑ کے عمل سے۔ اگر یہ الفاظ حسینؑ سے پہلے کسی اور کے بھی تھے تو آپ نے بطور کہاوت کے کربلا میں کہے تھے۔ تب بھی آپ نے عمل کر کے اُن الفاظ کو اپنی ملکیت بنا لیا۔ اُنھوں نے جس وقت کہا کہ میں بیعت نہیں کروں گا تو اُس کے انجام میں جو کچھ شدائد پیش آئے اُن کو سمجھ لیا تھا۔ حقیقت میں شدائد کی منزل ختم ہو گئی۔ اور اُس کے بعد دشمن کے ترکش میں تشدد کا تیر باقی نہ رہا۔ لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حسینؑ کے عزم و استقلال کی منزل بھی ختم ہو گئی۔ آپ کو ظلم و تشدد کے امکانات پر فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ تشدد اپنے آخر وقت میں ختم ہو گیا۔ لیکن اس انسان کا صبر و استقلال بھی آخری حد کو پہونچ گیا۔ ہم اُس کا فیصلہ نہیں کر سکتے یہ تھا سردار کا عزم و استقلال واقعات کی طرف میں نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ مجھے احساس ہے کہ وقت بہت زیادہ صرف ہو چکا ہے۔ اور آج کا دن مسالمہ کے لئے مخصوص ہے اور جو پروگرام ہے وہ پورے طور پر انجام پانا چاہیئے (آوازیں لوگ بہت بے چین ہیں۔ آپ تقریر فرمایئے سب متوجہ ہیں) یہ سردار کا عزم و استقلال ہے اور پیروؤں کے عزم و استقلال . . . . . ہمارے سامنے ہیں مختلف تواریخ اور مختلف قرون کے مناظر مسلمانوں کی متفقہ کتاب قرآن مجید ہے۔ اور تمام دنیا اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے ہمارے سامنے ہیں۔ انبیاء و مرسلین

کے حالات۔ ہمیں یہ ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بنی اسرائیل پر کتنے احسانات تھے۔ اُن کو مظالم سے چھڑایا۔ مصر کے ملک سے اُن کو نکالا۔ بیت المقدس کو فتح کرنے کیلئے انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ یہ ساتھ جانے والے اگر پہلے سے فتح و نصرت کا وعدہ نہیں کرتے تو ساتھ کاہے کو آتے۔ یقیناً وہ اس لئے جا رہے تھے کہ حضرت کی امداد کریں۔۔۔۔۔ بیت القدس کی مہم کو سر کریں۔ لیکن عملی منزل جب سامنے آئی اور وہاں کے قد آور آدمی دکھائی دیئے۔ تو انھوں نے صاف کہہ دیا ان فیھا قوما جبارین وانا لن ندخلھا حتی یخرجوا منھا فان یخرجوا منھا فانا داخلون ـ

وہاں تو بڑے بڑے زبردست پہلوان اور سرکش لوگ موجود ہیں۔ ہم ہرگز وہاں نہیں جائیں گے۔ جب تک یہ خارج نہیں ہو جائیں گے۔ جب یہ نکل جائیں گے تب ہم داخل ہوں گے۔ اس بڑے مجمع میں جو موسیٰ کے ساتھ تھا۔ قرآن نے شمار کرکے بتایا" کہ کتنے آدمی تھے کہ جو اپنی بات پر قائم رہے۔ قال رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیھما ادخلوا علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین ـ دو آدمیوں نے اُن آدمیوں میں سے جن کو خدا نے نعمت عطا کی تھی کہا کہ اس پر عمل کرو۔ جو کہا یعنی شہر میں داخل ہو اور جب شہر میں داخل ہو گے تو خدا کی طرف سے فتح و ظفر تمہاری طرف آئے گی۔ ان دو آدمیوں کی بات کا تمام آدمیوں نے اثر نہیں لیا۔ اور دلشکن الفاظ میں جواب دیا جس سے قائد کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اُس کو کوئی بھروسہ نہیں رہتا ہے۔ قالوا یاموسیٰ انا لن ندخلھا ابدا مادامو فیھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ـ

یہ کہا کہ آپ جانے۔ اور آپ کا خدا جانے۔ آپ دونوں جاکر لڑ لیجئے۔ ہم یہاں سے بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔ آخر میں حضرت موسیٰ کو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنا پڑا ـ

رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا و بین القوم الفاسقین ـ اے میرے پروردگار یہ لوگ میرے بس میں نہیں ہیں۔ میں خود اور میرا بھائی ان دونوں کے سوا میرا کسی پر قابو نہیں ہے۔ تو خود نگراں ہے۔ حضرات یہ اُس جماعت کا طرزِ عمل تھا۔؟ آپ کے سامنے ہے۔ آپ ان پر خود غور فرمالیں۔ حضرت عیسیٰ کے شاگردوں کا سلسلہ موجود ہے۔ تھوڑے سے آدمی تھے۔ جو ایمان لائے تھے لیکن حضرت عیسیٰ مسیح کو گرفتار کرنے والوں میں اُن ہی کا ایک آدمی تھا کہ اُس نے خبر رسانی کی اور گرفتار کرا دیا۔ انجیل مقدس ہم کو بتا رہی ہے۔۔۔۔ کہ حضرت عیسیٰ مسیح نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہو گا کہ جو میرے بارے میں ٹھوکر نہ کھائے۔ ایک شاگرد نے کہا کہ اے میرے باپ سب ٹھوکر کھائیں۔ تب بھی میں ٹھوکر نہیں کھاؤں گا۔ حضرت عیسیٰ نے باخبر کر دیا کہ مرغ کی بانگ ہونے سے پہلے تو تین مرتبہ میرا انکار کرے گا۔ انجام یہی ہوا کہ جب حضرت عیسیٰ مسیح کو گرفتار کرکے لے چلے تو یہ تماشا دیکھنے گیا۔ اور لوگوں کو شک ہوا کہ یہ حضرت عیسیٰ کی جماعت کے آدمی ہیں۔ اُن سے پوچھا کہ تم ان کے طرفدار لیا ہیں ہو، تو اُس نے کہا کہ نہیں میں اُن کو نہیں جانتا، دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کہا۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کی شان میں الفاظ نازیبا بھی استعمال کئے۔ اور اُسی وقت مرغ کی بانگ کی آواز آئی۔ یہ بھی نمونہ سامنے موجود ہے کہ ایک

افسر کی ماتحتی میں جن کا نام عبداللہ بن جبیر تھا۔ پچاس آدمیوں کو درّۂ احد پر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ چاہے ہمیں شکست ہو چاہے فتح ہو اس جگہ سے ہٹنا ہماری آخری کامیابی کا معیار یہ ہے لیکن جب جنگ کا خاتمہ ہوا۔

عبداللہ بن جبیر روکتے رہے۔ اور منع کرتے رہے کہ یہاں سے نہ ہٹنا۔ یہ حکم ہے لیکن سوائے چند آدمیوں کے کوئی باقی نہ رہا۔ اور سب مالِ غنیمت کو لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

اور عبداللہ بن جبیر کو اُن کے چند ساتھیوں سمیت شہید کر دیا گیا۔ پچاس آدمیوں کی جماعت تھی مگر سوائے چھ آدمیوں کے کوئی ایسا نہیں رہا کہ جو وعدہ کیا تھا اُس پر قائم رہتا اور برقرار رہتا۔ یہ منزل بھی ہمارے سامنے ہے۔ کہ خلیفۃ المسلمین دارالامارۃ میں محصور ہیں۔ اور پردیسی لوگ محصور کئے ہوئے ہیں لیکن کوئی جماعت اُن میں سے جو خلیفہ کی امامت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے تھے۔ کوئی جماعت ایسی نظر نہ آئی کہ پانی تک بھی پہونچائے۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے حسنؑ اور حسینؑ کو بھیجا کہ تم پانی کی مشکیں خلیفۃ المسلمین کے پاس لیجاؤ (سبحان اللہ۔ چیرز)

وہ مصر کے بلوائی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسلمین کو شہید کر ڈالتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں کوئی احساس نہیں پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے دفن و کفن کی طرف بھی خوف کی وجہ سے یہ لوگ مشکل سے متوجہ ہوئے۔ اور حضرت علیؑ ابن ابی طالب جن کو تمام مسلمان خلیفہ چہارم تسلیم کئے ہوئے تھے۔ لیکن ہمارے سامنے ہے۔ یہ منظر کہ جس وقت مخصوص جماعت کی طرف سے قرآن نیزوں پر بلند کئے گئے تو ساتھ والوں کا مجمع تھا جس میں سے بہت سے لوگ آئے۔ اور کہا کہ اگر آپ نے اب تلوار نہ روکی تو ہم سے اور آپ سے لڑائی ہو گی۔ ہمارے سامنے ہے یہ صورت بھی کہ حضرت امام حسنؑ کی وہ ساتھ والوں کی جماعت جو اپنے کو شیعہ علیؑ ابن ابی طالب کہتی تھی آپ سے برگشتہ ہو جاتی ہے یہی تاریخ میں ہے کہ آپ کی ران میں زخم آگیا مصلّا کھینچ لیا گیا۔ اور جو صلح کے مخالف تھے اُنھوں نے جب آپ نے صلح کر لی تو السلام علیکم یا مذل المومنین کہ کر سلام کیا۔

یہ سب واقعات اُس انسان کے سامنے تھے۔ جو کربلا کی ایسی مہم سر کرنے کے لئے مقتل کی سرزمین پر جا رہا تھا اُسے معلوم تھا کہ ایک قائد کو اپنے ساتھ والوں کی وجہ سے کتنی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے اُس نے مجمع کے زیادہ ہونے کو اپنے ساتھ خطرناک سمجھا۔ (سبحان اللہ) اس لئے اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کی تعداد کو بڑھانے کو اپنے مقصد کے لئے مضر اور نقصان رساں سمجھا۔ اُنھوں نے اُن لوگوں کو جو آپ کے ساتھ تھے۔ حتی الامکان رخصت کرنا چاہا کہ کم از کم اُن کی تعداد پہونچ جائے۔ جب آپ مکہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ تو طبری کی تاریخ میں جن کی عظمت و عزت جناب خواجہ صاحب اپنی زبان سے فرما چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی موجودہ تواریخ میں اس سے بڑھ کر جامع اور واضح تاریخ نہیں ہے۔ اس تاریخ میں ہے کہ جب مکہ سے حضرت روانہ ہو رہے ہیں تو یہ سن کر کہ آپ کو فہ سے بلائے جا رہے ہیں اور لوگ اُن کی اطاعت کا وعدہ کر چکے ہیں۔ یہ خیال کر کے کہ آپ وہاں پیشوا کی حیثیت سے ہوں گے۔ بہت سے لوگ عرب کے آپ کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ کربلا کے قریب تک پہونچتے پہونچتے یہ مجمع کئی سو بلکہ ہزار کے قریب تک پہونچ گیا۔ ایک چھوٹا سا لشکر آپ کے ساتھ فراہم ہوگیا جو کم از کم تعداد میں جنگ بدر کے مسلمانوں سے زیادہ تھا۔ جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمان تھے۔ لیکن لشکر امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ کئی سو کے قریب بلکہ ایک ہزار کے قریب ہوگئے تھے۔ لوگ آپ کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ لیکن جس وقت آپ منزل زبالہ پر پہونچے۔ وہاں آپ کو حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے خیمہ میں تشریف لاکر ایک فرمان بطور سرکاری اعلان کے آپنے تحریر فرمایا۔ سیاست یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ہو لوگوں کو آگاہ نہ کیا جائے۔ لیکن حسینؑ قول اور عمل میں اختلاف کے مرتکب ہو جاتے اگر وہ حال کو مخفی کرتے۔ آپ نے ایک اعلان تحریر فرمایا اور باہر آکر خطبہ کا اعلان کرایا۔ تمام لوگ خطبے کو سننے کے لئے جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو مجھے ایک دردناک خبر پہونچی ہے وہ میرے بھائی مسلم اور ہانی کی شہادت کا حال ہے۔ آگاہ ہونا چاہئے کہ جو شخص میرا ساتھ چھوڑ کر واپس ہونا چاہے وہ یہاں سے واپس ہو جائے۔ اس آپ کے اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام لوگ جو خوشگوار توقعات کی بنا پر آپ کے ساتھ ہوگئے تھے وہ سب آپ کے ساتھ سے جدا ہوگئے۔ اور وہ گنے چنے افراد رہ گئے۔ جو آپ کے ساتھ مدینہ یا مکہ سے آئے تھے۔ اُن لوگوں کو آپنے اپنے ساتھ سے علیحدہ کیا۔ لیکن بہت سے آدمی وہ تھے جن کو خط لکھ کر آپ نے بلایا تھا۔ حیرت خیز ہے آپ کا انتخاب اور اُس انتخاب میں ایسی صحت کہ ایک نقطہ بھی بے محل نہ ہو۔

موجودہ زمانہ میں جب ذرائع خبر رسانی بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی ملاقات کے ذرائع زیادہ فراہم ہوتے ہیں۔ لیکن آجکل بھی اتنی ہی دقت ہوتی ہے مثلاً یہ ایک یادگار حسینی کی تحریک تھی۔ پورے طور سے معلوم کرنا کہ آگرہ میں کون لوگ ہو سکیں گے۔ جو اس تحریک میں دل و جان سے شریک ہو سکیں گے۔ دہلی میں، کلکتہ میں، بمبئی میں، بہار میں کون لوگ شریک ہو سکیں گے۔ کسی ایک انسان کے لئے ایک مقام پر بیٹھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ کون اس چیز کے لائق ہے غیر ممکن اور جن لوگوں سے میل جول ہو چکا ہے۔ جن سے تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔ جن سے خاص موافقت پہ تجربہ ہو چکے ہیں۔ اُن کے متعلق بھی توقعات غلط ہوتی ہیں۔ اکثر حضرات کو تجربہ پیش آیا ہوگا۔ کہ کسی ایک کو بہت قابل اور لائق سمجھ کر ایک کام سپرد کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اُس نے نااہلی سے کام انجام دیا۔ اُس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ کے انتخاب میں غلطی ہوئی۔ لیکن وہ کیا نبض شناس فطرت انسانی تھا۔ جس نے کسی ایک جگہ سے کسی ایک قبیلہ سے نہیں کسی ایک قوم سے نہیں کسی ایک نسل سے نہیں بلکہ مختلف شہروں سے مختلف دیہاتوں سے، مختلف قریوں سے اور مختلف نسلوں سے اور مختلف قبیلوں سے اور مختلف جماعتوں سے ایسے افراد تلاش کئے اور ایسے افراد کو چن کر ایک مرکز پر مجتمع کر دیا۔ اس میں سے پوری جماعت باوجود طبیعتوں کے اختلاف کے باوجود قومیت کے اختلاف کے باوجود نسلوں کے اختلاف کے باوجود وطن کے اختلاف کے باوجود عمر کے اختلاف کے ایسے متحد ہو جائیں کہ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون آگے ہے اور کون پیچھے ہے (سبحان اللہ سبحان اللہ)

اتنے ہم دل، اتنے ہم زبان، اتنے ہم رائے، اتنے ہم آہنگ آدمی دنیا میں نہ واقعۂ کربلا سے پہلے دیکھے گئے۔ نہ واقعۂ کربلا کے بعد دیکھے گئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جذباتِ انسانی میں ماحول کے اختلاف سے کس قدر تغیر ہو جاتا ہے۔ سرزمین کے اختلاف سے کس قدر تغیر ہو جاتا ہے۔ عمر کے اختلاف سے کس قدر تغیر ہو جاتا ہے۔ پانچ آدمی ایک جگہ پر ہوں اور ان میں کوئی بوڑھا کوئی بچہ کوئی جوان ہو اور کوئی عورت ہو تو میں سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک کا مزاج اپنی نوعیت کے لحاظ سے الگ ہوگا۔ اور اس کے اعتبار سے رائے بھی الگ ہو جائے گی۔ یہ تو نفسیات کا مسئلہ ہے کہ جوان آدمی زیادہ تر متحرک ہوتے ہیں۔ اور ان میں منچلے اقدام کی صلاحیت ہوتی ہے۔ بوڑھے لوگ زیادہ سکون پسند ہوتے ہیں۔ وہ ہر معاملہ میں تدبر اور تحمل سے کام لے کر دوسروں کو بھی سنجیدگی کی ہدایت کرتے ہیں (سبحان اللہ) عورتیں زیادہ تر کمزور طبیعت کی ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ ہولناک واقعات سے متاثر ہو کر اکثر اوقات دوسروں کے ارادوں کو پست کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ حسینؑ ابن علیؑ نے کربلا میں یوں کہنا چاہئے کہ فطرتِ انسانی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ انھوں نے جوانوں کی طبیعت کی بڑھی ہوئی گرمی کو گھٹا کر اعتدال کے نقطہ پر واپس کیا اور انھوں نے بوڑھوں کے خون میں گرمی پیدا کر کے اس توازن پر لائے کہ جوانوں کا ساتھ دیں (سبحان اللہ) انھوں نے عورتوں کے دل میں وہ سختی پیدا کر دی کہ بہادروں کی ہمت پست کرنے کا سبب نہ ہوں۔ بلکہ ہمت بڑھانے کا ذریعہ ہوں (سبحان اللہ) کربلا کے میدان میں اگر حضرت امام حسینؑ علیہ السلام

کی تنہا قربانی ہو جاتی تو بہ حیثیت ایک دردناک واقعہ کے وہ پھر بھی اشک فشانی کی مستحق ہوتی مگر اس میں عمل کی مثال پوری طرح سے قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمارے فرقۂ شیعہ کے آدمی جو حضرت امام حسینؑ کو معصوم کی منزل میں فائز جانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ معصوم تھے۔ کون کر سکتا ہے جو انھوں نے کیا وہ ملکوتی طاقت رکھتے تھے بھلا وہ ملکوتی انداز رکھتے تھے ہم کہاں اس منزل میں پہونچ سکتے ہیں اور تمام مسلمان یہ کہتے کہ انھوں نے دخترِ رسول کا شیر پیا تھا۔ انھوں نے پیغمبر کی گود میں پرورش پائی تھی۔ انھوں نے رسول کی زبان چوسی تھی۔ تو انھوں نے جو کچھ کیا وہ ہم بیچارے امتی کہاں کر سکتے ہیں۔ کربلا کے واقعہ میں سارے انسانوں کے لئے مثال نہیں قائم ہوتی اگر آپ اپنے ساتھ صرف بنی ہاشم کو کربلا کے میدان میں لے آتے تب بھی یہ کہنے کو ہوتا کہ نسلی خصوصیات سے افراد میں بڑی بلندی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بنی ہاشم کے گھرانے کے افراد تھے۔ انکی سی بات کسی دوسرے میں کہاں پیدا ہوتی۔ لیکن یہاں حضرت حسینؑ ابن علیؑ نے تمام دنیا کے لئے مثالِ عمل قائم کر دی۔ بنی ہاشم کے افراد آپ کے ساتھ تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر قوم کے، ہر قبیلے کے اور ہر جماعت کے افراد کو اپنے اپنے ساتھ لیا۔ کچھ لوگ قبیلہ طے کے کچھ قبیلہ اسد کے ہیں۔ اور کچھ قبیلۂ ہمدان کے ہیں۔ کچھ قبیلۂ جبل کے ہیں۔ کچھ بنی سحل کے ہیں۔ مختلف جماعتوں کے مختلف افراد کو آپ نے اپنے ساتھ لیا۔ تاکہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہ ہو کہ مختلف قبیلوں کے لوگ نہیں تھے۔ اس لئے ان کا عمل ہمارے لئے مثال نہ بنا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ ان خاندانوں کے آدمی

بھی تھے۔ جو عام طور سے بڑے طبقہ کے نہیں سمجھے جاتے۔ بہت سے ان میں حبش کے آئے ہوئے غلام تھے اور ترکی کے آئے ہوئے غلام تھے۔ آپ یہ دیکھئے کہ کربلا کی سرزمین پر جو عمل کا میدان ہے کیا غلام پیچھے نظر آتے ہیں۔ اور آن میں اور آزاد نسل کے لوگوں میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ ہرگز نہیں ہر طبقہ کیلئے اسوۂ حسنہ قائم ہو گیا۔ غلام قومیں ہیں اور آزاد قومیں، سادات ہیں تو وہ اولادِ ہاشم سے سبق حاصل کریں اور امتی ہیں تو حبیب ابنِ مظاہر کی جانبازی سے سبق حاصل کریں۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ کبھی عمر کی تفریق نہیں ہے جوان ہیں تو علی اکبر سے سبق حاصل کریں۔ اور بوڑھے ہیں تو مسلم ابنِ عوسجہ سے سبق حاصل کریں۔ بچے ہیں۔ تو قاسم اور عبداللہ سے سبق حاصل کریں۔ اب اس کے بعد سبق حاصل کرنے کا سوال نہیں ہے وہ بچے سبق حاصل نہیں کر سکتے جو دودھ پیتے ہیں لیکن وہ جو اپنے چھوٹے بچوں کو نہایت عزیز رکھتے ہیں۔ آن بچوں کی محبت کو فرائض کے انجام کرنے میں سدِ راہ سمجھ لیتے ہیں۔ وہ سبق حاصل کریں۔ جو حسینؑ نے اپنے اسی ششماہے بچے کے قربانی پیش کر کے کارنمایاں انجام دیا۔ (لوگ رو گئے) یہ آپ نے ایک مثال ہمارے اور دنیا کے لئے پیش کی ایک اور بات بھی ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ علیہ السلام خاص اپنے خاندان کے لوگوں کو لیکر کربلا کی سرزمین پر آگئے ہوتے بہت سے لوگ یہ سکتے کہ یہ خاندانی جھگڑا تھا۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے کربلا کے میدان میں اس اصول پر عمل کیا کہ ہر جماعت ہر طبقے اور ہر قبیلے میں سے جس کو اسلام کا خیال اور احساس مذہبی ہو سکتا تھا۔ انھیں ساتھ بلا کر ایک مجمع تیار کر لیا تھا۔ تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ گھریلو جنگ ہے۔ پٹی داری کی جنگ ہے بلکہ سب کو یہ معلوم ہو کہ یہ اصول کی جنگ ہے۔ اور آپ نے اس اصول کی عزت کے احساس میں جان پیدا کر دی اپنے ذاتی شعار اور طرزِ عمل سے آپ نے سب کو بلا کر یہ کہا کہ دیکھو اُن لوگوں کو میری جان سے کام ہے تمہاری جان سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم کیوں بیکار اپنی جان میرے ساتھ دیتے ہو۔ یہ راستے کھلے ہوئے ہیں۔ تم جدھر چاہو چلے جاؤ۔ یہ رات کا پردہ پڑا ہوا ہے اور مشہور بات ہے کہ آپ نے شمع بھی گل کر دی تاکہ کسی کو آنکھ کی مروت نہ ہو (لوگ روئے) یہ کیا تھا۔ دُنیا کا قاعدہ ہے کہ عوام صائب الرائے نہیں ہوتے جو کچھ رائے ہوتی ہے۔ وہ لیڈروں کی ہوتی ہے۔ ابھی آپ الیکشن کا حال خواجہ حسن نظامی صاحب سے سن رہے تھے۔ حق الیکشن کا سب کو ہوتا ہے اگر رائے دہندگان اپنے رایوں سے کام لیں تو وہ کثرت رائے کا ترجمان بن گیا۔ لیکن زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ عوام جو اُس کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ اور جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ اس لئے عوام پر خواص کا اثر ہوتا ہے۔ زمیندار لوگوں کو اپنی طرف کر لیتے ہیں۔ اگر ایک وکیل کو توڑ لیا تو جتنے اُن کے دستِ نگر ہیں۔ اُن سب کی رائیں آگئیں۔ اگر کسی حکیم اور ڈاکٹر کو توڑ لیا تو جتنے لوگ اُن کے زیرِ علاج ہیں۔ آن کی رائیں آگئیں۔ اسی طرح سے آج کثرت رائے لوگوں کے زیرِ اثر ہو رہی ہے۔ حقیقتاً ایک ڈاکٹر ایک حکیم ایک زمیندار۔ ایک وکیل کی رائے ہے۔ اور سب رائیں اُن ہی کے زیرِ اثر ہیں (سبحان اللہ)

دُنیا میں الیکشن کا اصول یہ ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ

آجکل دیکھا کرتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اگر اندھیرے میں یونہی اقدام کرتے تو کہنے کو ہوتا کہ تمام آدمی آپ کے زیر اثر تھے۔ جو آپ نے طے کر دیا۔ اس کو سب نے منظور کر لیا۔ اور سالک بن گئے۔ حسینؑ ابن علیؑ واقعۂ کربلا میں یہ چاہتے تھے کہ ہر ایک کے دماغ پر وزن ڈال کر اُسے خود اپنے فعل کا ذمّہ دار بنا دیں۔ کربلا کے موقعہ پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت امام حسینؑ نے یہ قربانیاں دیدیں۔ بلکہ ہر ایک نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھکر دیا۔ ہر ایک مستقل مزاج اور ہم آہنگ تھا۔ وہ سب اصول پر متفق تھے۔ اسکی بنا پر یہ پتہ چل نہیں سکتا کہ کون محرک ہے۔ اور کون متاثر ہو کر جانے والا ہے۔ ہمیں تو یہ ملتا ہے کہ جانے والے جا رہے ہیں اور حسینؑ روک رہے ہیں ہمیں کہیں نہیں ملا کہ کربلا کے میدان میں تاریخ کے صفحات الٹ کر دیکھ لیجئے۔ دنیا کی لڑائی کے وقت لیڈروں کو تقریریں کرنی پڑتی ہیں تاکہ ساتھیوں میں جوش عمل پیدا ہو۔ مگر حضرت امام حسینؑ نے ایسا نہیں کیا۔ حسینؑ ابنِ علیؑ نے تقریریں دشمن کے سامنے تو کیں۔ لیکن کوئی بتا سکتا ہے کہ اپنے مجاہدین کے سامنے بھی آپ نے تقریریں کیں (سبحان اللہ اور چیرز) کوئی دوست دشمن کوئی موافق، مخالف، کسی نے یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کبھی اپنے ساتھ والوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے انھیں میدانِ جنگ کی اہمیت کا احساس کرنے اور عزم و استقلال صرف کرنے کے لئے کوئی تقریر کی ہو۔

ہمیں تو یہ ملتا ہے کہ لوگ بے چین ہیں کہ جنگ چھڑے اور حسینؑ ابنِ علیؑ فرما رہے ہیں کہ ہماری خاندانی تعلیم نہیں کہ ہم جنگ میں ابتدا کریں بلکہ دشمن کی طرف سے پہل ہو جائے۔ تب اجازت دی جائے گی۔ جس وقت عمر ابنِ سعد اپنی کمان میں تیر جوڑ کر پھینکتا ہے اور کہتا ہے کہ گواہ رہنا کہ پہلا تیر میں لگا رہا ہوں اور اُس کے ساتھ ساتھ چار ہزار کمانوں میں سے تیر برستے ہیں۔ تو حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اجازتِ جنگ اپنے ساتھیوں کو فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب پیغامِ جنگ آیا۔ لیکن کبھی ضرورت اس بات کی نہیں ہوئی کہ اپنے ساتھ والوں کے خون میں گرمی پیدا کرنے کے لئے اشتعال آمیز الفاظ فرمائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت ایسی پختہ تھی کہ اصول کو حق سمجھ کر اُس پر گامزن تھی۔ ایسے ہی ساتھی حضرت امام حسینؑ علیہ السلام چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے انتخاب سے کام لیا تھا۔ کیونکہ آپ اتنے اہم مقصد میں عوام پر بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کو ایسے ہی خاص افراد کی ضرورت تھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی ایک شخص میں بھی حسینؑ کا انتخاب غلط ثابت ہوا۔ ہرگز نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ نے نقد فتح حاصل کر لی۔ نقد فتح اپنی زندگی میں تاریخ کی آنکھوں کے سامنے۔ دنیا کی نگاہوں کے سامنے دشمن کی نگاہوں کے سامنے عمر ابن سعد کی آنکھوں کے سامنے اُن سب کی آنکھوں کے سامنے جنہیں دیکھنے کی طاقت ہو۔ فتح حاصل کر لی۔ اصول کی فتح۔ وہ کون سے اصول کی فتح تھی آپ کو معلوم ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے ساتھ جتنے اسباب ہمت توڑنے والے ہو سکتے ہیں۔ وہ سب جمع تھے۔ اور دشمن کے ساتھ جتنے اسباب ہمت بڑھانے کے ہوتے ہیں وہ سب جمع تھے۔ لیکن حسینؑ کی طرف کا کوئی آدمی اُدھر گیا۔ ہرگز نہیں لیکن اُدھر کا ایک افسر حکومت اور فوج پر ٹھوکر مار کر ٹوٹ کر آ گیا۔ یہ ہے۔ حسینؑ کی فتح (چیرز) یہ حسینؑ کی ایک نقد فتح تھی۔ دشمن کے سامنے کیا۔ ابن زیاد

کے پاس اس کی رپورٹ نہیں گئی ہو گی۔ کیا یہ سن کر یزید کا نشہ ہرن نہیں ہو گیا ہو گا۔ اچھا عاشور کے دن حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کر دیا گیا۔ اور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے سب ساتھی بھی شہید ہو گئے یزید کیا سمجھا ابنِ زیاد کیا سمجھا وہ سمجھے کہ ہم مقابلے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر دوسرے دن سے واقعات نے یہ بتلانا شروع کر دیا کہ تمہارا مقصد پورا نہیں ہوا۔ اب وقت نہیں ہے مجھے صرف آٹھ منٹ بیان کرنا ہے۔ اس لئے مختصر طور پر یہ عرض کروں گا کہ خود مختار شہنشاہیت اور ظالمانہ حکومت کیا چاہتی ہے؟ دو باتیں۔ ایک افراد قوم سے طاقتِ احساس سلب کرنا۔ دوسرے جرات اظہار سلب کرنا۔ یزیدی حکومت جو دمشق میں تھی اس نے مدتوں صرف کی تھی۔ ان دونوں فتحوں کو حاصل کرنے کے لئے کہ قوتِ احساس سلب ہو۔ اور جراتِ اظہار سلب ہونے کے لئے بہت سی ترکیبیں کی گئیں تھیں جو خاص ترکیب تھی۔ جیسے "تاریخ کے صفحات یاد کر رہے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ کے ساتھی دیکھتے ہیں کہ دربار میں جو اُن کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ اُن کی جیبوں میں اشرفیاں بھر دی جاتی ہیں یہ دربار کی کیفیت تھی۔ آنے والا جب آتا تھا تو اُس کا سر اونچا ہوتا تھا۔ اور جب روپیہ اشرفی کا کچھ وزن جیب میں پڑتا تھا تو سر نیچے جھک جاتا تھا۔ اس سیاست کی کامیابی کی یہ ترکیبیں تھیں احساس کو سلب کرنا اور جراتِ آزادی کو سلب کرنا۔

حضرت علی ابنِ ابی طالب کے بھائی عقیل تک کو اس سیاست نے دمشق میں پہونچا دینے میں کامیابی حاصل کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ علیؑ سیاست نہیں جانتے تھے۔ بیشک قول اور عمل میں تفریق کرنا اُن کو نہیں آتا تھا۔ مساوات کا اصول انھوں نے قائم کیا تھا تو اس پر سختی سے قائم رہے کہ اس کا سگا بھائی بھی کہتا ہے کہ مجھے کچھ زیادہ دیدو تو گرم سیخ سامنے لے آتے ہیں اور جسم سے متصل کرتے ہیں۔ مگر عقیل بھی جب دمشق میں پہنچے تو پہلے ہی دن پچاس ہزار اشرفی تحفہ میں پیش کئے گئے کیونکہ ابوطالب کے لڑکے علیؑ کے بھائی علیؑ کو چھوڑ کر آ گئے ہیں بڑی کامیابی ہے۔ پچاس ہزار اشرفی پہلے ہی دن نذرانہ پیش کی گئی۔ سمجھ میں آ گیا کہ ضمیر فتح کر لیا گیا۔ عام افراد کے ضمیر بہت جلد بدل جاتے ہیں۔ مگر عقیل ابن ابی طالب کے کمزوری ضمیر کی کمزوری نہ تھی۔ صرف عمل کی کمزوری تھی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب اُن سے کہا گیا کہ منبر پر جا کر کچھ تبلایئے کہ آپ کے بھائی نے کیسا سلوک کیا اور میں نے کیسا سلوک کیا۔ کہا کہ ابھی تبلاؤں گا کہ علی نے کتنا بُرا سلوک کیا اور آپ نے کتنا اچھا سلوک کیا۔ منبر پر جا کر کہا کہ میں نے بڑی کوشش کی کہ اپنے بھائی سے کہ وہ اپنے دین پر مجھے ترجیح دیں مگر مجھے کامیابی نہیں ہوئی اور گوارہ رہا کہ امیرِ شام نے مجھے اپنے دین پر مقدم کیا ہے یہ کہہ کر اُتر آئے اور کہنے لگے کہ میں نے کیا غلط تعریف کی اس سے بڑھ کر کیا اچھا سلوک ہو سکتا ہے۔ میرے بھائی نے سلوک نہیں کیا۔ آپ نے کیا۔ اُس وقت کا حال تھا۔ جب تشدد کے قدم جمائے جا رہے تھے۔ اُس کے بعد اکثر لوگوں کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ صرف اس بنا پہ کہ سیاست سے اختلاف کیا گیا۔ ان ترکیبوں سے جراتِ اظہار سلب کی گئی تھی۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف احساس پیدا کیا جائے اور دوسری طرف اپنا عمل پیش کرکے آزادی کی جرات پیدا کی جائے۔ بات یہ ہے۔ کہ انسان جب تک کوئی نمونہ نہیں دیکھ لیتا اس وقت تک وہ ہچکچاتا ہے۔ جب کوئی عمل سامنے آ جاتا ہے تو جوش عمل میں اضافہ

ہو جاتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی سب سے زیادہ
فتح یہ ہوئی کہ کربلا میں جان و مال اور اولاد غرض ہر دنیوی مفاد کی
قیمت دین کے مقابلہ میں گھٹا کر انسانی دماغ پر یہ اثر قائم کر دیا
کہ وہ بلند مقاصد کے لئے جان کو ارزاں سمجھنے لگا۔ اس لئے
حکومت کو توقع تو یہ تھی اور مجرموں کو سزا اسی لئے دیجاتی ہے
کہ دوسرے عبرت حاصل کر کے اس کے بعد ایسی جرات نہ کریں
اس وقت حکومت شام یہ سمجھی کہ اب حسینؑ اور اُنکے
ساتھیوں کا یہ بلاخیز تاریخی انجام دیکھ کر اب کسی میں لب کشائی
کی ہمت تھی بھی تو وہ ہمت جاتی رہی۔ زبان سے کہنے کا
ذرا خیال بھی رہا تو وہ خیال بالکل دور ہو گیا۔ اس مقصد کو
حاصل کرنے کے لئے یہ کیا گیا تھا کہ یہ لٹا ہوا قافلہ اس
صورت سے شہر میں جائے۔ تاکہ ہر شہر کے لوگوں کو مخالف
حکومت کا بلاخیز انجام دیکھ کر دہشت پیدا ہو اور پھر لوگوں کو
کو اختلاف کی جرات نہ ہو لیکن کیا حکومت کو شکست نہیں ہوئی
کیا حسینیت کی فتح ظاہر نہیں ہوئی۔

جب دوسرے دن ہی ابن زیاد کے دربار میں زید ابن ارقم
دربار میں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہٹا لے اس چھڑی کو کہ میں نے
خود دیکھا ہے کہ رسول ان لبوں کا بوسہ لیتے تھے (لوگ روئے)
اب دیکھئے کہ بلا کے واقعہ سے حق گوئی کی جرات کم ہوئی
یا اور زیادہ پیدا ہوئی (سبحان اللہ) کہا کہ یہ بوڑھا صحابی رسول
ہے۔ اس کو سزا نہ دو۔ یہ بھی حسینؑ کی فتح تھی۔ آج صحابہ کی عزت
ہونے لگی۔ مگر کل تک رسول اللہ کے نواسے کی عزت نہ تھی
یہ حسینؑ سے مرعوبیت تھی۔ شہنشاہی حکم ہوا کہ مسجد جامع میں
لوگ جمع ہوں۔ اعلان فتح کے لئے رعایا کو واقعات جنگ
بتانے کے لئے خالص وفادار آدمیوں کا مجمع جامع مسجد میں جمع
ہوا۔ ابن زیاد کا حکم ہے۔ اس کا خیال تھا کہ کسی کی مجال ہو سکتی
ہے کہ جو میری بات پر اعتراض کرے۔ اور خطبہ پڑھتا ہے کہ
شکر ہے خدا کا کہ امیر کو فتح دی اور ہم کو غلبہ حاصل ہوا۔ اور شکست
دی حسینؑ کو۔ حسینؑ کا نام اس انداز سے لیتا ہے کہ جو آپ کی
صداقت کے بالکل برخلاف اثر پیدا کرے۔ وہ کہتا ہے کہ خاموش
سناٹے میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور ستون مسجد کے
پاس ایک نابینا کھڑا ہے۔ کہتا ہے کہ تو اور تیرا باپ کاذب کہ
تو نے اولاد نبی کو قتل کیا۔ یہ حسینؑ کی فتح ہے اور یزید کی شکست
ہے۔ اب بھی خیال ہو گا کہ یہ تو کوفہ ہے۔ علیؑ کا پایہ تخت
رہ چکا ہے۔ اگر اکا دکا ایسے واقعات ہو جائیں تو قابل لحاظ
نہیں ہیں۔ لیکن شام میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ اب دیکھئے کہ
دربار ہے۔ یزید کا خلیفۃ المسلمین کا۔ وہاں خالص لوگ تھے
برسوں جہاں کوشش کی گئی۔ نفرت پیدا کرنے کی اولاد
بنی ہاشم سے۔ وہ انہوں کا دربار ہے۔ وہاں شہنشاہیت
اپنی پوری عزت اور اقتدار اور جلالت اور جبروت کے
ساتھ آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ یزید تخت حکومت پر
ہے۔ وہ کوفہ کی تاریخ سامنے دہراتا ہے۔ یزید نے دیکھا کہ ابو برزہ
اسلمی کھڑے ہوئے اور کہا کہ کیا غضب کرتا ہے کہ یہ پیغمبر کا
نواسہ ہے۔ یہ بھی پیغمبر کے صحابی ہیں رسول کی آنکھ دیکھے ہوئے
ہیں۔ حسینؑ ابن علیؑ کے دردناک واقعات سے متاثر ہونا
کسی مذہب و ملت سے مخصوص نہیں۔

اس کا نمونہ اُس وقت پیدا ہو گیا۔ ایک عیسائی
سفیر بادشاہ روم کا موجود تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کہا کہ اے
یزید یہ کس کا سر ہے۔ یزید نے کہا کہ ایک مخالف حکومت کا
سر ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ مخالف حکومت کے

ہوتا تو یہ انجام کیوں ہوتا۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ ہے کس کا؟ کہا کہ تم کو کیا مطلب۔ کہا کہ میں حالات لکھ کر بھیجا کرتا ہوں میں اپنے یہاں اطلاع دوں گا۔ کہا کہ حسینؑ کا۔ پوچھا کہ کہاں کا رہنے والا۔ کہا کہ مکّہ کی طرف کا۔ کہا کہ مکہ میں ایک حسینؑ وہ تھے جو پیغمبر کے نواسہ تھے۔ علیؑ اور فاطمہ کے بیٹے تھے (لوگ رو دیئے) یزید کو اب انکار کا موقعہ نہ تھا۔ کہا کہ وہی حسینؑ تھے اُس نے یزید کو چھوڑا اور مجمع کی طرف رُخ کیا۔ اور کہا کہ میں حضرت داؤد کی اولاد میں سے ہوں۔ جس راستہ سے میں گذر جاتا ہوں لوگ میری خاکِ قدم کو لے کر اپنی آنکھوں میں ملتے ہیں۔ اور اس نے اپنے نبی کے نواسہ کو اس طرح سے شہید کر دیا۔ دیکھو حسینؑ کی فتح۔ لوگ حسینؑ کی طرف سے احتجاج کر رہے ہیں۔ مفتوحیت کا یزید کو احساس ہو گیا۔ اور اسی حق گوئی اور اظہار کی جرأت نے بڑھ کر ظالم سلطنت کو نیست و نابود کر دیا۔ کیا اب بھی شبہہ ہو سکتا ہے کہ فاتح حسینؑ تھے اور صرف حسینؑ (حیدرآباد ریڈیو)

اس تقریر کے بعد آل انڈیا مسالمہ رات کے ۱ بجے تک رہا۔ جس میں دہلی، لکھنؤ، فرخ آباد، لاہور، بریلی، کوٹہ، بھرتپور، دھولپور وغیرہ وغیرہ دیگر مقامات سے شعراء تشریف لائے تھے۔ یہ سب نظمیں اور سلام جداگانہ حسینی یادگار کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ جو ۴ر میں مع محصول ڈاک، سکریٹری بزم ادب شاہ گنج آگرہ سے مل سکتی ہیں۔

قطعہ اجتماع تقاریر کاملین بسلسلہ زیبائے یادگار حسینی

۱۳۶۱ھ — ۵۸۱ — ۱۹۴۲

از نتیجۂ فکر صاف باطن قنبر مدح نگار بریلوی

۱۳۶۱ — ۵۸۱

گشت قائم ز فضلِ ربِّ مجید | مجلسِ یادگارِ شاہِ شہید ۱۹۴۲ع
آمدہ عالمانِ خوش تقریر | کہ بود دورِ کہنہ را تجدید
گوش زد کرد واقعاتِ حسینؑ | عبرت آموختہ ہر قریب و بعید
حیف صد حیف دورِ جلادی | حیف حیف آں زمانۂ تہدید
بود اندر جہاں حسینؑ یکے | ولے بودند خیل خیل یزید
حرف آمد بنامِ اسلامے | از مسلماں چہ گشتہ باید دید
ہم ہنود و ز ہم مسلماناں | از سرِ عقل گفتگو گردید
آں ستم ہا کہ رفت بر شبیرؑ | آہ ورگہ بلا زدستِ یزید
فکرِ تاریخ شد چو بر قنبر | چند مصراع شد بہ طبع پدید
سالِ ہجری برائے آں گفتم | موجبِ یادگارِ تشنہ شہید
ذکرِ شبیرؑ اساسِ عالم شد | ہندوی سال منطبق گردید
واقفت، احسن بنا غلام علی | یادگارِ حسینؑ شاہِ شہید
ازدہانش شنو مسیحی سن | گوید از روئے حسن درائے مجید
سالِ ختم جلسہ ہا رفیع الشان ۱۹۴۲ع | سالِ میلادی آمدست پدید

(کرسیوں پر — ڈاکٹر مہدی حسن - آل مصطفیٰ - ڈاکٹر غلام مرتضیٰ - اسلام نبی خان - مولوی حسن عباس - مولوی مجتبیٰ حسن داھنی طرف سے) — خواجہ حسن نظامی صدر جلسہ - مولانا علی نقی قبلہ - پنڈت راجناتھ کنزرو - مولوی محمد رضا - خواجہ حسین نظامی حاجی سید حسن صدر انجمن - نجم آفندی - نواب سید اطہر - حاجی ناصر علی -

جناب سید انعام حسین صاحب رضوی اکبرآبادی
تحصیلدار علی گڈھ

جناب سیٹھ الہ دین بھائی صاحب - شو مرچنٹ
و گورنمینٹ کنٹریکٹر - آگرہ

جناب ڈاکٹر سید محمود الحسن صاحب رضوی
میمبر سب کمیٹی انجمن یادگار حسینی
سنہ ۱۳۶۱ ہجری آگرہ

رپورٹ سکریٹری انجمن یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ شاہ گنج ۔ آگرہ

یوں تو باشندگانِ شاہ گنج و آگرہ ہر سال ماہِ محرم و صفر میں شہیدِ اعظم امام حسینؑ علیہ السلام کے واقعۂ شہادت کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ اور سال بھر اپنے خوشی اور رنج کے موقعوں پر شہدائے کربلا کو یاد کرتے ہیں۔ لیکن جب سے اخبارات میں یہ شائع ہوا کہ جناب مولانا السید علی نقی النقوی قبلہ مجتہد العصر مدظلہٗ العالی نے تحریک کی ہے کہ ۱۳۶۱ھ میں چونکہ واقعۂ کربلا کو پورے ۱۳۰۰ سال ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کی یادگار خاص طور پر منائی جائے اور ہر شہر میں اس یادگار کے بین الاقوامی جلسے منعقد ہوں اور اُن جلسوں میں بلاقید مذہب و ملت لوگ شریک ہوں اور مشاہیر سے اس واقعہ کربلا پر تقاریر اور اظہار خیالات کی استدعا کی جائے۔

اس کے بعد ایک مرتبہ جناب مولانا السید علی نقی النقوی قبلہ مدظلہ العالی آگرہ تشریف لائے۔ اور عزاخانہ شاہ گنج میں اس یادگار کے متعلق تقریر فرمائی۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مومنینِ شاہ گنج و آگرہ نے اس یادگار کو اس طرح منایا جو آگرہ کے شایاں شان تھا۔ اور تمام باشندگانِ آگرہ۔ ہندو ۔ مسلمان، عیسائی۔ شیعہ۔ سنی حضرات نے ہر طرح سے اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ اور ۲۶۔۲۷۔۲۸ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳۔۱۴۔۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو بیکری باغ آگرہ میں بین الاقوامی (ہر روز تین نشست) جلسے ہوئے۔ جن کا سماں دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا اور ہر اجلاس میں ۱۵۰۰ اور ۷۰۰۰ کے درمیان مجمع ہوتا تھا اور اُن جلسوں کے دیکھنے والی آنکھیں جبتک زندہ رہیں گی۔ ان کامیاب جلسوں کو یاد رکھیں گی۔ ہم مومنینِ شاہ گنج و آگرہ کو مبارک باد دیتے ہیں اور ہم تمام مسلمانان و ہنود صاحبان آگرہ کے ممنون ہیں کہ ہمارے ان جلسوں کو اپنی شرکت و تقاریر سے رونق بخشی۔

ہم کسی طرح اُس مسبب الاسباب خداوند عالم کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے کہ باوجود بعض حضرات کی رخنہ اندازی اور طرح طرح کی رکاوٹوں کے ہم آج یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کی رپورٹ مع تقاریر اس زمانہ میں جب کہ کاغذ بہت گراں ہے شائع کرنے کے قابل ہوئے۔

۱۳ جون ۱۹۴۱ء کو ایک وفد صدر کمیٹی یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ لکھنؤ۔ جس میں مبلغ اسلام مولانا نثار علی صاحب حیدری و سید قیصر حسین صاحب وکیل شامل تھے۔ آگرہ آیا اور غریب خانہ "علی منزل" میں فروکش ہوا۔ چونکہ وفد مذکور کو بھرتپور۔ گوالیار جھانسی۔ ہوتا ہوا حیدرآباد جانا تھا اور زیادہ وقت اُن کے پاس نہ تھا لہٰذا اُسی شب ایک جلسہ علی منزل میں بصدارت جناب بابو سید محمد صاحب (مرحوم) سکریٹری مجلس تعلیم شاہ گنج ہوا اور قرار پایا کہ "یہ جلسہ یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ کے تحریک کو کامیاب بنانے اور آگرہ میں اس یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کو منانے اور منظم حیثیت سے انجام دینے اور مرکز کو تقویت پہنچانے کے لئے ضلع آگرہ میں ایک سب کمیٹی کی تشکیل کی جاوے۔ جس کے حضراتِ ذیل عہدہ داران منتخب کئے جاتے ہیں۔ اس کمیٹی کو اپنے ممبران اور عہدہ داران میں اضافہ کا حق ہوگا۔

صدر۔ جناب سید مقصود الحسن صاحب نقوی ایم۔ اے۔
پروفیسر ٹریننگ کالج۔ آگرہ۔

سکریٹری۔ جناب سید غلام علی صاحب احسن وکیل شاہ گنج آگرہ

جوئنٹ سکریٹری۔ جناب سید علی مقدس صاحب بی ایل ایم۔ اے
بی۔ ٹی سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ فرخ آباد۔

" جناب سید محمد مطہر صاحب وکیل۔ شاہ گنج۔ آگرہ۔

خزانچی۔ جناب سید ابو القاسم صاحب۔ رئیس شاہ گنج۔ آگرہ۔

چونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ عرصہ تک اس انجمن نے کوئی کام نہیں کیا۔ جب گرمی کم ہوئی تو ۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو پہلا جلسہ اس کمیٹی کا "عزاخانہ" شاہ گنج میں ہوا۔

اس جلسہ میں آگرہ کے جلسہائے یادگار ۱۳۶۱ھ کے منانے کے متعلق بہت سے امور پیش ہو کر منظور ہوئے اور بہت سے حضرات نے چندہ کا وعدہ فرمایا۔

اکتوبر ۱۹۴۱ء میں جناب صدر صاحب کا بحیثیت پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ تبادلہ ہوگیا اور جناب حاجی میر سید حسن صاحب رئیس صدر منتخب ہوئے۔ اور جناب سید ساجد رضا صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ نائب صدر منتخب ہوئے۔

۱۶ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جناب نائب صدر سید ساجد رضا صاحب اپنے علاقہ ضلع مراد آباد تشریف لے گئے اور سید آل مصطفےٰ صاحب دوسرے نائب صدر منتخب ہوئے۔

اس کمیٹی کے کل ۱۳ جلسے ہوئے اور چودھواں جلسہ تین دن تک بیگم باغ آگرہ میں ۱۳-۱۴-۱۵ فروری ۱۹۴۲ء مطابق ۲۶-۲۷-۲۸ محرم ۱۳۶۱ء کو ہوا۔

تحصیل چندہ

تحصیل چندہ کا کام سکریٹری (سید غلام علی احسن) سید محمد عابد رضا صاحب سید نجم الحسن صاحب ایڈ۔ ایچ جعفری۔ حاجی سید العابدین صاحب سید صادق حسین صاحب امین۔ سید زوار حسین صاحب۔ سید محمد مطہر صاحب وکیل۔ سید محمد رضی صاحب بی اے۔ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب۔ ماسٹر سید غلام شبر صاحب نے کیا۔ ان حضرات کا جسقدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ کیونکہ سب سے سخت کام یہ ہی ہے۔

"زومی طلبی سخن در نیست"

حضرات مومنین باشندگان شاہ گنج و آگرہ جو باہر ہیں اُنکے خدمت میں ایک مطبوعہ اپیل جس پر مومنین شاہ گنج۔ کٹرہ حاجی حسن گلاب خانہ۔ نائی کی منڈی کے دستخط تھے۔ ذریعہ ڈاک روانہ کی گئی۔ ہم ازحد ممنون و متشکر ہیں۔ مومنین شاہ گنج کے جو باہر ہیں کہ اُنھوں نے ہماری صدا پر لبیک کہا اور چندہ سے ہماری امداد کی۔ اُن کے اسمائے گرامی فہرست چندہ دہندگان سے ظاہر ہوں گے۔ لیکن ازحد ناشکر گزاری ہو گی اگر اس کا اظہار نہ کیا جاوے کہ سب سے پہلے سید عشرت حسین صاحب نائب تحصیلدار گو الیار و سید سفارش حسین صاحب ایم۔ اے ہیڈ ماسٹر رضا ہائی اسکول رامپور و سید محمود الحسن صاحب مانکپور و سید صفدر حسین صاحب سپرنٹنڈنٹ گوالیار نے ہماری اپیل کے جواب میں ہمت افزا خطوط روانہ کئے اور جناب سید انعام حسین صاحب رضوی تحصیلدار علی گڑھ نے نہ صرف خود چندہ سے اعانت کی بلکہ مبلغ ۹ روپیہ چندہ وصول کر کے عنایت فرمایا۔

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کا نشان

منجملہ دیگر امور کے صدر کمیٹی یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ لکھنؤ نے یہ بھی تجویز کیا تھا کہ ایک نشان اس قسم کا جس سے ہر شخص کی توجہ سال ۱۳۶۱ھ کی طرف خاص طور پر مبذول ہو سکے۔ عشرۂ محرم میں ہر شخص کو لگانا چاہیئے۔ چنانچہ مختلف نشانات

لکھنؤ و دیگر مقامات پر تیار ہوئے۔ آگرہ میں جناب شیخ مسعود حسن صاحب پروپرائٹر ناولٹی پروڈکٹ نے ایک نشان [illegible] تیار کیا جس کا نمونہ یہ ہے۔ مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کو یہ نشان میں نے دہلی جا کر دکھایا تو جناب نے پسند فرمایا چنانچہ جناب شیخ صاحب موصوف نے ۸۰۶ نشانات تیار کر کے انجمن یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ آگرہ کو دئے ان نشانات سے انجمن کو ۹۵/۱۲/۱ آمدنی ہوئی۔ سید علی اصغر صاحب نے ان نشانات کو فروخت کیا جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

یہ نشانات گوالیار۔ بھرتپور۔ بہرسر۔ علی گڑھ۔ مظفر نگر لکھنؤ وغیرہ میں بہت پسند کئے گئے اور فروخت ہوئے۔

مقام جلسہائے یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ

مقام جلسہائے یادگار کے متعلق ممبران کمیٹی میں بہت اختلاف رہا۔ کچھ ممبران مزار اقدس جناب نور اللہ شوستری علیہ الرحمۃ کے موافق تھے۔ کچھ حضرات نیا بازار شاہ گنج کے موافق۔ اور کچھ حضرات بیگم باغ آگرہ کے جو وسط شہر آگرہ میں واقع ہے موافق تھے مقام جلسہ کے معاملہ کو سلجھانے میں اس قدر توقف ہوا کہ پروگرام جلسہ بھی بدیر شائع ہو سکا۔ بمشکل ۸ر فروری ۱۹۴۲ء کے جلسہ میں یہ طے پایا کہ بیگم باغ میں جلسے منعقد ہوں۔ ہم شکرگزار ہیں جناب ڈاکٹر سید محمود الحسن صاحب انچارج لوہامنڈی ڈسپنسری و آغا محمد حسین صاحب کے جنھوں نے اس قلیل مدت میں بیگم باغ کے حصول میں امداد کی جناب ایس ڈی ماتھر صاحب ایگزیکٹیو افسر آگرہ میونسپلٹی خاص طور پر مستحق شکریہ ہیں جنھوں نے ازراہِ عنایت اس جلسہ کی اہمیت مدنظر رکھتے ہوئے یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کے جلسوں کے لئے بیگم باغ عنایت فرمایا۔ جناب شام لال گپتا صاحب اگزیکٹیو انجینیر و بابو پورنما سروپ ایڈیٹر آگرہ میونسپلٹی کی عنایت کا شکریہ ہم کما حقہ ادا نہیں کر سکتے جنھوں نے صفائی و دیگر کاموں میں انجمن کی ہر طرح امداد کی۔

پنڈال

پنڈال کا مسئلہ بھی اہم تھا۔ کیونکہ خرچ زیادہ ہوتا تھا لیکن سید انعام حسین صاحب تحصیلدار علی گڑھ کی توجہ سے ہم کو بہت معمولی کرایہ پر شامیانے مل گئے۔ انجمن خاص طور پر جناب تحصیلدار صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

جناب سید محمد عابد رضا صاحب نے تیاری پنڈال میں باوجود ناسازیٔ مزاج بڑی دلچسپی لی اور ایک عالیشان پنڈال جس کا طول ۱۲۵ فٹ اور عرض ۹۵ فٹ تھا۔ اور جس میں ۳۵۰۰ کرسیوں کا انتظام تھا۔ تیار کرایا۔ پنڈال کے اندر ایک سمت ڈائس تھا جس پر کوچ اور کرسیاں آراستہ تھیں۔ دو بلند دروازے بنائے گئے تھے۔ ایک لب سڑک اور ایک پنڈال کے داخلہ کی جگہ۔ ان دونوں دروازوں پر ہرے کپڑے لگائے تھے جن پر ۱۳۰۰ سالہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ انگریزی۔ اردو ہندی میں جلی حروفوں سے لکھا ہوا تھا۔ چونکہ بیگم باغ وسطِ شہر میں آگرہ کی مشہور ڈرمنڈ روڈ (Drummond Road) پر واقع ہے۔ یہ دروازہ کی تحریر ہر ایک گذرنے والے کی نظر کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔

یہاں تک تو سب ٹھیک تھا۔ لیکن ۱۲۔ ۱۳۔ فروری ۱۹۴۲ء کی شب کو بڑی زور کی آندھی آئی اور اس کے بعد شدید بارش ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام پنڈال آندھی سے اڑ گیا۔ اور گر گیا۔ اور بارش سے تمام شامیانہ تر ہو گیا کارکنان کو سخت پریشانی تھی۔

جناب نواب سید یونس رضا صاحب۔ سید شاہد رضا صاحب

سید ابو جعفر و سید محمد مقصود سکریٹری انجمن پنجتنی معہ چند ممبران انجمن پہونچ گئے۔ سید محمد عابد رضا صاحب اور آن کے مددگار سید سجاد حسین صاحب ٹھیکیداری مایوسی قابل دید تھی کہ انکی دو دن کی تمام محنت چشم زدن میں اکارت ہوگئی۔ بارش کا سلسلہ رات کے بارہ بجے تک جاری رہا۔ ان سب حضرات نے رات بھر کوشش کی۔ ۲۰۔ ۲۵ مزدور فراہم کئے گئے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ صبح جب وہاں لوگوں کا آنا شروع ہوا تو تمام پنڈال گرا ہوا پڑا تھا۔ اور عام طور پر کارکنان کی مجبوری پر افسوس کیا جارہا تھا۔ بہت سے حضرات جن میں ذمہ دار ہستیاں تھیں اپنے گھر واپس چلے گئے کہ ایسی حالت میں جلسہ کیا ہوسکے گا۔ اب دوسری نشست ہوسکے گی۔ لیکن یہ اعجازِ حسینی تھا۔ کہ پنڈال بعجلت تمام درست ہوگیا اور ہم سجائے ۸ بجے صبح وقت مقررہ ۱۰ ½ بجے اسی پنڈال میں جلسہ کرسکے۔

عالی جناب رائے صاحب گورچرنداس مہتا صاحب صدرِ جلسہ افتتاحیہ کے ہم خاص طور پر ممنون ہیں۔ کہ جناب نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری کو بھیجا اور صورت حال دریافت کرکے جو بالکل بے اختیاری تھی حقیر سکریٹری کو اطلاع بھیجی کہ جلسہ شروع ہونے سے ایک گھنٹہ قبل ممدوح کو ذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی جاوے۔

جو حضرات واپس چلے گئے تھے۔ جب آن کو معلوم ہوا کہ جلسہ ہوا اور صدارتی افتتاحیہ تقریر ہوئی تو آن کو بیحد افسوس ہوا۔

جناب سید محمدؐ عابد رضا صاحب و سید سجاد حسینؑ صاحب ممبران انجمن پنجتنی خاص طور پر مستحق شکریہ ہیں جو چار دن رات بیکہ باغ میں رہے۔ اور پنڈال کی تمام آرائش اور زیبائش اور وہاں کے سامان کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ جس کا سب سے عمدہ ثبوت یہ ہے کہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔ اور نہ کوئی چیز ٹوٹی جیسا کہ عام طور پر ایسے بڑے بڑے جلسوں میں ہوتا ہے پنڈال میں تین جگہ لاؤڈ اسپیکر لگائے گئے تھے۔ ایک مقرر کے پاس اور دو وسط پنڈال کے دائیں بائیں جن سے پنڈال سے گذر کر تمام بیکہ باغ میں آواز سنائی دیتی تھی۔

جلسہائے یادگارِ حسینی کی صدارت

آل انڈیا مسالمہ جو بسلسلہ یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو قرار پایا تھا۔ خود میں (سکریٹری) دہلی جاکر بامداد جناب خطیب اعظم مولانا السید محمد صاحب دہلوی و پیرزادہ حاجی شیخ عزیز الدین صاحب۔ جناب مصور فطرت خواجہ حسنؓ نظامی صاحب دہلوی مدظلہ العالی سے صدارت کا وعدہ لے آیا تھا۔ اب صرف دو دن یعنی ۱۳۔ ۱۴۔ فروری ۱۹۴۲ء کے لئے صدارت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر مہدی حسن صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ اتچ۔ ڈی۔ ڈی لٹ پروفیسر آگرہ کالج کی خاص کوشش سے ہزہولینس حضور رائے صاحب گورچرنداس مہتا صاحب گرو دیال باغ آگرہ نے افتتاحیہ جلسہ کی صدارت منظور فرمائی ۔ حضور موصوف عام طور پر جلسوں میں شرکت نہیں فرماتے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس ۱۳۰۰ سالہ یادگار کی اہمیت کے مدنظر رکھکر ہماری درخواست کو منظور فرمالیا تھا۔ جناب خانصاحب نواب سید اطہر صاحب میونسپل کمشنر آگرہ و نواب سید یونس رضا صاحب اسپیشل مجسٹریٹ آگرہ

کی خاص توجہ اور کوشش سے ہز ہولینس
حضور راج جی مہاراج گرو رادھا سوامی ست سنگ آگرہ۔ و
راؤ کرشن پال سنگھ صاحب اداگڑھ نے ایک ایک جلسہ کی
صدارت منظور فرمائی۔

ہرسہ صاحبانِ صدر نے معرکۃ الآرا تقاریر فرمائیں اور خاص
طور پر زور دیا کہ یہ تقریب جلسہ یادگارِ حسینی بین الاقوامی
اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈالی جائے۔ اور امام حسین
علیہ السلام نے جس حقانیت اور صداقت پر اپنی اُن
اپنے عزیزوں اور دوستوں کی جانیں دیں اُس
پر ہم سب کاربند ہوں۔

مصورِ فطرت نے معرکۃ الآرا اپنی صدارتی تقریر میں
واقعہ کربلا کے تاریخی اسباب و واقعات بیان فرمائے۔

مقررین جلسہ

جلسوں کی شان مقررین پر موقوف ہوتی ہے۔ چنانچہ
میں تعطیل کرسمس میں مقررین کو مدعو کرنے کی غرض سے دہلی گیا
کیونکہ اس زمانہ میں شہید رابع کے مزار پر مجالس تھیں۔ اور
مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ العالی تشریف لانے والے
تھے۔ اُن سے تواریخ جلسہ کا تعین اور تقریر کا وعدہ لینا تھا
چنانچہ قبلہ و کعبہ نے ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کی شرکت کا
وعدہ فرمایا۔ خطیب اعظم مولانا سید محمدؒ صاحب قبلہ نے بوجوہ ان
تاریخوں میں شرکت سے معذوری فرمائی۔ لیکن میرے ساتھ
تکلیف فرماکر درگاہ نظام الدین اولیا و دولت خانہ جناب
خواجہ صاحب مدظلہ العالی پر تشریف لے گئے۔ اور خواجہ صاحب
سے شرکت کا وعدہ لیا۔ جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب
نے مذبذب وعدہ فرمایا تھا۔ اور وہ تشریف بھی نہ لاسکے۔

سید احتشام حسین صاحب ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کو
جناب سید نجم الدین صاحب ایم اے پروفیسر آگرہ کالج نے
خاص کوشش فرماکر رضامند کیا۔ اور مستحق خاص شکریہ ہیں۔
سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے بی ٹی پروفیسر علیگڑھ
یونیورسٹی و آنریری سکریٹری سادات وظیفہ فنڈ
کو جناب سید انعام حسین صاحب رضوی تحصیلدار علی گڑھ نے
راضی کیا۔

(۱) مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ العالی مجتہد العصر و سکریٹری
انجمن یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ (۲) فرزدق ہند مولوی سید قائم رضا صاحب
نسیم امروہوی۔
(۳) شاعرِ اہلبیت جناب نجم صاحب آفندی سے خود لکھنؤ
جاکر ۳۱ر جنوری ۱۹۴۲ء کو حقیر نے وعدے حاصل کیے۔

جناب سید مقصود الحسن صاحب نقوی ایم۔ اے پرنسپل
شیعہ کالج و مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی۔ ایم۔ اے بی۔ ٹی
مولانا سید اولاد حسین صاحب شاعر وزیر امور خیر ریاست رامپور نے
بھی تقریر کے وعدے فرمائے تھے۔ لیکن جلسوں سے دو روز قبل جناب
پرنسپل صاحب موصوف کا نوازش نامہ آیا کہ وہ تشریف نہ لائیں گے۔
جناب جارچوی صاحب بھی تشریف نہیں لاسکے۔ مولانا سید اولاد حسین
صاحب قبلہ بھی بسبب علالت شرکت نہ فرماسکے۔ چونکہ پروگرام
شائع ہوچکا تھا۔ بڑی دقت اور پریشانی محسوس ہوئی۔ میں نے
ایک تار جناب قبلہ و کعبہ مولانا سید علی نقی صاحب مدظلہ العالی
کی خدمت میں روانہ کیا۔ چنانچہ جناب موصوف اپنے ہمراہ
جناب مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب کامونپوری و جناب مولوی
حافظ محمد ہاشم صاحب قبلہ فرنگی محلی کو اپنے ہمراہ لے آئے۔

خداوند عالم کہ ہمارے جلسوں کی شان اور عظمت بڑھانا تھا اور آگرہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ جناب مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی جو یادگار حسینی کے جلسوں کی شرکت کیلئے جے پور تشریف لے جا رہے تھے لیکن چونکہ صبح کی گاڑی نکل گئی۔ لہذا جناب موصوف آگرہ میں رک گئے اور ۱۳ ارفروری ۱۹۴۲ء کی شام کو آگرہ کے جلسے میں معرکۃ الآرا تقریر فرمائی۔

جناب سید مظاہر حسین نقوی صاحب کی خاص توجہ سے جناب سید تصویر حسین صاحب امروہوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ نے باوجود ناسازئ مزاج آگرہ کے جلسہ میں تقریر فرمائی اور مزید احسان انجمن پر فرمایا کہ کرایہ کا بھی بار انجمن پر نہ ڈالا۔

جناب شنکر لال صاحب جنڈل ایم اے پروفیسر ٹریننگ کالج آگرہ نے جناب ڈاکٹر مہدی حسن صاحب پروفیسر آگرہ کالج کی و جناب محمد سلطان حیدر صاحب جوش (علیگ) اردو زبان کے مایہ ناز ادیب و مصنف ابن مسلم و نواب زید وغیرہ۔ ڈپٹی کلکٹر آگرہ نے جناب ڈاکٹر علی اختر صاحب انصاری ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی انجنیر آثار قدیمہ کی بابو پورن چند سود اے۔ ایل۔ ایل بی ایڈوکیٹ آگرہ و پنڈت راجنا تھ کنزرو صاحب رئیس آگرہ نے حقیر سکریٹری کی استدعا پر جلسوں میں نہایت بصیرت افروز تقاریر فرمائیں

استقبال و قیام مقررین

استقبال کیلئے سید محمد رضی صاحب پنشنر سب رجسٹرار سید علی جان صاحب رئیس و متولی وقف میر نیاز علی صاحب مقرر ہوئے تھے اور ان حضرات نے حتی المقدور حضرات مقررین کا استقبال کیا لیکن اگر گاڑیوں کے نا وقت آنے کی وجہ سے بعض مقررین کو تکلیف ہوئی تو ان حضرات سے انجمن معافی کی خواستگار ہے۔

۱۔ عالیجناب مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدظلہ العالی نے جناب حاجی سید ناصر علی صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ نہر کے دولت خانہ پر قیام فرمایا۔

۲۔ عالیجناب مولانا سید علی نقی صاحب مجتہد العصر و سکریٹری انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ تاکمشنری

۳۔ عالیجناب مولانا صبغۃ اللہ شہید انصاری قبلہ فرنگی محلی لکھنؤ۔

۴۔ عالیجناب مولانا حافظ محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی لکھنؤ نے جناب حاجی میر سید حسن صاحب صدر انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ دولت خانہ پر لوہا منڈی میں قیام فرمایا۔

۵۔ سید احتشام حسین صاحب ایم۔ اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے جناب سید نجم الدین صاحب ایم اے پروفیسر آگرہ کالج کے دولت خانہ پر قیام فرمایا۔ سید نفیر حسین صاحب بخاری ایم اے۔ بی۔ ٹی پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی نے جناب نواب سید اطہر صاحب کے دولت خانہ پر قیام فرمایا۔

۶۔ شاعر اہلبیت جناب نجم آفندی نے سید حامد حسین صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر کے دولت خانہ کٹرہ حاجی حسن میں قیام فرمایا۔

۷۔ فرزدق ہند مولانا سید قائم رضا صاحب نسیم امروہوی نے سکریٹری (سید غلام علی احسن صاحب) کے مکان پر قیام فرمایا۔

۸۔ سید تصویر حسین صاحب ایم۔ اے اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ نے سید مظاہر حسین صاحب نقوی کے دولت خانہ پر صدر بازار میں قیام فرمایا۔

یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کا آگرہ میں جلوس

انجمن نے جلوس کو پروگرام میں نہیں رکھا تھا اور اس وجہ سے کوئی انتظام اس کے لئے نہیں تھا۔ لیکن جناب ڈاکٹر مہدی حسن صاحب پروفیسر نے ۸ فروری ۱۹۴۲ء کے کمیٹی کے جلسہ میں تحریک پیش کی اور منظور ہوئی اور اس کام کیلئے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف سید محمد مظہر صاحب وکیل جوائنٹ سکریٹری انجمن اور مولوی انوار الحسن خاں لودی وکیل منتخب ہوئے۔ ۱۳ ارفروری ۱۹۴۲ء کو بعد نماز جمعہ جامع مسجد آگرہ سے یہ جلوس جامع مسجد سے ملونیہ بازار سبزی منڈی کوتوالی۔ شو مارکیٹ نائی کی منڈی ہوتا ہوا چار بجے شام کو بیکر باغ پہونچا۔ سید محمد مظہر صاحب وکیل نے تین روز دن رات کوشش کرکے اقوال مہاتما گاندھی پنڈت جواہر لال نہرو حضور نظام حیدرآباد وغیرہ وغیرہ کپڑوں پر لکھوا کر بانسوں میں آویزاں کرائے۔ جلوس کی ان اقوال سے ایک خاص شان

پیدا ہوگئی۔ مجمع تقریباً ۵۰۰۰ ۔ ۷۰۰۰ کا تھا جلوس میں آگرہ کے مشہور نعت خواں و ممبرانِ انجمن سجادیہ ٹیلہ منا لال نے سلام اور نوحے پڑھے جلوس کی کامیابی کا سہرا جناب سید محمد مطہر صاحب وکیل جوائنٹ سکریٹری انجمن و جناب انوار الحسن خاں صاحب وکیل و جناب حافظ عبدالحمید صاحب سکریٹری مسلم لیگ و سید قاسم رضا صاحب کے سر رہا۔

تقسیم رسالہ جات

۱۳، ۱۴ اور ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء دورانِ جلسوں میں حسب ذیل رسالہ جات عوام کو تقسیم ہوئے۔ زیادہ تر رسالہ جات لکھنؤ سے قیمتاً منگائے گئے تھے۔ انگریزی و ہندی رسالے یہاں آگرہ میں چھپوائے گئے تھے۔

سچا رہبر اردو	۵۱۰	تیرہ سو سالہ یادگارِ حسینی انگریزی	۲۰۰
مذاہب عالم میں حسینؑ کی عظمت	۱۰۰۰	تیرہ سو سالہ یادگارِ حسینی ہندی	۱۰۰۰
حسینؑ اور انکا پیغام اردو	۵۰۰	سچا نیتا ہندی	۴۰۰
واقعۂ کربلا اردو	۲۱۰	حسینؑ اینڈ ہز میسج انگریزی	۵۰
ٹرولیڈر انگریزی	۵۰	میسج آف حسینؑ از نگاہ انگریزی	۵۰

مبلغ ۵۰ روپیہ چندہ جو حاجی میر حسن صاحب صدر انجمن نے عطا فرمایا تھا۔ اسکی تخصیص کردی گئی تھی کہ خرید رسالہ میں خرچ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ۲۰۰۰ رسالے ۱۳۰۰ سالہ یادگارِ حسینی کے انگریزی میں چھپوا کر شیخ مسعود حسن صاحب پروپرائٹر نادلٹی پریس و ڈاکٹر ... نے بغرض تقسیم عطا فرمائے تھے۔ ہر دو حضرات کی انجمن شکر گزار رہے گی۔

جلسوں کا فوٹو

یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ کے جلسوں کے دو گروپ بھی لئے گئے۔ جو ہمراہ تعارف بلاک بنوا کر شامل کئے جاتے ہیں۔ قرار پایا تھا کہ جلسوں کے صدر اور حضرات مقررین کو جو ان تصاویر میں شریک ہیں۔ ایک ایک کاپی دیجائے۔ چنانچہ مبلغ ۱۵ روپیہ کے ۵ فوٹو اس طرح تقسیم ہوئے۔ بحضور فطرت خواجہ حسن نظامی مدظلہ العالی — ایک کاپی

مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر — ایک کاپی

برائے دارالآثار لکھنؤ — ۲ کاپی

حضور راجہ جی مہاراج بالقابہ — ۱ کاپی

باقی ۵ روپیہ کا تصاویر سکریٹری کو نہیں ملیں اس وجہ سے انجمن کے اس ریزولیوشن کی تعمیل سے قاصر رہا۔ ایک سب کمیٹی کا گروپ اور انجمن کے ہمدرد حضرات کی تصاویر بھی شائع کی جاتی ہیں۔

تقاریر شارٹ ہینڈ

قلم اپنا کہ انا البرق ہوا ہے جس کا سر قطعہ بولنے والے کی آواز سے کہتا ہے ٹھہر تو بڑی دیر میں پہونچے گی ابھی کانوں تک پہلے ہی صاحب اخبار کو دیتا ہوں خبر

اکثر مشاہیر ملک مثلاً سرسید و محسن الملک مرحومان وغیرہ کو آخر وقت تک یہ تمنا رہی کہ کاش اردو شارٹ ہینڈ ایجاد ہوتا اور تقاریر لفظاً بہ لفظ نوٹ کی جاسکتیں جیسا کہ انکے خطبات سے ظاہر ہے۔ الحمد للہ کہ یوپی سرکار نے ازراہ کمال ہنر پروری پروفیسر ریڈ کرسچین کالج لکھنؤ کی معرفت اردو شارٹ ہینڈ پٹمین کے طریقے پر ۱۹۰۸ء نہایتہ ۱۹۱۰ء میں ایجاد کرایا اور اکثر سب انسپکٹران پولیس کو تعلیم دی۔ سید امیر حیدر صاحب بخت اکبرآبادی نے اول بیچ ۱۹۰۸ء ۱۹۱۰ء میں تعلیم پائی۔ اسوقت سے رپورٹنگ کا کام برابر کرتے رہے ہیں۔ قطعہ مندرجہ بالا انکے ایک قصیدہ کا ہے۔ حقیر سکریٹری کی درخواست پر آپ کانپور سے تشریف لائے اور کرایہ تک کا بار انجمن پر نہ ڈالا۔

شارٹ ہینڈ رپورٹر موصوف خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ جملہ تقاریر کو بکمال شفقت انجمن کیلئے مرتب فرمایا۔

ایک امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سرکاری اسمبلی و کانسلوں میں بہت سے رپورٹر ہوتے ہیں جو یکے بعد دیگرے صرف ۱۰-۱۰ منٹ نوٹ کرتے ہیں۔ دن بھر میں صرف گھنٹہ آدھ گھنٹہ لکھنا پڑتا ہے۔ یہاں دن کی تین نشستیں دو دو تین تین گھنٹہ متواتر تقاریر رپورٹر موصوف کو تنہا لکھنا پڑیں۔ اس لئے امید ہے کہ اگر تقاریر میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مقررین جلسہ و اکابرین قوم ازراہِ کرم معاف فرمائیں گے۔ آپکا فوٹو بھی شائع کیا جاتا ہے۔ (جلسہائے یادگارِ حسینی ۱۳۶۱ھ سے آگرہ میں عام ہمدردی)

۱۳ فروری ۱۹۴۲ء یوم جمعہ رام نومی کی تعطیل عام تھی۔ ۱۵ فروری کو اتوار تھا۔

عام تعطیل بھی مگر میونسپلٹی کے اسلامیہ مدارس بند نہ تھے۔

منجانب انجمن جناب کلکٹر صاحب آگرہ جناب ایچ آر شو دسانی صاحب آئی سی ایس کی خدمت میں ایک درخواست بغرض تعطیل ۱۴ر فروری ۱۹۴۲ء پیش کی اور جناب خان بہادر نواب اقبال احمد خاں صاحب سٹی مجسٹریٹ آگرہ کی سفارش پر جناب کلکٹر صاحب نے نصف روز کی تعطیل منظور فرمائی جس کا ہم خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مولوی سعید احمد صاحب ماہرشی منیجر شعیب محمدیہ ہائی اسکول نے ۱۴ر فروری کا مدرسہ کی تعطیل کر دی اور ۵۰۰ کرسیاں بھی جلسہ کیلئے مدرسہ سے مرحمت فرمائیں۔ چنگی کے مدارس اسلامیہ میں جمعہ کی تعطیل ہوتی ہے لیکن انجمن کی درخواست پر جناب ایگزیکٹیو آفیسر صاحب نے ۱۴-۱۵ر فروری کو عام تعطیل مدارس اسلامیہ کی کر دی جس کا انجمن تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے۔

آمدنی وخرچ

جلسہائے انجمن یادگار ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو ختم ہوئے ۲۶ر مارچ ۱۹۴۲ء کے جلسہ میں حساب آمدنی وخرچ پیش ہو کر منظور ہوا۔ اس وقت تک آمدنی للعہ ۵ر خرچ للعہ ۵ باقی ۱۲ تھا۔ اس کمیٹی میں قرار پایا کہ تقاریر اور رپورٹ انجمن شائع کیجائے اور اس کام کیلئے ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی۔ سید ابوالقاسم صاحب خزانچی نے آئیندہ کیلئے استعفیٰ دیدیا اور انکی بجائے شیخ مسعود حسن صاحب خزانچی مقرر ہوئے۔ سب کمیٹی نے آخر نومبر تک رقم جمع کی۔ اور بڑی کوشش اور محنت کر کے تقاریر کو شائع کیا۔ کل آمدنی الـ عہ کل خرچ الـ معہ ۵ فاضل خرچ ۱۹/۱۲

تفصیل آمدنی وخرچ گوشوارہ سے ظاہر ہوگی۔

شکریہ معاونین ودیگر حضرات

منجانب انجمن عام چندہ دہندگان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ امداد نہ فرماتے تو یہ جلسے یادگار نہ ہوتے۔ جناب ہز ہولینس راج جی مہاراج دسیٹھ الہ دین بھائی ومرزا شہریار جنگ خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ بعد جلسہ اشاعت تقاریر کیلئے چندہ مرحمت فرمایا۔ جناب سید ابوالقاسم صاحب خزانچی سابق مستحق خاص شکریہ ہیں کہ باوجود اپنی خرابی تندرستی کے اس اہم اور ذمہ دار کام کو انجام دیا۔ مفصل چارہ حضرات کا میں پہلے ہی شکریہ ادا کر چکا ہوں علاوہ اس کے محمد مقصود سکریٹری انجمن پنجتنی وممبران ابن محمد مسعود واحمد حسن مظاہر منور رضا محب حسین منشی حسین احمد سکریٹری وممبران انجمن ہمدویہ وحافظ عبدالحمید صاحب سکریٹری مسلم لیگ والنٹریان وممبران انجمن سجادیہ کا شکریہ کس طرح ادا کیا جاوے کہ ان حضرات نے تینوں دن جلسوں میں ہر طرح کی امداد کی۔ سید حامد علی جعفری وسید امانت علی وضیاء حیدر۔ احسن رضا دفتر اطلاعات کی خدمات جلسہائے یادگار حسینی میں قابل شکریہ ہیں جنھوں نے تینوں دن آنکو آنریری آفس کی خدمات انجام دیں اور حضرات شہر کا جلسہ کی بائیسکلوں کی حفاظت کا انتظام کیا۔ سید محمد عابد رضا صاحب رضوی وسید سجاد حسین صاحب ٹھیکیدار کا شکریہ کسطرح ادا کیا جاوے کہ انھوں نے پنڈال کے نصب کرانے اور پنڈال کے انتظام میں نہایت ہی بڑی محنت کی۔ سید حامد حسین صاحب انسپکٹر ماسٹر سید غلام شبر صاحب سید علیجان ونجم الحسن۔ آغا محمد حسین۔ مرزا احمد علی صاحبان نے انجمن کے جلسوں میں شریک ہو کر مفید مشورے دیئے اور مستحق شکریہ ہیں۔ جناب ڈاکٹر مہدی حسن صاحب پروفیسر آگرہ کالج کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ جناب کے عمدہ مشوروں سے اکثر کاموں میں وتیاری پروگرام میں ہر طرح امداد ملی۔ سید علی اصغر صاحب نے بچوں کی فرودگی کا حساب رکھا اور بہ ہمراہی نواب سید ناصر حسین صاحب پروگرام جلسہ تقسیم کرائے۔ انکی محنت وہمدردی کا شکریہ جتنا ادا کیا جائے کم ہے۔ جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی۔ مولوی انوار الحسن خاں لودی۔ ماسٹر مجید علی صاحب۔ پیرزادہ حاجی شیخ عزیز الدین صاحب درگاہ فتحپور سیکری کا کسی طرح شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ جلسوں کی کامیابی میں ہر طرح امداد کی علاوہ دیگر کاموں کے جن کا تذکرہ آچکا ہے۔ جناب ماسٹر سید محمد رضی صاحب بی اے نے تقاریر کی کاپیوں اور انکے پروفوں کا مقابلہ کر کے مزید شکریہ کا استحقاق حاصل کر لیا ہے۔ آخر میں ان صاحبان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے دامے۔ درمے۔ سخنے گو انجمن کی امداد نہیں کی لیکن کم از کم مخالفت سے باز رہے اور جلسوں کی کامیابی سے انکو خوشی ہوئی۔

اعتذار:۔ اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ کوئی انسان سہو اور خطا سے مبرا نہیں اتنا بڑا کام حقیر کی قوت ولیاقت سے باہر تھا۔ لیکن خداوند عالم کے فضل ودیگر حضرات کی امداد سے میں اس ۱۳۰۰ سالہ یادگار حسینی کی خدمت انجام دے سکا۔ لیکن مجھے خود اعتراف ہے کہ مجھ سے بہت سی غلطیاں وفروگذاشتیں ہوئی ہونگی۔ بعض حضرات کو میرے کچھ ناگوار خاطر بھی ہوئے ہونگے۔ لہذا ازراہ کرم معاف فرمایا جاؤں۔ اس خدمت میں کسی شکریہ کا مستحق نہیں ہوں صرف یہی خواہش ہے کہ دربار حسینی میں میری یہ خدمات قبول ہوں۔ قارئین کرام رپورٹ وتقاریر سے بھی یہ استدعا ہے کہ حقیر کی مقبولیت خدمات کیلئے دعا فرماویں۔ (آمین) احقر زمن

گوشوارہ آمدنی و خرچ انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ شاہ گنج آگرہ بابت ابتدائے ستمبر ۴۲ء لغایۃ ۳۰ نومبر ۴۲ء

آمدنی

آمدنی	روپیہ	آنہ	پائی
۱- رقم چندہ	۱۰۱۰	۱۰	—
۲- از انجمن ترقی تجارت سوداگران جفت شوبازکیٹ آگرہ	۲۵	—	—
۳- منافعہ از فروختگی نشان بیج (Badge)	۱۱۶	۱۴	۹
	۱۱۵۳	—	۹

٭ نوٹ:- حضرات ذیل کے ذمہ حساب نشان ہنوز باقی ہے۔ جس کو باوجود متعدد یاددہانی کے ابھی بیباق نہیں کیا۔

سید زوار حسین صاحب کورٹ سب انسپکٹر پینشنر قیمت بیج بیلے ۱۲ر

سید ذاکر حسین صاحب سینیٹری انسپکٹر مظفر نگر قیمت ۵۰ بیج عہ/ ۱۲ر

خرچ

خرچ	روپیہ	آنہ	پائی
۱- تشہیری منادی و چسپانگی اشتہارات وغیرہ	۶	۲	۶
۲- اسٹیشنری	۶	۱۲	۰
۳- طباعت اشتہارات۔ رسیدات پوسٹر وغیرہ	۴۰	۹	۰
۴- قیمت رسالہ جات تقسیم شدہ دوران جلسہ ہائے یادگار حسینی	۴۶	۶	۰
۵- کرایہ آمد و رفت سکریٹری دہلی، لکھنؤ برائے واعظین۔	۳۱	۱	۰
۶- کرایہ آمد و رفت واعظین۔	۱۰۶	۳	۹
۷- بنوائی مہر	۱	۰	۰
۸- دو عدد پارچہ جات برائے دروازہ	۷	۷	۰
٭ ۹- خرچہ فوٹو معرفت سکریٹری معرفت سید آل مصطفیٰ صاحب ۵ عہ	۵۸	۰	۰
۱۰- ڈاک خرچ	۳۰	۱۱	۶
۱۱- کرایہ لاؤڈ اسپیکر ۳ روز	۲۶	۶	۰
۱۲- کرایہ تانگہ سائیکل موٹر وغیرہ	۵۸	۱۰	۳
۱۳- کرایہ شامیانہ	۱۰۵	۰	۰
۱۴- کرایہ کرسی میز و کوچ وغیرہ	۱۲۲	۴	۰
۱۵- خرچ سبیل بیکر باغ	۱۰	۰	۰
۱۶- اجرت مزدوران برائے باربرداری	۳۰	۳	۰
۱۷- خرچ روشنی	۱۸	۸	۰
۱۸- کپڑا برائے صفائی میز و کرسی	۴	۳	۰
۱۹- خرچ چائے و ناشتہ و خوراک معرفت حامد علی ۱۲ عہ، معرفت سید محمد عابد رضا ۱۳ عہ، خوراک علی جواد صاحب ۹ر	۲۶	۸	۹
۲۰- مصارف جلوس	۱۵	۱	۹
۲۱- طباعت رسالہ	۶۶۰	۸	۰
۲۲- تیاری دروازہ	۱۱	۰	۰
۲۳- طباعت تقاریر و رپورٹ	۲۹۱	۰	۰
۲۴- متفرقات	۱	۱۱	۹
۲۵- کل آمدنی ۱۱۵۳ عہ کل خرچ ۱۱۷۱ عہ ۵ ۹، فاضل خرچ ۱۸ عہ ۹	۱۱۷۱	۵	۹

٭ مبلغ ۵ عہ روپیہ سید آل مصطفیٰ صاحب نائب صدر نے خرچ فوٹو میں دکھلائے ہیں لیکن لوجہ استعفیٰ سکریٹری کو باوجود دریافت کوئی اطلاع اس امر کی نہ دی کہ وہ تصویریں کیا ہوئیں۔

سید غلام علی احسن سکریٹری انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ شاہ گنج آگرہ

فہرست اسمار چندہ دہندگان برائے جلسہائے یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ھ شاہ گنج آگرہ

نام	رقم	نام	رقم	نام	رقم
۱۔ ڈاکٹر سید محمود الحسن صاحب خان انچارج لوہا منڈی ڈسپنسری	لہ للعہ	۲۸ مولوی سید گل محمد شاہ صاحب	عہ	۵۵ سید ولایت حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس	صہر
۲۔ ہز ہائینس حضور راج جی مہاراج آگرہ	للعہ	۲۹ سید بدر الحسین صاحب رئیس	عہ	۵۶ مرزا ہادی علی صاحب اورسیر	صہر
۳۔ حاجی میر سید حسن صاحب صدر انجمن لوہا منڈی	عہ	۳۰ مولوی خادم علی خاں صاحب میونسپل کمشنر	عہ	۵۷ سید سفارش حسین صاحب ایم اے ہیڈ ماسٹر	صہر
۴۔ خان بہادر ڈاکٹر سید غلام مرتضیٰ صاحب	عہ	۳۱ سید ظہیر احسن صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس	عہ	۵۸ سید علی حیدر صاحب لوہا منڈی	صہر
۵۔ سید علی اصغر صاحب رئیس جلالی	عہ	۳۲ سید محمد عابد رضا صاحب	عہ	۵۹ محسنہ خاتون صاحبہ دختر سید مصطفیٰ حسین صاحب مرحوم	صہر
۶۔ سید علی اوسط صاحب رئیس جلالی	عہ	۳۳ سید اشفاق حسین صاحب محرر جوڈیشل	عہ	۶۰ سید محمد ابراہیم صاحب	صہر
۷۔ سیٹھ الہ دین بھائی صاحب آگرہ	عہ	۳۴ سیٹھ ولی بھائی صاحب	عہ	۶۱ شیخ سعید حسین صاحب	صہر
۸۔ مرزا شہریار صاحب لکھنؤ	عہ	۳۵ سیٹھ جعفر بھائی صاحب	عہ	۶۲ سید مظاہر حسین صاحب نقوی کمپنی کمانڈر	صہر
۹۔ سید لایلاف حسن صاحب ہیڈ اسسٹنٹ کمشنری بنارس	عہ	۳۶ سیٹھ ہاشم بھائی صاحب	عہ	۶۳ بابو سید علی محمد صاحب شاہ گنج	صہر
۱۰۔ خان بہادر سید ابو محمد صاحب	عہ	۳۷ سید نجم الحسن صاحب	عہ	۶۴ سید نجم الدین صاحب ایم اے پروفیسر	صہر
۱۱۔ سید محمد مطہر صاحب وکیل	عہ	۳۸ بوہرہ سید سجاد حسین صاحب	صہر	۶۵ سید صابر حسین صاحب نقوی بی اے ایل ایل بی کانپور	صہر
۱۲۔ سید داور حسین صاحب سب انسپکٹر	عہ	۳۹ سید ساجد رضا صاحب ایم اے ایڈووکیٹ نائب صدر	صہر	۶۶ مرزا فیاض حسین صاحب لوہا منڈی	صہر
۱۳۔ خان صاحب نواب سید اطہر صاحب میونسپل کمشنر	عہ	۴۰ سید اکرم رضا صاحب	صہر	۶۷ سید امیر حیدر صاحب تخت شارٹ ہینڈ رپورٹر	صہر
۱۴۔ سید علی متقی صاحب پہر سری سیشن جج کھنڈوہ	عہ	۴۱ حاجی سید حیدر کرار صاحب بلرام پور	صہر	۶۸ سید حامد حسین صاحب جعفری منیجر	صہر
۱۵۔ حاجی سید محمد طیب صاحب بلرام پور	عہ	۴۲ سید علی ضامن صاحب ضلعدار	صہر	۶۹ مرزا اقبال حسین صاحب گلاب خانہ	صہر
۱۶۔ سید حامد حسین صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر	عہ	۴۳ سید ابو القاسم صاحب خزانچی سابق	صہر	۷۰ سید قاسم حسین صاحب گارڈ	صہر
۱۷۔ سید عشرت حسین صاحب نائب تحصیلدار چھپار	عہ	۴۴ سید افتخار حسین صاحب	صہر	۷۱ سید امیر حیدر صاحب منصرم پنشنر	صہر
۱۸۔ سید صفدر حسین صاحب سپرنٹنڈنٹ کورٹ آف وارڈس	عہ	۴۵ سید آفتاب احمد صاحب انسپکٹر پولیس	صہر	۷۲ دیوان جی سید علی احمد صاحب	صہر
۱۹۔ سید انعام حسین صاحب تحصیلدار علی گڑھ	عہ	۴۶ سید اختر حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس	صہر	۷۳ سید علمدار حسین صاحب سب انسپکٹر	صہر
۲۰۔ سید خورشید حسین صاحب	عہ	۴۷ سید علی اوسط صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس	صہر	۷۴ سید زین العابدین صاحب رضوی بی اے فارسٹ افسر	صہر
۲۱۔ سید محمود الحسن صاحب سب انسپکٹر باندہ	عہ	۴۸ سید محمد رضی صاحب بی اے	صہر	۷۵ بابو سید محمد صاحب	صہر
۲۲۔ سید آل مصطفیٰ صاحب تحصیلدار پنشنر	عہ	۴۹ سید عشرت حسین صاحب بی اے	صہر	۷۶ سید سبط محمد صاحب ڈپٹی کلکٹر پنشنر	صہر
۲۳۔ شیخ مسعود حسن صاحب خزانچی انجمن	عہ	۵۰ سید دلدار رضا صاحب سب انسپکٹر	صہر	۷۷ سید علی مقدس صاحب ایم اے بی ٹی	صہر
۲۴۔ سید رضا احمد صاحب انسپکٹر پولیس شاہ گنج آگرہ	عہ	۵۱ سید انوار الحسن صاحب منصرم	صہر	۷۸ سید حمید حسین صاحب ایجنٹ	صہر
۲۵۔ سید علی جان صاحب سب رجسٹرار پنشنر شاہ گنج آگرہ	عہ	۵۲ سید علی اطہر صاحب گارڈ	صہر	۷۹ حاجی سید شوکت حسین صاحب بی اے ایل ایل بی	للعہ
۲۶۔ فیاض حسین خاں صاحب پروفیسر ڈیرہ دون	عہ	۵۳ سید ضرب علی حیدر صاحب	صہر	۸۰ سید سردار حسن صاحب جعفری	للعہ
۲۷۔ سید غلام علی احسن سکریٹری	عہ	۵۴ سید باقر رضا صاحب	صہر	۸۱ سید حسن احمد صاحب زمیندار	للعہ

۸۲ سید مصطفےٰ حسنؑ صاحب مستری	للعہ/ ۱۱۲ سید عاشق علی صاحب	عہ/ ۱۴۱ ولایت حسینؑ صاحب	عہ/ ۸/
۸۳ سید محمدؐ حنیف صاحب سب انسپکٹر پولیس ٹونڈلہ	سے ۸/ ۱۱۳ مرزا قاسم جان صاحب	عہ/ ۱۴۲ منظور حسینؑ صاحب	عہ/ ۸/
۸۴ تراب خاں صاحب	سے ۸/ ۱۱۴ حکیم آغا علی قاسم صاحب	عہ/ ۱۴۳ سید سجاد حسینؑ صاحب ٹھیکیدار	عہ/ ۸/
۸۵ سید لیاقت حسینؑ عرف کبو	سے/ ۱۱۵ لائق مرزا صاحب	عہ/ ۱۴۴ لطیف حسینؑ صاحب	عہ/ ۴/
۸۶ ڈاکٹر سید ذاکر حسینؑ صاحب	سے ۱۱۶ مرزا کرار حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۴۵ نواب خاں صاحب	عہ/ ۴/
۸۷ ڈاکٹر سید ناصر حسینؑ صاحب	سے/		
۸۸ سید الثقلین صاحب	سے/ ۱۱۷ مرزا شوکت علی صاحب	عہ/ ۱۴۶ محبوب خاں صاحب	عہ/ ۴/
۸۹ مرزا اشرف حسینؑ صاحب	سے/ ۱۱۸ سید حیدر حسین صاحب تحصیلدار	عہ/ ۱۴۷ ماسٹر سید مصطفیٰ حسینؑ صاحب	عہ/ ۴/
۹۰ ماسٹر سید غلام شبر صاحب	سے/ ۱۱۹ سید زین العابدین صاحب	عہ/ ۱۴۸ سید ابن حسنؑ صاحب	عہ/
۹۱ مرزا بادشاہ علی صاحب کورٹ انسپکٹر	سے/ ۱۲۰ سید مقصود حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۴۹ سید حسنؑ احمد صاحب	عہ/
۹۲ سید اسرار حسینؑ صاحب لوکو ریلوے	سے/ ۱۲۱ ماسٹر سید شاہد رضا صاحب	عہ/ ۱۵۰ سید عابد رضا صاحب گارڈ	عہ/
۹۳ تصدق حسینؑ صاحب پروفیسر	سے/ ۱۲۲ سید ریاض احمدؐ سب رجسٹرار	عہ/ ۱۵۱ منشی سید ناظر حسینؑ صاحب	عہ/
۹۴ سید محمدؐ جلیل صاحب پوسٹ ماسٹر	سے/ ۱۲۳ سید ہاشم حسینؑ صاحب مختار عام	عہ/ ۱۵۲ منشی سید حشمت علی صاحب محافظ دفتر	عہ/
۹۵ سید زاہد علی صاحب سب انسپکٹر پولیس لائن	سے/ ۱۲۴ سید وحید الحسن صاحب	عہ/ ۱۵۳ سید الناصحین صاحب	عہ/
۹۶ شیخ امام بخش صاحب	سے/ ۱۲۵ سید موسیٰ رضا صاحب امین	عہ/ ۱۵۴ مرزا صادق حسینؑ صاحب	عہ/
۹۷ سید اسرار حسینؑ صاحب بی۔ اے	عہ/ ۱۲۶ مولوی سید نجم الحسن صاحب	عہ/ ۱۵۵ بابو رگھوناتھ پرشاد صاحب	عہ/
۹۸ ڈاکٹر سید انصار حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۲۷ مرزا محمدؐ شبیر صاحب گلاب خانہ	عہ/ ۱۵۶ مرزا اکرم حسینؑ صاحب	عہ/
۹۹ سید غفار حسینؑ صاحب کلرک ملٹری	عہ/ ۱۲۸ مرزا جرار حسینؑ صاحب گلاب خانہ	عہ/ ۱۵۷ امیر حسینؑ صاحب	عہ/
۱۰۰ مرزا اسکندر حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۲۹ مرزا نوشہ مرزا صاحب کٹرہ حاجی حسن	عہ/ ۱۵۸ سلطان مرزا صاحب	عہ/
۱۰۱ محمد حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۳۰ سید لطیف احمدؐ صاحب ہیڈ کانسٹبل	عہ/ ۱۵۹ ناظر حسینؑ صاحب معہ اہلیہ	عہ/
۱۰۲ گلاب خاں صاحب	عہ/ ۱۳۱ سید شاہد حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۶۰ مولوی سید محمدؐ رضا صاحب شاہ گنج	عہ/
۱۰۳ سید مہدی حسنؑ صاحب اصطباقی نویس	عہ/ ۱۳۲ سید محمدؐ محسن صاحب متولی مزار	عہ/ ۱۶۱ سید ابو طالب صاحب "	عہ/
۱۰۴ سید آلِ عبا صاحب مختار	عہ/ ۱۳۳ سید مرتضیٰ حسینؑ صاحب سب انسپکٹر پنشنر	عہ/ ۱۶۲ جناب نقوی صاحب	عہ/
۱۰۵ سید سلطان حسینؑ صاحب سب انسپکٹر	عہ/ ۱۳۴ مفتی حیدر حسین صاحب	عہ/ ۱۶۳ سید سعید الحسنؑ صاحب ولد قاری حبیب الحسنؑ صاحب	عہ/
۱۰۶ سید ابو جعفر صاحب	عہ/ ۱۳۵ ڈاکٹر سید غفار حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۶۴ سید محمود الحسنؑ صاحب	عہ/
۱۰۷ آغا سید محمدؐ مدثر صاحب	عہ/ ۱۳۶ چنا خاں صاحب	عہ/ ۱۶۵ داروغہ سید ظفر حسینؑ صاحب	عہ/
۱۰۸ ایوب خاں صاحب	عہ/ ۱۳۷ چھنگا صاحب	عہ/ ۱۶۶ عسکری مرزا صاحب	عہ/
۱۰۹ گل شیر خاں صاحب مستری	عہ/ ۱۳۸ رحیم خاں صاحب	عہ/ ۱۲/ ۱۶۷ سید ضیاء الحسن صاحب عرف حسنا	عہ/
۱۱۰ منشی قدرت اللہ صاحب	عہ/ ۱۳۹ یوسف حسنؑ صاحب	عہ/ ۱۲/ ۱۶۸ سید علی احمدؐ صاحب پھرسری	عہ/
۱۱۱ مہربان حسینؑ صاحب	عہ/ ۱۴۰ اشرف خاں صاحب	عہ/ ۱۶۹ سید علی ضامن صاحب شاہ گنج	عہ/

نام	رقم	نام	رقم	نام	رقم
۱۷۰ سید راحت حسینؑ صاحب	عہر	۱۹۹ غلام ناظم صاحب	عہر	۲۲۸ سید حامد حسینؑ صاحب	۸/
۱۷۱ ڈاکٹر سید داور حسینؑ صاحب	عہر	۲۰۰ مرزا ابن علی صاحب	عہر	۲۲۹ سید شریف الحسنؑ صاحب دوکاندار	۸/
۱۷۲ سید ابوالفضل صاحب	عہر	۲۰۱ ڈاکٹر منظاہر حسینؑ صاحب	عہر	۲۳۰ سید محمد قدیر حسینؑ صاحب	۸/
۱۷۳ سید علی جواد صاحب	عہر	۲۰۲ میر سید حسینؑ صاحب مزار قاضی صاحب	عہر	۲۳۱ سید غلام نقی صاحب	۸/
۱۷۴ زوار حسینؑ صاحب کورٹ انسپکٹر	عہر	۲۰۳ سید مبارک حسینؑ صاحب	عہر	۲۳۲ غلام علی صاحب	۸/
۱۷۵ مرزا احمد علی صاحب	عہر	۲۰۴ سید ابن حسنؑ صاحب	عہر	۲۳۳ غلام حیدر صاحب	۸/
۱۷۶ داروغہ آل حسنؑ صاحب	عہر	۲۰۵ ڈاکٹر سید سخاوت حسینؑ صاحب شوخ	عہر	۲۳۴ علی شبیر صاحب	۸/
۱۷۷ مولوی ارشاد حسینؑ صاحب	عہر	۲۰۶ سید مشتاق حسینؑ صاحب	عہر	۲۳۵ مراد خاں صاحب	۸/
۱۷۸ ڈاکٹر ریاست حسینؑ صاحب	عہر	۲۰۷ احمد اللہ صاحب لفٹنٹ	عہر	۲۳۶ مہدی حسنؑ صاحب	۴/
۱۷۹ ماسٹر محمد قاسم صاحب	عہر	۲۰۸ مرزا سعید حبیب صاحب	عہر	۲۳۷ سید محمد مظہر حسینؑ صاحب	۴/
۱۸۰ سید منور حسینؑ صاحب	عہر	۲۰۹ مولوی سید حسنؑ عباس صاحب	عہر	۲۳۸ ابراہیم صاحب	۴/
۱۸۱ سید المہاجرین صاحب	عہر	۲۱۰ مرزا کاظم مہدی صاحب	عہر	۲۳۹ سید محمد صغیر صاحب	۴/
۱۸۲ سید رفیق حسینؑ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی۔	عہر	۲۱۱ سید حامد علی صاحب جعفری	عہر	۲۴۰ محمد شفیق صاحب بہرسری	۴/
۱۸۳ آغا وحید حسینؑ صاحب	عہر	۲۱۲ بابو خاں صاحب	۱۲/	۲۴۱ سید آل جعفر صاحب شاہ گنج	۴/
۱۸۴ سید ابن حسنؑ صاحب اسٹیشن ماسٹر	عہر	۲۱۳ چاند خاں صاحب	۱۲/	۲۴۲ سید شمشاد حسینؑ	۴/
۱۸۵ فیاض حسینؑ صاحب	عہر	۲۱۴ شاب خاں صاحب	۱۲/	۲۴۳ سید علی حسنؑ صاحب موذن	۴/
۱۸۶ شیراتی صاحب	عہر	۲۱۵ اکرام حسینؑ صاحب	۱۲/	۲۴۴ مرزا اشرف حسینؑ صاحب	۴/
۱۸۷ نواب علی صاحب	عہر	۲۱۶ الطاف حسینؑ صاحب	۱۲/	۲۴۵ سید رفیق الحسن صاحب مرچنٹ	۴/
۱۸۸ حاجی سید العابدین صاحب	عہر	۲۱۷ سید ناظر حسینؑ صاحب کانسٹبل	۸/	۲۴۶ سید ظہور الحسن صاحب	۴/
۱۸۹ سید المصلین صاحب	عہر	۲۱۸ سید اقرار حسینؑ صاحب	۸/	۲۴۷ شیخ محمد اسلام صاحب	۲/
۱۹۰ مرزا نوشہ مرزا صاحب حکیموں گلی	عہر	۲۱۹ سید بدر علی صاحب	۸/	۲۴۸ مرزا اصغر حسینؑ صاحب	۲/
۱۹۱ سید کرار حسینؑ صاحب	عہر	۲۲۰ سید ابوطاہر زیدی	۸/	۲۴۹ آغا کلب حیدر صاحب	۲/
۱۹۲ آغا سرتاج مرزا صاحب	عہر	۲۲۱ اصغر حسینؑ صاحب	۸/	۲۵۰ مرتضیٰ حسینؑ صاحب	۲/
۱۹۳ منظور عباس صاحب بریلوی	عہر	۲۲۲ سید قمر علی صاحب	۸/	۲۵۱ سید قاسم رضا صاحب	۲/
۱۹۴ معشوق حسینؑ صاحب گلاب خانہ	عہر	۲۲۳ سید اختر حسینؑ صاحب	۸/	۲۵۲ حاجی سید ناصر علی صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ نہر	عہ
۱۹۵ احمد حسینؑ صاحب چڑی مار ٹولہ	عہر	۲۲۴ ماسٹر سید محمود الحسن صاحب	۸/	۲۵۳ مولوی انوار الحسن خان لودی وکیل	صہ/
۱۹۶ اشتیاق حسینؑ صاحب	عہر	۲۲۵ میر باقر علی صاحب	۸/		
۱۹۷ سید منظر علی صاحب	عہر	۲۲۶ ابوالقاسم صاحب	۸/		
۱۹۸ غلام کاظم صاحب	عہر	۲۲۷ سید محمد انور حسینؑ صاحب	۸/		

سید غلام علی احسن سکریٹری

(مینیجر آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ)

تیرہ سو سالہ یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ھ آگرہ پر اخباروں کا تبصرہ

خلاصہ روزنامچہ ست سنگ دیال باغ آگرہ

حضرت
ام حسین علیہ السلام کو شہید ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے لہٰذا دنیا میں جگہ جگہ
ن کی یادگار میں جلسے منعقد کئے جا رہے ہیں اور جو زبردست شہادت
ہب خدا کی قربان گاہ پر انھوں نے پیش کی اس کی یاد کو تازہ کیا جا رہا
ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کے چھوٹے
سے تھے جن کو آنحضرت بہت پیار کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ
ا کی شہادت اسلام کی خاطر ہوگی اور اس وقت اسلام ترقی کریگا۔ حضرت
م حسین کا ہمعصر یزید تھا جو دنیا کا حریص۔ حکومت کا بندہ اور برائے نام
لمان تھا۔ خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت امام حسین
ں کے ہاتھ پر بیعت کریں لیکن حضرت حسین نے اُسے خلیفہ تسلیم کرنے سے
ار کر دیا۔ پس یزید نے سمجھوتے و مفاہمت کے دہوکہ سے آنحضرت کو
کربلا کے میدان میں بلایا۔ اُن کے احباب و رفقا نے یزید کو مکار و دہوکہ باز
انتے ہوئے اُن کو وہاں جانے سے روکا لیکن انھوں نے اسلام میں یگانگت
ل جول پیدا کرنے کے لئے یہ جانتے ہوئے کہ وہ دہوکہ دیگا مع عیال و
طفال و عزیز و اقربا کے کربلا جانا منظور کیا۔ وہاں پر یزید کی فوجوں نے ان کو
ا روں طرف سے محصور کر لیا۔ گرمی کے موسم میں پانی بند کر دیا گیا اور ان کو
بور کر دیا گیا کہ وہ یزید کو خلیفہ تسلیم کریں لیکن حضرت امام حسین نے اول اسکے
پاک طریق عمل سے متنفر ہو کر دوم آزادی و آزادی رائے کی حمایت کر کے
لتاً انکار کر دیا اور بہ خوشی گھر کے تمام بچے۔ جوان۔ بوڑھے مذہب و آزادی
کے لئے شہید ہو گئے۔ تمام لوگوں نے شہید ہونے کے قبل کی تمام رات عبادت
نماز میں گزاری اور دوسرے دن یکے بعد دیگرے چھوٹے بڑے سب نے
جام شہادت پیا۔ حضرت امام حسین نے اپنی نگاہ کے سامنے اپنے بھائی۔ لڑکو
بھتیجوں حتیٰ کہ چھ ماہ کے کمسن بچے کو بھی شہید کرا دیا لیکن چہرہ پر شکن نہ آنے
دی اور آخر میں خود بھی شہید ہو گئے۔ اس طرح سے مذہب اسلام کی درگاہ

پر زبردست اور بے مثال قربانیاں کی گئیں۔ ان قربانیوں نے تمام
اسلامی دنیا میں ایک آگ سی لگا دی اور وہ جوش و جذبہ ہر مسلمان کے
دل میں پیدا کر دیا جس کی وجہ سے اسلامی حکومت عرب سے نکل کر تمام
یورپ و ایشیا میں پھیل گئی۔ ٹرکی۔ یونان۔ مصر۔ اٹلی۔ اسپین۔ ایران۔
افغانستان۔ ہندوستان حتیٰ کہ چین اور برما تک مسلمانی دہرم اور مسلمانی
حکومتیں قائم ہو گئیں۔ در اصل اس زبردست ترقی و توسیع کے پس پردہ
یہ زبردست قربانیاں کام کر رہی تھیں۔ ہماری رائے میں مذہب اسلام کی
ترقی و توسیع اسی عظیم الشان قربانی پر قائم ہے۔ اور ہر شخص جس کے اندر
دل اور جس کے دل میں مذہب و خدا کے لئے محبت ہے اس کے اندر
ایسی زبردست شخصیت کے لئے ضرور عزت و قدر ہوگی۔

ست سنگ لٹریچر میں بھی ایک کڑی آتی ہے :-

"جو میرے پریتم سے پیار کرے۔ موہے پیارا لاگے ری"

چونکہ حضرت امام حسین کی شخصیت۔ مذہب اور خدا کا محبت [illegible]
معمور تھی اور انھوں نے اپنے اسی زبردست اعتقاد کی خاطر کسی
دنیوی طاقت سے نہ ڈر کر یہ زبردست قربانی پیش کی لہٰذا ہمارے
دلوں میں بھی ایسی شخصیت کے لئے عزت و پیار کا ہونا ضروری ہے۔

یہ جلسہ آگرہ میں ۱۳، ۱۴، ۱۵ فروری سنہ ۴۲ء کو بکری باغ آگرہ میں منعقد
ہوا۔ کارکنان جلسہ نے حضور [illegible] سے [illegible] کی [illegible]
کے لئے جو دس بجے سے ایک بجے تک ہوا صدارت کے لئے [illegible]
کیا تھا لہٰذا پہلا جلسہ آنحضور کی صدارت میں منعقد ہوا۔
جس میں اہالیان دیال باغ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ [illegible]
کے تشریف لانے پر سکریٹری صاحب و دیگر کارکنان انتظامیہ کمیٹی
نے آنحضور کا خیر مقدم کیا اور آنحضور تمام لوگوں [illegible] تشریف
لائے اور تقریر فرمائی۔ (منقول از پریم پرچارک۔ دیال باغ آگرہ۔ مورخہ ۲۳ فروری سنہ ۴۲ء)